معرفتِ الٰہیہ

کامل

مع

اضافاتِ جدیدہ وخاتمۃ السوانح

اوّل دوم

از افادات

حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری

خلیفہ ارشد

حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی

مرتبہ

جناب مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ

مکتبہ اشرفیہ ۳۰ محمد علی روڈ ممبئی

معرفتِ الٰہیہ (کامل)

مع

اضافاتِ جدیدہ وخاتمۃ السوانح

اوّل، دوم

از افادات

حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ

خلیفۂ ارشد

حضرۃ حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانویؒ

مرتبہ

جناب مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ

ناشر

مکتبہ اشرفیہ ۳۶ محمد علی روڈ بمبئی ۳

مکتبہ اشرفیہ ممبئی کی اہم مطبوعات ایک نظر میں

۱۔ دنیا و آخرت
۲۔ علم و عمل
۳۔ دین و دنیا
۴۔ حقوق و فرائض
۵۔ میلادُ النبیؐ
۶۔ نظامِ شریعت
۷۔ حقیقتِ عبادت
۸۔ حقیقتِ مال و جاہ
۹۔ فضائلِ صبر و شکر
۱۰۔ حقیقتِ تصوّف و تقویٰ
۱۱۔ محاسنِ اسلام
۱۲۔ دعوت و تبلیغ
۱۳۔ جزا و سزا
۱۴۔ تسلیم و رضا
۱۵۔ برکاتِ رمضان
۱۶۔ سنّتِ ابراہیم
۱۷۔ مفاسدِ گناہ
۱۸۔ آدابِ انسانیت
۱۹۔ حقوق الزوجین
۲۰۔ تدبیر و توکل
۲۱۔ ذکر و فکر
۲۲۔ راہِ نجات
۲۳۔ موت و حیات
۲۴۔ حدود و قیود
۲۵۔ اصلاحِ اعمال
۲۶۔ فضائلِ علم
۲۷۔ اصلاحِ ظاہر
۲۸۔ اصلاحِ باطن
۲۹۔ خیر الاعمال
۳۰۔ رحمتِ دو عالم
۳۱۔ فضائلِ صوم و صلوٰۃ
۳۲۔ حیاتُ المسلمین
۳۳۔ تعلیم الدّین (مکمل)
۳۴۔ تبلیغِ دین
۳۵۔ نشر الطیب
۳۶۔ زادُ السعید
۳۷۔ شوقِ وطن
۳۸۔ حقانیتِ اسلام
۳۹۔ آدابُ المعاشرت
۴۰۔ جزاء الاعمال
۴۱۔ اغلاط العوام
۴۲۔ سیرتِ خاتم الانبیاء
۴۳۔ سنّت و بدعت
۴۴۔ آدابُ النبیؐ
۴۵۔ تالیفاتِ مصلح الامّت (مکمل)
۴۶۔ تلاوتِ قرآن
۴۷۔ نسبتِ صوفیہ
۴۸۔ احکامِ میّت
۴۹۔ اسوۂ رسولِ اکرمؐ
۵۰۔ روح کی بیماریاں
۵۱۔ رسول اللہؐ کی سنّتیں
۵۲۔ ایک منٹ کا مدرسہ
۵۳ مواعظِ دردِ محبت مجلد ۱
۵۴ مواعظِ دردِ محبت مجلد ۲
۵۵ مواعظِ دردِ محبت مجلد ۳
۵۶ مواعظِ دردِ محبت مجلد ۴
۵۷۔ معارفِ مثنوی
۵۸۔ محبوبِ دعائیں
۵۹۔ حج کا ساتھی
۶۰۔ فروع الایمان
۶۱۔ مجالسِ ابرار

مکتبہ اشرفیہ ۳۶، محمد علی روڈ، مقابل مسجد، ممبئی ۳

فہرست مضامین

ترجمۃ المصنف (حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری نور اللہ مرقدہٗ کے مختصر حالات

مضمون	صفحہ
ولادت باسعادت	۲۱
علوم وفنون کی تحصیل وتکمیل	۲۱
درس وتدریس	۲۵
روحانی ولادت یعنی بیعت وارادت	۲۶
قیام مدرسہ روضۃ العلوم	۲۷
قیام مدرسہ بیت العلوم	۲۷
نقل مکتوب حضرت تھانویؒ	۲۸
خلافت کے متعلق چند غیبی بشارتیں	۲۹
حضرت والا کی سادگی	۳۱
نقل ملفوظ حسن العزیز	۳۱
حضرت والا کا شوق جہاد	۳۲
حضرت والا کا لباس	۳۴
حضرت مولانا کی عبادت	۳۵
تعلیم اور مجلس کا خاص انداز	۳۶
تلاوت کا خاص انداز	۳۶
حضرت والا کا ذوق شعر وسخن	۳۷

مضمون	صفحہ
حضرتؒ کے مبشراتِ منامیہ	
اور انعاماتِ ربانیہ	۴۰
تعبیرات خواب	۴۵
تصنیف وتالیف	۵۳
حضرت کے مجازین وخلفاء	۵۶
خاتمۃ السوانح	۵۸
آخری ایام کے مخصوص واقعات	۶۸
مثنوی، نالۂ غمناک دربادِ مرشد	۷۴
نالۂ غمناک دربادِ مرشد	۸۱
نالۂ غم بیاد حضرت شیخ پھولپوریؒ	۸۲
تذکرہ (منظوم) شاہ عبد الغنی صاحبؒ	۸۳
اصلاح کا آسان نسخہ (منظوم)	۸۵
مجوزہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ	۸۵
منکر قیامت سے خطاب	۸۸
(اثبات قیامت منظوم)	۸۸

* * * * * * *

مضمون	صفحہ
مقصدِ حیات اور اقتضاءِ فطرتِ بشریہ	۹۱
موجد اور صانع حقیقی	۹۶
سائنس کی حقیقت	۹۸
بصیرتِ قلب کا ثبوت	۱۰۲
ظاہری حیاتِ دنیا اور اس کی حقیقت	۱۰۲
چشمِ ظاہر بیں اور عقل کا فرقِ ادراک	۱۰۳
ایمان بالغیب کے چند نظائر اور نمونے	۱۰۴
امتناعِ رویت فی الدنیا پر ممکنات سے استدلال	۱۰۸
وقوعِ رویت فی الآخرۃ	۱۰۹
حکمتِ امتناعِ رویت فی الدنیا	۱۰۹
تفکر فی اللہ سے ممانعت اور تفکر فی خلق اللہ کا حکم	۱۱۰
سورۃ فاتحہ سے استدلالِ وحدانیت	۱۱۱
معرفتِ الٰہیہ کا ربوبیتِ الٰہیہ سے تعلق	۱۱۲
تربیت کی تعریف	۱۱۲
عالم کی تعریف	۱۱۳
ماں باپ کی تربیت کا ربوبیتِ الٰہیہ سے تعلق	۱۱۳
تصرفات بالوسائط کی حکمت	۱۱۵
تخلف فی الاسباب کی حکمت	۱۱۶
ایک حکایت	۱۱۷
تربیت بدون واسطۂ اسباب	۱۱۸
نمرود کی تربیت کا واقعہ	۱۱۸
افلاس کی حکمت	۱۲۱
نفس کی نگرانی	۱۲۱
صفت ربوبیتِ الٰہیہ کا تمام اسماءِ حسنیٰ سے ربط	۱۲۲
اسباب و تدابیر کا درجہ اور ان کی صحیح حقیقت	۱۲۵
تدابیر کے مؤثر بالذات نہ ہونے پر استدلال	۱۲۶
تخلف اسباب سے مؤثر حقیقی کی پہچان	۱۲۷

مضمون	صفحہ
میرا ایک واقعہ	۱۳۰
طلب معاش میں اجمال کا مطلوب ہونا	۱۳۱
احتراز فی انہماک فی الاسباب	۱۳۱
مفہوم کاہلی عارفین از کسب دنیا	۱۳۲
عارفین کے عدم کاوش فی الاسباب کی وجہ	۱۳۳ / ″
رزق کا مدار کثرت اسباب پر نہیں ہے	۱۳۵
رزق میں تنگی اور فراخی کی حکمت	۱۳۶
عالم باللہ کی شان	۱۳۷
ایک بزرگ کی حکایت	۱۴۰
علوم اور معارف وہبیہ کے حصول کا طریقہ	۱۴۵
علم کا اصلی مقام	۱۴۵
صحیح علم تعریف	۱۴۷
نعمت علم دین دونوں جہان کی نعمتوں سے بڑھکر ہے	۱۴۷
تمام علوم کا حاصل	۱۴۸
قارون کے زمانے کا ایک واقعہ	۱۴۹
مقرب اور اجرت دار کا فرق	۱۵۰
اشراف نفس کی تعریف	۱۵۲
ایک بزرگ کا واقعہ	۱۵۳
خدا کے ساتھ حیلہ سازی کا انجام	۱۵۴
امور آخرت میں عارفین کی عالی ہمتی	۱۵۵
قلب عارف اور حق تعالیٰ کے درمیان مخفی راہ	۱۵۶ / ″
عارفین کا مرتبۂ روح میں چاہ دنیا سے خارج ہونا	۱۵۷
عارف باللہ کی شان	۱۶۰
مجنوں کا احترام عشق	۱۶۱
معرفت سے محبت پیدا ہونے کی ایک عجیب مثال	۱۶۲
طریق زہد اور طریق عشق	۱۶۳
فرق سیر زاہد اور سیر عارف	۱۶۴
مذاق قلندری کی تحقیق	۱۶۵
حضرات صحابہؓ کی شان محبت	۱۶۵
مجنوں کی حکایت	۱۶۶
محبت کے دو گواہ	۱۶۸
حضرات صحابہؓ کی شدت محبت کا ایک رُخ	۱۶۸
ساقی الست کا انعام	۱۷۰

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
تقریر اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ	۱۷۴	عدم قدرت بر احصار نعم الٰہیہ	۱۹۳
اطاعت کی صحیح تعریف	۱۷۶	ایک شبہ اور اس کا جواب	۱۹۴
ایک مشہور شعر سے غلط فہمی اور		ایک اعتراض اور اس کا حل	۱۹۴
اس کا جواب	۱۷۷	ربوبیت الٰہیہ کی تفصیل	۱۹۵
نماز میں خشوع کی تعریف	۱۷۸	ظہور شان ربوبیت سے توحید پر استدلال	۱۹۸
حصول خشوع فی الصلوٰۃ کا طریقہ	۱۷۹	ایک اشکال اور اس کا حل	۲۰۲
امانت الٰہیہ کا بار کس نے اٹھایا	۱۸۰	ایک حکایت	۲۰۴
اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ میں ذکر صفت ربوبیت		اطمینان اور لذت کا مدار اسباب	
کی حکمت	۱۸۲	خارجیہ پر نہیں ہے۔	۲۰۶
تقدیم صفت شدت علی الکفار	۱۸۳	حیوٰۃ طیبہ کی تعریف	۲۰۷
کی حکمت	〃	حضرت آدم علیہ السلام کی گریہ زاری	۲۰۸
عدم اعتبار شجاعت قبل جنگ	۱۸۴	قصہ حضرت یوسف علیہ السلام	۲۰۸
حضرات صحابہؓ کی شدت محبت کا		قصہ حضرت ایوب علیہ السلام	۲۱۰
دوسرا رُخ	۱۸۶	قصہ حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ	۲۱۱
حضرات صحابہؓ کی شدت محبت کا		قصہ حضرت حاجی صاحبؒ	۲۱۱
تیسرا رُخ	۱۸۸	اللہ والوں کا اپنی گدڑی میں اطمینان	۲۱۲
انسان کی پیدائش میں وحدانیت		انسان کے خمیر میں حق تعالیٰ کی محبت	۲۱۳
کی دلیل	۱۸۹	لیلیٰ کی محبت میں مجنوں کی نادانی	۲۱۴
حق تعالیٰ کے احسانات کا استحضار		اللہ والے دنیا میں کس طرح رہتے ہیں	۲۱۶
محبت پیدا کرتا ہے	۱۹۲	جذب کی تعریف	۲۱۷

مضمون	صفحہ
جس کو حق تعالیٰ اپنا بناتے ہیں اس	
کو دنیا سے بے رغبت فرماتے ہیں	۲۱۸
زہد کا مفہوم	۲۱۸
قصہ حضرت ابراہیم ادہمؒ	۲۱۹
اللہ والوں کی مخالفت اور ایذا رسانی	۲۲۳
کا انجام	
ایک عجیب حکایت	۲۲۵
بدگمانی اور اعتراض کا منشا قلتِ	
عشق ہے۔	۲۲۶
عقل اور عشق	۲۲۷
محبت کے ثمرات	۲۲۹
فنا نفس کے موانع اور اس کے	
ازالہ کی تدبیر	۲۳۱
غلبۂ مستیٔ حق اور اس کا ثمر	۲۳۲
دنیا کی بے ثباتی پر ایک عجیب تمثیل	۲۳۴
دنیا کا گھر دھوکہ کا گھر کیوں ہے	۲۳۶
موت کے وقت انسان کی بیکسی	۲۳۷
موت کے وقت کس بہار سے سکون ملتا ہے	۲۳۸
حدیث کُنْ فِی الدُّنیا کانَّکَ غریبٌ کی تقریر	۲۳۸
طریقِ عشق	۲۴۰

مضمون	صفحہ
واقعہ حضرت ابن ذارفؒ	۲۴۰
ایک بزرگ کی حکایت	۲۴۲
ایک عجیب واقعہ	۲۴۳
محبت کا اثر	۲۴۴
دوائے نخوت و ناموس	۲۴۵
ترکِ معشوقی اور اختیارِ عاشقی	۲۴۶
پیاس کی طلب پانی کی طلب سے	۲۴۶
مقدم ہے	″
قصۂ بادشاہ عرب کہ عشق حقیقی	
نے ان کو خطۂ عرب سے باہر کر دیا	۲۴۸
تذکرہ مولانا رومیؒ	۲۵۰
مولانا رومیؒ کے لئے حضرت تبریزؒ	۲۵۵
کی دعاء	″
حضرت مولانا رومیؒ کے قلب میں	
اپنے پیر کی محبت	۲۵۷
حضرت تھانویؒ کا تبلیغی کام کرنیوالوں	۲۶۱
کے لئے مشورہ	″
مثنوی شریف کے متعلق حضرت نانوتویؒ کا ارشاد	۲۶۱
مثنوی شریف سے حضرت حاجی صاحبؒ	۲۶۲
کا تعلق	″

مضمون	صفحہ
خواب میں مثنوی شریف کے متعلق	۲۶۳
حضرت حاجی صاحبؒ کا ارشاد	〃
مثنوی شریف کے الہامی ہونے پر	
مولانا رومیؒ کے ایک شعر سے استدلال	۲۶۳
مولانا رومی کی پیشگوئی	۲۶۴
آفتاب معرفت مولائے رومؒ کا وقت	۲۶۶
غروب یعنی تذکرۂ وفات	〃
امت پر مثنوی شریف کا احسان	۲۶۶
سادگی ایمان کی علامت ہے	۲۲۸
حضرت تھانویؒ کا ارشاد	۲۶۸
موت کا استحضار	۲۶۹
ایک اعتراض اور اس کا جواب	۲۷۰
تذکرہ اصحاب صفہؓ	۲۷۳
انسان کی سب سے بڑی ترقی	۲۷۵
عاقل کی تعریف	۲۷۷
مثنوی شریف کی ایک حکایت	۲۷۹
عجیب عبرت	۲۸۱
وحدانیت کی بڑی دلیل خود انسان	۲۸۳
کا وجود ہے	〃
حضرت علیؓ کا ایک قول	۲۸۳

مضمون	صفحہ
انسان کے اندر تصرفات الٰہیہ	۲۸۳
مختلف السمت ہواؤں میں توحید کی نشانی	۲۸۷
فلسفہ کا قاعدہ مسلمہ	۲۸۸
حق تعالیٰ کی عجیب قدرت دلائل توحید	〃
علماء کے لئے وجود صانع پر عقلی دلیل	۲۹۰
علماء کے لئے توحید پر عقلی دلیل	۲۹۱
اللہ تعالیٰ کے وجود پر عام فہم تقریر	۲۹۲
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ	۲۹۵
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ	۲۹۷
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ	۳۰۰
اللہ تعالیٰ کی واحدانیت پر عام فہم	
تقریر (دلیل اوّل ۔ دلیل ثانی)	۳۱۰
حق تعالیٰ کے تصرفات عجیبہ	۳۱۲
شہداء کی حیات	۳۲۱
شہید محبت الٰہیہ کی قدردانی	۳۲۲
سرگرمیٔ عشق	۳۲۳
موت سے طبعی وحشت مضر نہیں	۳۲۷
حضرت عمرؓ کی دعاء	۳۲۷
بیان عشق حقیقی	۳۲۸
حدیث صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ کی تقریر	۳۳۰

مضمون	صفحہ
صحبت اولیاء کی ضرورت پر حدیث	۳۳۳
مذکور سے استدلال	″
عقل ابدالان	۳۳۵
عقل ناقص	۳۳۶
منعم حقیقی سے تعلق کی ضرورت	۳۳۶
نبیؑ، صدیقؓ شہیدؓ، صالحؓ کی تعریف	۳۳۷
ہر چیز اپنے خزانے سے ملتی ہے	۳۳۸
دین نعمت الٰہی ہے زحمت نہیں ہے	۳۳۹
دل میں نور آنے کا مفہوم	۳۴۳
جاہلوں کی فقیری	″
نورانی بندوں کی پہچان	۳۴۴
اولیاء اللہ کی رفاقت کے بغیر دین نہیں ملتا ہے۔	۳۴۷
	″
صحبت نیک کی ضرورت اور صحبت بد سے پرہیز۔	۳۴۷
	″
دین سراپا رحمت ہے اور سراپا نعمت ہے	۳۴۸
نعمت دین کو زحمت سمجھنے کی وجہ	۳۴۹
ایک متکبر کی حکایت	۳۵۱
معانی کا طریقہ	″
معانی مانگنے کا صحیح طریقہ	″

مضمون	صفحہ
ایک شعر کی ضروری اصلاح	۳۵۳
خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ میں موت کو مقدم فرمانے کی حکمت	۳۵۳
	″
کثرت سے موت کی یاد کا نفع	۳۵۴
حدیث اَلنَّوْمُ اُخْتُ الْمَوْتِ	۳۵۵
رات میں قیدی اور بادشاہ برابر ہو جاتے ہیں	۳۵۵
نیند سے استدلال توحید	۳۵۶
حق تعالیٰ کی معرفت کے لئے چند نشانیوں کا ذکر	۳۵۷
انسان کی حقیقت	۳۵۸
عمدہ عمدہ غذاؤں کی حقیقت	۳۵۹
حق تعالیٰ کی صنعت عجیبہ	۳۶۰
انسان در حقیقت کب بالغ ہوتا ہے۔	″
قلب انسانی کب محل نورانی ہوتا ہے	۳۶۱
حدیث قدسی	۳۶۲
❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊	

فہرست "معرفت الٰہیہ" حصہ دوم

مضمون	صفحہ
معرفت الٰہیہ کے آثار و لوازم	۳۶۴
مقام فنائیت اخلاص سے بھی اونچا	〃
مقام ہے	〃
عارف کی شان	۳۶۵
مولانا سید سلیمان ندویؒ کا واقعہ	۳۶۶
مرنے سے پہلے مرجانے کا مطلب	۳۶۷
خشیت حق بقدر معرفت حق پیدا	
ہوتی ہے	۳۶۸
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی شان	
عبدیت کو شان رسالت پر مقدم فرمانا	۳۶۸
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عبدیت	۳۶۹
غیر عارف کا جہل	۳۶۹
شیطان کا زہر	۳۷۰
کم ظرف اور اہل ظرف کا فرق	۳۷۰
عارف کا حوصلہ	〃
روح عارف کی آواز	〃
حکایت ایاز اور شاہ	۳۷۱
محمودؒ	〃

مضمون	صفحہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فرض نماز	
کے بعد استغفار فرمانے کی حکمت	۳۷۲
حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ	۳۷۳
کی شان فنائیت	〃
احبات کی تعریف	۳۷۴
استحضار عظمت الٰہیہ کا اثر	۳۷۴
تواضع کا صحیح مفہوم	۳۷۵
دین کی فہم بڑی نعمت ہے	۳۷۶
محبت سے دین مستحکم نصیب ہوتا ہے	۳۷۷
خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ کا واقعہ	۳۷۸
حضرت مرشدیؒ تھانوی کی شان	
عبدیت۔	۳۷۹
حضرت تھانویؒ کا ایک واقعہ	۳۸۰
حضرت تھانویؒ کا دوسرا واقعہ	۳۸۱
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی	
شان عبدیت۔	〃
تحقیق سر اپردہ	۳۸۳
اَلْعَلَمُ ھُوَ اَنْجَابُ الْاَکْبَر کی تحقیق	۳۸۳

مضمون	صفحہ
حضرات صحابہؓ کی شان عبودیت	۳۸۴
عابد مغرور کی مثال	۳۸۵
حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی شان عبدیت۔	۳۸۷
حضرت مرشدی کی عبدیت اور فنائیت	۳۸۸
حضرت غوث پاکؒ کی عبدیت	۳۸۹
تقویٰ شرط ولایت ہے	۳۸۹
ہدیٰ للمتقین کے عجیب تفسیری لطائف (عنوان اول، عنوان ثانی، عنوان ثالث)	۳۹۰
سورۂ فاتحہ سے ہدیٰ للمتقین کا عجیب ربط	۳۹۴
اپنے کو حقیر سمجھنا درجۂ تصور میں کافی ہے فنائیت درجۂ تصدیق میں مطلوب ہے۔	۳۹۷
اعمال حسنہ کرکے ڈرتے رہنے پر ایک آیت سے استدلال	۳۹۷
حضرت نانوتویؒ کا ایک عجیب ارشاد دعا کی قبولیت میں تاخیر کی حکمت۔	۳۹۹

مضمون	صفحہ
مومن کے لئے تاخیر قبولیت دعا	۴۰۰
کا عین خطا رحق ہونا	〃
تمثیل اول	〃
تمثیل ثانی	〃
دنیا مومن کیلئے قید خانہ اور کافر کیلئے جنت کس اعتبار سے ہے	۴۰۱
نالۂ گنہگاران کا اثر	۴۰۲
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا برائے طلب گریہ وزاری	۴۰۳
فانی سے محبت کا انجام	۴۰۵
اللہ تعالیٰ جس بندے سے خوش ہوجاتے ہیں تو اس کو بھی خوش فرمادیتے ہیں۔	۴۰۶
اہل اللہ فاقے اور پیوندی لباس میں بھی خوش رہتے ہیں۔	۴۰۶
مقبول بندوں کو انتقال کے وقت حق تعالیٰ کی طرف سے بشارت	۴۰۷
ہر بندے کے ساتھ حق تعالیٰ کا معاملہ الگ ہے	۴۰۸
عالم حادث عالم غیب کا نمونہ ہے	۴۰۹

مضمون	صفحہ
بندوں کا کام بندگی ہے چون و چرا نہیں ہے۔	۴۱۰
مجنوں کی حکایت	۴۱۱
حق تعالیٰ کی محبت میں عجیب لذت ہے	۴۱۲
حضرت غوث پاکؒ کا واقعہ	۴۱۴
عشق سب آرایش و زیبائش کو ختم کر دیتا ہے۔	۴۱۴
حضرت حاجی صاحب کے تین شعر	۴۱۵
حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فنائیت اور عبدیت کا ملہ	۴۱۵
حضرت عزرائیل علیہ السلام پر غلبۂ عظمت الٰہیہ کا اثر	۴۱۶
حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ایک روایت	۴۱۷
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص اوقات قرب	۴۱۷
حضرت عائشہ صدیقہؓ کا واقعہ	۴۱۷
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالتِ خشیت نماز میں	۴۱۸
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عبدیت	۴۱۸
تقریر انہ لیغان علیٰ قلبی	۴۲۰
حضرت گنگوہی کی تحقیق کہ حضورؐ کا استغفار کن امور سے تھا۔	۴۲۱
درجات قرب کے غیر متناہی ہونیکا ثبوت یا ایہا الذین آمنوا آمنوا کی آیت سے۔	۴۲۱
اصلی علم اور اصلی فکر کیا ہے	۴۲۲
طلبار اور مدرسین کے لئے حضرت تھانویؒ کا ارشاد	۴۲۳
آج کل اکثر اہل علم اعمال سے غافل کیوں ہیں۔	۴۲۴
حدیث پڑھنے اور پڑھانے کا لطف کب ہے۔	۴۲۵
لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر میں ذنب سے کیا مراد ہے	۴۲۶
حضرت آدم علیہ السلام کا عصیان نسیان تھا۔	۴۲۷
حضرت آدم علیہ السلام کے نسیان کو عصیان سے تعبیر فرمانے پر ایک عجیب تقریر	۴۲۷

مضمون	صفحہ
حضرت آدم علیہ السلام کی گریہ وزاری	۴۲۸
اس راہ میں صاحب الحزن بہت	
جلد ترقی کرتا ہے	۴۲۹
لوازم بشریہ کا انفکاک کامین سے	
بھی نہیں ہوتا ہے	۴۳۱
بڑوں کی معمولی چوک کو بھی اہمیت	
دی جاتی ہے۔	۴۳۲
عوام کا قرب خواص کے لئے بمنزلہ	〃
حجاب کے ہے۔	〃
حضرت سلیمان علیہ السلام کی	
عبدیت کاملہ	۴۳۳
خواص بندے انعامات الٰہیہ کو	
امتحانات الٰہیہ سمجھتے ہیں	۴۳۷
عارفین اپنے اعمال حسنہ کو عطاء	
حق سمجھتے ہیں	۴۳۷
حضرت خضر علیہ السلام کا ادب	۴۳۸
قصہ حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت	
موسیٰ علیہ السلام کے متعلق تفسیری لطائف	۴۳۹
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی	
عبدیت کاملہ	۴۴۴

مضمون	صفحہ
حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سنت	
خضر علیہ السلام کے واقعہ سے عوام	
کو ایک دھوکہ اور اس کا جواب	۴۴۷
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ادب	
اور ان کی عبدیت کاملہ	۴۴۹
حضرت نوح علیہ السلام کا ادب	
اور ان کی عبدیت کاملہ	۴۵۰
حضرت یوسف علیہ السلام کی	
عبدیت کاملہ	۴۵۲
نفس کے پانچ خطابات	۴۵۶
لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ کی عجیب تقریر	۴۵۷
حضرت عمرؓ کی شان عبدیت	۴۶۱
کوئی شخص عمال سے نہ بخشا	
جائے گا۔	۴۶۲
اعمال پر جزاء دراصل عطاء ہے	۴۶۳
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آخری	
وصیت	۴۶۳
عابد بے سمجھ	۴۶۵
حضرت شیخ شہاب الدینؒ سہروردی	
کی دو نصیحت	۴۶۵

مضمون	صفحہ
خلوت نشینی کب محمود ہے ؟	۴۶۶
حضرت حاجی امداد اللہ صاحب	
مہاجر مکیؒ کا ارشاد	۴۶۷
سچا پیر کون ہے ؟	″
غفلت کے تالے	۴۶۸
عارف کی مناجات	۴۶۹
اصلاحِ نفس کے لئے حضورؐ کی	
ارشاد فرمودہ دعاء	۴۷۰
کبھی اخلاق حمیدہ اور اخلاق رذیلہ	
میں نفس غلط ملط کر دیتا ہے	۴۷۱
استغنار از تکبر اور استغنار از غلبہ	
توحید کا فرق	۴۷۱
مبتدی کے لئے تحدیث بالنعمت	
جائز نہیں ہے	۴۷۲
مدارات اور مداہنت کا فرق	″
خوف ریار سے ترک عبادت	۴۷۳
بھی ریا ہے۔	″
اخلاص کا طریقہ	۴۷۳
ریار کی حقیقت	″
حضرت تھانوی کا ۱۷ سال کی عمر	

مضمون	صفحہ
میں اپنے ایک معمول سے رجوع	۴۷۴
سالک غیر عارف اور سالک عارف	
کا فرق	۴۷۵
اپنی فنائیت کا دعویٰ کرنا خود تکبر	
کی نشانی ہے۔	۴۷۵
یہ راستہ بڑا نازک راستہ ہے	۴۷۶
اصرار علی المعصیت کے ساتھ	
صاحب ہونے کا باطل ہے۔	۴۷۶
شرک خفی کے متعلق ایک حدیث	
ایک اشکال اور اس کا جواب	۴۷۷
حضرت تھانویؒ کا ارشاد	۴۷۸
عارفین کا اپنی نیت کی تحقیق کرنا	۴۷۹
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ	۴۸۰
حضرت حاجی امداد اللہ صاحب	
مہاجر مکیؒ کی شان عبدیت	۴۸۱
ایک بڑے میاں کا واقعہ جو خلافت	
حاصل کرنے کی نیت سے ذکر	
و شغل کرتے تھے	۴۸۲
اپنی طرف سے طلب منصب کا	
کا منشار نفس پرستی ہے	۴۸۳

مضمون	صفحہ
شان عاشق	۴۸۳
عشق کی نصیحت	۴۸۵
حدیث شریف متعلق با دیار نستہ حال و پراگندہ بال	۴۸۵
ذکر میں کیفیت کا انتظار نہ چاہئے	۴۸۷
ایک ذاکر کی حکایت	۴۸۸
ذکر کی پابندی ہی اصل مطلوب ہے مقصود اعمال ہیں کہ کشف و	۴۸۹
کرامت وغیرہ	۴۹۰
رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً کی تفسیر	
اعمال حسنہ	۴۹۱
سالک کا صحیح سلک	۴۹۲
علاج وسوسہ شیطانی	۴۹۳
ایک علم عظیم متعلق آیت کَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ۔	۴۹۴
رذائل کا ازالہ مطلوب ہے نہ کہ ازالہ	۴۹۷
عالم ارواح سے رُوح کے منتقل ہونے کی حکمت	۵۰۱
صراط مستقیم رُوح کے لئے دوار ہجر ہے۔	۵۰۲
بندۂ مومن متقی اللہ تعالیٰ کا غلام بھی ہے اور دوست بھی ہے۔	۵۰۵
عالم ارواح میں تقویٰ کے اسباب تھے	۵۰۷
تقویٰ کے اسباب کیا ہیں	〃
اللہ تعالیٰ کی پہچان کا طریقہ	۵۱۳
قرآن کی روشنی میں عباد الرحمٰن کی	
پہچان کی پہلی صفت	۵۱۴
عباد الرحمٰن کی پہچان کی دوسری	
صفت	۵۱۷
خلوت مع اللہ کی ترغیب ایک	
حدیث سے	۵۱۸
مضامین کا القار فی الجلوۃ تلقی فی	
الخلوت پر موقوف ہے۔	۵۱۹
اللہ تعالیٰ کی محبت میں گریہ وزاری	۵۲۰
حق تعالیٰ کے تصرفات عجیبہ	〃
مسئلہ قضاء و قدر	۵۲۲
عباد الرحمٰن کی پہچان کی تیسری صفت	۵۲۵
ہمارے دادا پیر حضرت حاجی صاحبؒ	
کے دو شعر	۵۳۴
تذکرہ مولانا محمد احمد صاحب پرتابگڈھی	〃

مضمون	صفحہ
عشاق کی شان	۵۳۷
غم عشق	۵۳۹
سالک کو اہل محبت کی صحبت اختیار کرنا چاہیئے۔	۵۴۱
شیخ کامل محبت عین محبت حق ہے	۵۴۲
اطاعت رسول عین اطاعت حق ہے	۵۴۴
ارواح عارفین کی عظمت وجلالت شان۔	۵۴۶
شیخ کامل کو چشم ابلیس لعین سے مت دیکھو۔	۵۴۷
ابلیس کے اندر محبت کا مادہ نہ تھا	〃
حضرت حاجی صاحبؒ کا ارشاد	۵۴۸
اولیاء اللہ کا مقام	〃
ابدال کی تعریف	۵۵۰
عبدیت روح عارف عظمت الٰہیہ کے سامنے۔	۵۵۱
اپنے باطن میں راہ پیدا کرلو	۵۵۳
اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے کا طریقہ	۵۵۴
کشف وکرامت وجد واستغراق و رقص کی حقیقت	۵۵۶

مضمون	صفحہ
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ کیسے معلوم ہو؟	۵۵۷
	〃
اللہ والوں کی باتوں میں اثر ہونیکی وجہ	۵۵۹
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے ایک مجذوب چرواہے کا قصہ	۵۶۱
محبت کا زخم	〃
انبیاء علیہم السلام غالب علی الاحوال رہتے ہیں	۵۶۸
	〃
مغلوب الحال مثل بچے کے ہوجاتا ہے	۵۶۹
مجذوب سالک کا چپراسی ہوتا ہے	۵۷۰
پار غالب علی الاحوال سے دین کا	〃
فائدہ ہوتا ہے۔	〃
حضرت منصورؒ اور علماء وقت	۵۷۱
اللہ والوں کی پہچان کی چوتھی صفت	〃
اللہ والوں کی پہچان کی پانچویں اور چھٹی صفت۔	۵۷۶
	〃
توبہ کی حقیقت	۵۷۸
ایک حکایت	〃
مضمون توبہ کی تفصیل	۵۷۹
توبہ کمیتعلق ایک شبہ اور اس کا جواب	۵۸۴

مضمون	صفحہ
گناہوں سے بچنے کا ایک مراقبہ	۵۸۶
اللہ والوں کی ساتویں صفت	۵۸۹
اللہ والوں کی آٹھویں صفت	〃
اللہ والوں کی نویں صفت	〃
اللہ والوں کی پہچان کا ایک جامع اور نہایت سہل طریقہ	۵۹۲
خلاصۂ معرفت الٰہیہ	۵۹۳
صحبت اہل اللہ	〃
کثرت ذکر اللہ	۵۹۴
ذکر سے فکر کا جمود دور ہوتا ہے	۵۹۵
محبت کا تیر	۵۹۶
عارف فکر سے بھی مراتب قرب طے کرتا ہے۔	۵۹۷
طالب کا التزام ذکر پیر کے نور کا جاذب ہوتا ہے	۵۹۹
صحبت شیخ کی ضرورت	۶۰۰
مذاق تبتل شیخ کامل کی خاص علامت ہے۔	۶۰۱
بدون صحبت شیخ کام کرنے کے مہلکات	۶۰۳
صبح ہوا خوری کے لئے بہ نیت حفاظت صحت پر حضرت تھانویؒ کا ارشاد	۶۰۳
عارف اور غیر عارف میں صرف اخلاص اور فہم کا فرق ہوتا ہے	۶۰۶
نفس کی اتباع کے مفاسد	〃
ایک بزرگ کی حکایت	۶۰۹
بزرگانِ دین باوجود کمالات علمیہ وعملیہ کے اپنے کو کچھ نہیں سمجھتے ہیں۔	۶۱۰
ایک واقعہ	۶۱۴
اصل اعتبار خاتمہ کا ہے	۶۱۵
	۶۱۶

مقدمہ

از جناب مولانا حکیم محمد اختر صاحب خادم خاص حضرت شاہ پھولپوری

خلیفہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم

یہ کتاب معرفتِ الٰہیہ دراصل حضرت مولانا شاہ پھولپوری کی ۱۶ سال کی مختلف مجالس کے ارشادات و تقاریر کا مجموعہ ہے جس کو احقر قلمبند کرلیا کرتا تھا۔

یہ علوم و ارشادات بعض تو درس بخاری شریف کے وقت میں ہوئے بعض بصورت جلسہ و خطاب عام ہوئے بعض مجلس احباب خصوصی میں بصورت ملفوظات ہوئے۔ بعض علوم درس مثنوی مولائے روم کے وقت ارشاد ہوئے اور بعض علوم و معارف اس وقت کے ہیں کہ حضرت پھولپوریؒ تنہا تلاوت و ذکر میں مشغول ہوتے تھے اور اچانک ارشاد فرماتے کہ حکیم اختر! احقر عرض کرتا، جی، حضرت ارشاد فرماتے کہ اس آیت کے متعلق یا اس حدیث کے متعلق حق تعالیٰ نے علم عظیم عطا فرمایا ہے پھر تقریر فرماتے اور حکم فرماتے کہ اس مضمون کو لکھ لو۔ اکثر جب کسی وارد علمیہ کی تقریر فرماتے تو ارشاد فرماتے کہ یہ نعمت علم ایسی نعمت ہے کہ ہفت اقلیم کی دولت اس کے سامنے ہیچ ہے۔ اور فرماتے کہ حضرت والا تھانویؒ کا یہ سب کچھ فیض ہے۔ حضرت والا پھولپوریؒ کے ان علوم عظیمہ کو احقر قلمبند کرکے جب سناتا تو بہت مسرور ہوتے اور بعض احباب سے غائبانہ فرماتے کہ حکیم اختر ہمارے علوم غامضہ کو بھی خوب سمجھ لیتے ہیں اور پھر اس کو باحسن طریق قلمبند بھی کرلیتے ہیں

ایک بار حضرت مفتی محمد شفیعؒ صاحب (صدر دارالعلوم کراچی) نے حضرت والا پھولپوریؒ سے فرمایا کہ حضرت! حکیم اختر کو ماشاء اللہ حق تعالیٰ نے تحریر مضامین کا خوب سلیقہ عطا فرمایا ہے تو حضرت والا پھولپوریؒ نے میری طرف رخ فرما کر ارشاد فرمایا کہ خبردار! تم اپنا کوئی کمال مت سمجھنا (یہ علاج نفس کے لئے) پھر تنہائی میں احقر سے ارشاد فرمایا کہ یہ اُستاد کا فیض ہوتا ہے اپنی طرف نسبت کبھی نہ کرنی چاہیئے۔

کراچی میں حضرت پھولپوریؒ کے حکم سے انھیں ۱۶ سالہ مسودات اور مجموعۂ علوم و معارف میں ترتیب دینے سے سب سے پہلی کتاب "معیت الٰہیہ" تیار ہوئی پھر تین ماہ مسلسل "معرفت الٰہیہ" کی ترتیب ہوئی احقر ہر روز اوّلاً چار رکعت نماز نفل ادا کرتا پھر سجدہ میں رو کر دُعا کرتا کہ اے اللہ حضرت پھولپوریؒ کے علوم کو باحسن طریق احقر کے قلم سے جمع فرما دیجئے، بفضلہ تعالیٰ اوسطاً پانچ صفحات یومیہ ہو جاتے، یہ نام معرفت الٰہیہ بھی احقر ہی کا تحریر کردہ ہے جس کو حضرت والاؒ نے بہت پسند فرمایا، معرفتِ الٰہیہ کی تحریر کے وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت پھولپوریؒ میرے قلب میں الفاظ اور ترتیب القا فرما رہے ہیں اور احقر لکھتا جا رہا ہے، اکثر و بیشتر مضامین کے تاثر سے احقر پر لکھتے لکھتے گریہ طاری ہو جاتا، پھر دل کو سنبھال کر قلم اُٹھاتا، اس وقت احقر کو اپنے وجود کی مطلق خبر نہ رہتی، بس یہی معلوم ہوتا کہ حضرت مرشدی پھولپوریؒ کی روحِ مبارک میری روح پر خاص طور پر متوجہ ہے ؎

آمدی در من مرا بُردی تمام اے تو شیرِ حق مرا خوردی تمام

معرفت الٰہیہ کے جب تین سو صفحات ہو چکے اور احقر کا ارادہ ہوا کہ اب یہ کتاب پریس کے حوالے کر دوں، اسی شب میں خواب میں دیکھا کہ حضرت والا

پھولپوریؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ میری کتاب معرفت الٰہیہ چار سو صفحات کی ہے، احقر نے اس اشارۂ غیبی کے بعد اور مضامین مسودات سے تلاش کر کے لکھنا شروع کیا حتیٰ کہ بفضلہ تعالیٰ یہ کتاب مکمل ہوگئی، معرفت الٰہیہ کے بعد اسی طرح صراط مستقیم اس کے بعد ملفوظات اور براہین قاطعہ کی ترتیب ہوئی۔

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب نے کتاب معرفت الٰہیہ کو جب دیکھا تو ارشاد فرمایا کہ سولہ سال کے متفرق مضامین (علوم و معارف) کا اس طرح مربوط تحریر ہو جانا یہ حضرت اقدس پھولپوریؒ کی کرامت ہے۔ حضرت اقدس پھولپوریؒ کے پاس جب یہ کتاب معرفتِ الٰہیہ اوّل اوّل طبع ہو کر بذریعہ ڈاک پہنچی تو حضرتؒ اس وقت ہردوئی میں قیام فرما تھے فوراً مولانا ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کو بلایا اور اس کتاب کو ہاتھ میں لیکر رونے لگے اور حضرتؒ پر دیر تک غلبۂ تشکر کا حال طاری رہا، بار بار فرماتے کہ اے اللہ یہ آپ کا کرم ہے جو اتنا بڑا کام مجھ سے لے لیا،

اس پانچویں ایڈیشن میں چند مفید اضافات کے علاوہ حضرت اقدس پھولپوریؒ کی ایک اہم تقریر اثبات قیامت کی عقلی دلیل (منظوم) کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔

العارض

محمد اختر غفرلہٗ ۱۳ شوال ۱۳۸۳ھ

مطابق ۲۷ فروری ۱۹۶۴ء

۴-جی ۱/۱۲ خانقاہ اشرفیہ ناظم آباد۔ کراچی،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری نوراللہ مرقدہٗ

کے

مختصر حالات

از۔ مولانا حکیم محمد اختر صاحب

ولادت باسعادت

سن ولادت حضرت والا کا ۱۲۹۳ ہجری ہے۔ اپنے پیر و مرشد حضرت والا حکیم الامۃ مولانا تھانوی رحمہ اللہ سے عمر میں تیرہ ۱۳ سال چھوٹے ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا نام شیخ عبدالوہاب تھا۔ اور دادا مرحوم کا نام شیخ امانت اللہ تھا۔ آپ ضلع اعظم گڑھ کے ایک گاؤں مسمی بہ چھاؤں کے رہنے والے ہیں۔ لیکن آپ کی عمر کا بیشتر حصہ چونکہ قصبہ پھولپور میں گزرا ہے اس لئے آپ پھولپوری مشہور ہیں۔ پھولپور چھاؤں سے گیارہ میل کے فاصلہ پر ہے۔

علوم اور فنون کی تحصیل اور تکمیل

بچپن میں گاؤں سے قریب موضع گھیر پور کے پرائمری اسکول میں اُردو پڑھنے کے لئے دو تین دن جاتے ہوئے گزرے تھے کہ اسی زمانے میں آپ کے دادا صاحب مرحوم نے آپ کی والدہ ماجدہ کو خواب میں ہدایت کی ــــ کہ

عبدالوہاب سے (یعنی حضرت والا کے والد مرحوم) سے کہدو کہ اس بچے کو علم دین کی تعلیم دلوائیں۔ اس خواب کی تفصیل یہ ہے کہ آپ کے دادا مرحوم نے یہ فرمایا کہ مٹی کا ایک چنا ہے اور لوہے کا ایک چنا ہے۔ مٹی کا چنا ٹوٹ جاتا ہے۔ اور لوہے کا چنا نہیں ٹوٹتا ہے۔ پس اس مثال سے سمجھ لو کہ دنیا مٹی کا چنا ہے اور دین لوہے کا چنا ہے۔ پس اس بچے کو علم دین سکھاؤ۔ آپ کے دادا صاحب مرحوم صاحبِ نسبت بزرگ تھے۔ آپ کے والد صاحب نے فرمایا کہ میں نے والد صاحب کو تین سانس سے زیادہ سوتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا ہر تین سانس کے بعد اللہ اللہ کا ذکر زبان سے جاری ہو جاتا تھا۔ حضرت والا کے والد صاحب مولانا عبدالسبحان صاحبؒ سے بیعت تھے اور مولانا عبدالسبحان صاحبؒ کا سلسلہ چار واسطے کے بعد حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ سے مل جاتا ہے۔ اور حضرت والا کی والدہ ماجدہ حضرت مولانا عبدالسبحان صاحبؒ کے خلیفہ حافظ مولوی محمد صاحب سے بیعت تھیں حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ ہماری والدہ ماجدہ نماز تہجد کے بعد ۱۲ ہزار ذکر کرتی تھیں پھر بعد نماز فجر تلاوت اور نماز اشراق وغیرہ سے فارغ ہو کر..... گھر کے کام میں مشغول ہوتی تھیں۔

حضرت والا اس وقت اٹھاسی سال میں ہیں لیکن اس عمر میں بھی اپنے ماں باپ، کی محبت اور شفقت کو یاد کر کے اشکبار ہو جاتے ہیں۔

حضرت والا کے دادا صاحبِ کرامت بزرگ تھے ایک بار کا قصہ ہے کہ حضرت کے والد صاحب کو کھیت میں آبپاشی کی ضرورت تھی۔ گاؤں والوں نے ان کے ساتھ بے مروتی کا معاملہ کیا والد صاحب نے دادا صاحب سے ذکر کیا کہ لوگ پانی لینے کے لئے ہماری باری سے انکار کرتے ہیں اور اتنا کہہ کر

رو دیئے۔ دادا صاحب کا دل بیٹے کی اس کیفیت سے بہت متاثر ہوا۔ اور سیدھے مسجد تشریف لے گئے اور دعا شروع کی اور غلبۂ حال سے چیخ نکل گئی چیخ کا نکلنا تھا کہ ابر کا ایک ٹکڑا آسمان پر نمودار ہوا اور اس سے پہلے آسمان بالکل صاف تھا۔ پھر چند منٹ میں خوب تیز بارش ہوگئی اور والد صاحب کا کام بن گیا۔

آپ کے دادا مرحوم کی خواب میں اس ہدایت کے بعد آپ کے والد صاحب مرحوم نے آپ کو عربی تعلیم کے لئے جون پور مولانا مکی صاحبؒ کی خدمت میں بھیجدیا مولانا ابوالخیر مکیؒ حضرت مولانا سخاوت علی صاحبؒ کے بیٹے تھے جو حضرت مجدد سید احمد صاحب شہیدؒ کے خلیفہ تھے۔ مولانا مکی صاحبؒ سے شرح جامی اور شرح تہذیب تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد تقریباً دو سال کے لئے مولانا سید امین صاحب نصیر آبادی کی خدمت میں تشریف لے گئے اس کے بعد جامع العلوم کانپور میں مشکوٰۃ شریف تک تعلیم حاصل فرمائی اسی اثنا تعلیم میں قطبی کا امتحان ایک بار حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے لیا تھا اور حضرت والا اچھے نمبروں سے کامیاب ہوئے۔ اسی زمانے سے حضرت والا کے قلب میں حضرت شیخ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی محبت اور عقیدت کا بیج جم گیا۔ اور ارادہ فرمالیا کہ بعد فراغت تعلیم حضرت حکیم الامت تھانویؒ ہی سے بیعت ہوں گا۔ حضرت والا کو چونکہ معقولات کا شوق زیادہ تھا اور اس وقت میں مدرسہ عالیہ رام پور منطق اور فلسفہ کا مشہور اور مخصوص مرکز تھا۔ اس لئے معقولات کی تکمیل کے لئے رامپور تشریف لے گئے وہاں مولانا فضل حق صاحبؒ منطق اور فلسفہ کے ایسے بہترین استاد موجود تھے جن کی خدمت میں بخارا۔ ترک۔ غزنی۔ ہرات۔ کابل۔ قندھار

سمرقند وغیرہ کے طلبا بھی مولانا کا شہرہ سُن کر آتے تھے۔ اور ان میں اکثر تمام درسیات سے فارغ ہو کر محض تکمیل معقولات کی غرض سے شریک درس ہوتے تھے۔ مولانا فضل حق صاحبؒ، مولانا عبدالحق صاحب خیرآبادی اور مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔ حضرت والا تکمیلِ معقولات کے زمانے میں نیچے کے طلبا کو ہدایہ، میر زاہد، ملا حسن وغیرہ بھی پڑھاتے تھے۔ اسی مدرسہ عالیہ میں مولانا قاری علی حسین خاں صاحبؒ حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتیؒ کے شاگرد رشید موجود تھے جن سے حضرت والا نے مسلم شریف اور کچھ فن تجوید کی تحصیل فرمائی۔ چونکہ قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتیؒ حضرت شاہ اسحٰق صاحب محدّث دہلویؒ کے شاگرد تھے اس لئے حضرت والا اور حضرت شاہ اسحٰق صاحب محدّث دہلویؒ کے درمیان صرف دو واسطے ہیں۔

مدرسہ عالیہ سے درس نظامی کی سند حاصل کرنے کے بعد حضرت والا رحمہ اللہ حدیث پڑھنے کیلئے مولانا ماجد علی صاحبؒ کی خدمت میں گلاؤٹی تشریف لے گئے مولانا ماجد علی صاحبؒ جونپوری اپنے وقت کے زبردست معقولی تھے اور مولانا عبدالحق صاحبؒ خیرآبادی اور مولانا احمد حسین صاحب کانپوریؒ کے شاگرد تھے اور حدیث میں حضرت مولانا محدّث گنگوہیؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ اور مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ کے ساتھ دو سال میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی تھی اور حضرت گنگوہیؒ کی ساری تقریریں رات کو لکھتے تھے حتیٰ کے بعض راتوں میں تقریر لکھتے لکھتے فجر کی اذان ہو جاتی تھی۔

درس اور تدریس

مولانا ماجد علی صاحبؒ سے تکمیل درس حدیث کے بعد پھر حضرت والا مولانا فضل حق صاحبؒ کی خدمت میں اوپر کی کتابوں کی سماعت کی غرض سے دو سال شریک درس رہے ایک روز، مولانا فضل حق صاحبؒ نے فرمایا کہ بھائی اب جاؤ کہیں پڑھاؤ کب تک یہیں رہو گے۔ اب ہمارے اور تمہارے علم میں اعم واخص من وجہ ہی کا تو فرق ہے اسی زمانے میں سیتاپور سے مولوی عبدالقادر صاحب پنشنر ڈپٹی کلکٹر والد ماجد جناب مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کا خط مولانا کے پاس ایک مدرس اول کی ضرورت کے لئے آیا مولانا نے حضرت والا کو سیتاپور بھیج دیا۔ اس مدرسہ کا نام مدرسہ اسلامیہ عربیہ تھا۔ چند ماہ پڑھانے کے بعد ایک بار وہاں کے لوگوں نے حضرت والا سے کہا کہ آپ بھی تیجہ اور چالیسواں وغیرہ رسوم جاہلیت میں شریک ہوا کریں۔

اتنا سننا تھا کہ حضرت والا نے ڈانٹ کر فرمایا کہ ان کاموں کے لئے کسی مُلّا روحی بدعتی کو بلا لو میں یہاں دین بیچنے نہیں آیا ہوں اور حضرت والا نے استعفاء داخل فرما دیا۔ اس کے بعد مولانا ابوبکر صاحب مرحوم جو حضرت مولانا مکیؒ صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے تھے انہوں نے جونپور اپنے مدرسہ میں حضرت والا کو درس و تدریس کے لئے بلا لیا۔ حضرت والا اس مدرسہ میں تقریباً پانچ سال تک بحیثیت صدر مدرس، درس دیتے رہے۔ حضرت والا کے قویٰ چونکہ جوانی میں بہت عمدہ تھے اس لئے صبح تا شام بخاری، ترمذی و دیگر صحاح کے علاوہ معقول و منقول کو ملا کر سولہ اسباق

پڑھاتے تھے اور ایک بجے، رات تک مطالعہ کرتے تھے، اسی زمانے میں حضرت مولانا میاں سید اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ بھی جونپور میں مدرس تھے۔

روحانی ولادت یعنی بیعت وارادت

جون پور میں درس وتدریس ہی کے زمانے میں حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے ہمراہ سرائے میر ضلع اعظم گڑھ تشریف لائے قصبہ سرائے میر عیدگاہ میں حضرت تھانویؒ کا وعظ ہوا اور عیدگاہ ہی میں محراب کے اندر ۱۳۲۸ھ میں حضرت والا پھولپوری حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ سے بیعت ہوئے۔

بیعت کے وقت حضرت والا کا عجیب امتحان ہوا وہ یہ کہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے بیعت کے وقت ارشاد فرمایا کہ کہئے کہ بیعت ہوتا ہوں، اشرف علی کے ہاتھ پر، اس وقت حضرت والا نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نام مبارک کے ساتھ خوب القاب وآداب کے الفاظ لگا کر وہ جملہ دہرایا اسوقت خطرہ عظیم یہ تھا کہ غفلت سے ویسے ہی نام بدون القاب منہ سے نکل جاتا۔ لیکن حق تعالیٰ نے حضرت والا کو اپنے فضل خاص سے سنبھال لیا۔

حضرت والا کا درس وتدریس کے ساتھ ساڑھے نو ہزار ذکر اسم پاک کا معمول تھا اور اس درجہ التزام ودوام تھا کہ ایک بار بدن میں سخت قسم کا تکلیف دہ پھوڑا نکل آیا اور بیٹھا نہ جاتا تھا تو اس بیماری کی حالت میں بھی حضرت والا جامع مسجد جون پور میں لیٹ کر کے اپنا معمول پورا فرمالیا کرتے تھے۔ ایک عرصے کے بعد حضرت والا سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ اب ۱۲ تسبیح کا ورد شروع کردو اور اس کا عملی طریقہ خود کر کے

بتایا اور ارشاد فرمایا کہ اللہ اللہ کی تعلیم آپ کو اس طریقہ سے دیتا ہوں کہ ایک ضرب اللہ کی لطیفۂ روح پر دوسری ضرب اللہ کی لطیفۂ قلب پر واقع ہو اور اس خاص دو ضربی طریقے کی تعلیم آپ ہی سے شروع کرتا ہوں۔ اس سے پہلے صرف لطیفۂ قلب پر دو ضربی کی تعلیم دیتا تھا۔ حضرت والا یکم ربیع الاوّل یوم دوشنبہ ۱۳۳۸ھ بعد نماز فجر بیعت ہوئے تھے اور اتفاق سے ۱۳۳۲ھ یکم ماہ ربیع الاوّل یوم دوشنبہ کو اجازت بیعت سے مشرف ہوئے۔

قیام مدرسہ روضۃ العلوم

۱۳۳۳ھ میں حضرت والا نے پھولپور میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مشورے سے مدرسہ روضۃ العلوم قائم فرمایا جس کی بنیاد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دست مبارک سے ڈالی اور ارشاد فرمایا کہ اس مدرسہ کا نام پھولپور کی مناسبت سے روضۃ العلوم رکھتا ہوں۔ اس مدرسہ کا جس جگہ کنواں ہے خواب میں اسی جگہ پہلے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ حضرت کھڑے ہیں بس حضرت والا نے حکم فرمایا کہ اسی جگہ کنواں کھودا جائے اس کنویں کا پانی عجیب شیریں اور ٹھنڈا ہے۔

قیام مدرسہ بیت العلوم

۱۳۴۹ھ میں حضرت والا نے قصبۂ سرائے میر میں متصل عیدگاہ ایک مدرسہ بیت العلوم، بھی قائم فرمایا جس میں پورا درس نظامی پڑھایا جاتا ہے اس مدرسہ کی سرپرستی حضرت والا تھانویؒ نے قبول فرمائی تھی اور اس کا نام بیت العلوم رکھا اور ارشاد فرمایا کہ سرائے کی مناسبت سے اس کا نام

بیت العلوم یا دار العلوم رکھنا چاہتا ہوں لیکن بیت العلوم میں چونکہ انکسار زیادہ ہے اس لئے اس کا نام بیت العلوم رکھتا ہوں۔

"ہر کجا پستی است آب آنجا رود"

اللہ تعالیٰ اس کو دار العلوم بنا دیں۔ اس مدرسہ کے متعلق حضرت والا کے نام حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ کا جو والا نامہ صادر ہوا تھا اسکی نقل یہ ہے اور اصل مکتوب گرامی مدرسہ بیت العلوم سرائے میر میں موجود ہے۔

نقل مکتوب حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

بنام حضرت والا پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

مشفقی ومخلصی مولانا شاہ عبدالغنی صاحب سلمہٗ اللہ تعالیٰ

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ۔

اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے ضرورت کو محسوس کرکے ایسا مدرسہ قائم کیا، میں ایسے مدرسہ کی سخت ضرورت سمجھتا ہوں اور اس کے قائم ہونے سے بہت مسرور ہوں اور اس کے استحکام اور ناصرین حق ہونے کی دُعا کرتا ہوں اور اس کی اعانت کو واجب سمجھتا ہوں اور اعانت کی تحریک کو دلالت علی الخیر سمجھتا ہوں اور معاونین و محرکین کے لئے بھی دُعا کرتا ہوں مگر چونکہ میں کل سفیروں کو جانتا نہیں ہوں، نیز وہ ممکن ہے کہ بدلتے بھی رہیں، اُن کی تصدیق کا یہ انتظام کافی سمجھتا ہوں کہ جس سفیر کے پاس آپ کا دستخطی اعلان ہو اُس کو میرا بھی معتمد سمجھا جائے۔

اور اس سے باضابطہ رسید لے کر عطیہ مدرسہ بیت العلوم

کے لئے دیدیا جائے۔ واللہ الموفق والسلام

(مولانا) اشرف علی تھانوی عفی عنہٗ

۵ شعبان ۱۳۵۲ھ

مدرسہ بیت العلوم کے اہتمام اور انتظام کے لئے حضرت والا قصبہ سرائے میر اکثر تشریف لیجاتے تھے جو پھولپور سے تقریباً پانچ میل کے فاصلے پر ہے۔ کبھی اگر پورا دن وہاں ٹھہرنا ہوتا تو گھر سے آٹا نمک گھی لے جاتے اور کچھ بازار سے خرید کر علیحدہ پکوا لیتے اور تناول فرماتے اس امر پر اطراف اعظم گڑھ شاہد ہیں کہ حضرت والا نے مدرسے سے کبھی نمک تک نہیں چکھا اور نہ کبھی مدرسے سے اہتمام کی تنخواہ لی ہے۔ بدونِ معاوضہ محض رضائے حق کے لئے صبح پھولپور سے یکہ پر تلاوت کرتے ہوئے پانچ میل تشریف لے جاتے اور شام کو تلاوت کرتے ہوئے گھر واپس تشریف لے آتے۔

خلافت کے متعلق چند غیبی بشارتیں

حضرت والا کو خلافت یعنی اجازت بیعت عطا ہونے سے قبل چند غیبی بشارتیں ہوئی ہیں جو درج ذیل ہیں:۔

۱۔ اجازت سے قبل حضرت والا نے حضرت شاہ فتح قلندر رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا کہ قبر سے باہر بادامی رنگ کا کاغذ لئے ہوئے بیٹھے ہیں جب حضرت والا حاضر ہوئے تو حضرت والا کے ہاتھ میں حضرت شاہ فتح قلندرؒ نے اس کاغذ کو دے دیا۔ اس خواب کے چند ہی دن بعد حضرت والا تھانویؒ کی طرف سے اسی طرح بادامی رنگ کے کاغذ پر اجازت نامہ موصول ہوا۔ حضرت والا نے جب حضرت مولانا تھانوی

قدس سرہٗ العزیز سے اپنا یہ خواب بیان کیا تو ارشاد فرمایا کہ آپ کو مذاقِ قلندری سے مناسبت ہے۔ پھر اس کی تشریح فرمائی کہ مذاقِ قلندری ایک خاص رنگ نسبت کا نام ہے جس کی شان یہ ہوتی ہے کہ جس کے قلب میں یہ نسبت عطا ہوتی ہے اس کو تکثیرِ نوافل سے زیادہ دوام ذکر اور استحضارِ حق کا ہر وقت اہتمام رہتا ہے۔ یعنی اپنے باطن کو ایک لمحہ بھی حق تعالیٰ سے غافل نہیں ہونے دیتا۔

۲۔ اجازت ملنے سے کچھ ہی دن پہلے حضرت شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں کہ عبدالغنی کو خوب نہلا دھلا دو اور حضرت والا نے خواب ہی میں دیکھا کہ مجھے کچھ لوگ خوب مَل مَل کر نہلا رہے ہیں اس خواب کے بعد حضرت والا کو اجازت عطا ہوئی۔

۳۔ اجازت سے قبل ایک بار حضرت والا نے ایک خاص اثر اور کیفیت کے ساتھ اپنے پیر و مرشد حضرت والا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ اب یوں جی چاہتا ہے کہ دن کو گھاس کھود کر فروخت کر کے اسی روزی سے اپنی زندگی گزاروں اور باقی اوقات حق تعالیٰ کی یاد میں صرف کروں اور خلق سے بالکل یکسو رہوں تو حضرت مولانا تھانویؒ نے فرمایا کہ نہیں جی! آپ انشاء اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کی گھاس نکالیں گے۔

۴۔ اجازت سے قبل ایک بار حضرت والا نے خواب دیکھا کہ تھانہ بھون خانقاہ شریف کی مسجد میں ایک تخت ہے اور اس پر سفید چادر بچھی ہے حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ العزیز تخت پر بیٹھے ہیں اور حضرت والا کو

حکم فرمایا کہ آپ بھی تخت پر بیٹھ جایئے ایک عالم صاحب بھی تخت کے پاس کھڑے تھے ان سے مخاطب ہو کر حضرت تھانوی رح نے فرمایا کہ یہ (یعنی حضرت والا پھولپوری) بیٹے ہیں نہ ؟ حضرت والا نے اس خواب کی اطلاع حضرت مولانا تھانوی رح کو اس وقت دی جب کہ حضرت والا پھولپوری رح مجاز بیعت ہو چکے۔ چنانچہ اس کی تعبیر میں حضرت تھانوی رح نے ارشاد فرمایا کہ تعبیر اس خواب کی ہو چکی یعنی آپ کو اجازت مل گئی۔

حضرت والا کی سادگی

حضرت والا پھولپوری کی سادگی کے متعلق خود حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مطبوعہ ملفوظ یہاں پر نقل کرتا ہوں

نقل ملفوظ مطبوعہ ملفوظات حسن العزیز صفحہ ۱۰۳

فرمایا (یعنی حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رح نے) مولوی عبدالغنی صاحب ماشاءاللہ سیاہی آدمی ہیں بڑے مستعد ہیں۔ پہلوان آدمی ہیں پھر علمی و عملی کمال جُدا مگر وضع سے مطلق نہیں معلوم ہوتا کہ یہ کچھ بھی ہیں یہ ذکر کا اثر ہے، ذکر عجیب چیز ہے۔ سب اصلاحیں اس سے ہو جاتی ہیں۔ مولوی عبدالغنی کس قدر سادے ہیں کہ یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ یہ پڑھے لکھے بھی ہیں۔ ذکر بناوٹ کو تو بالکل اڑا ہی دیتا ہے۔

مولوی عیسیٰ صاحب بہت خوش پوشاک ہیں کہنے بھی لگے تزئین میں کیا حرج ہے یہ تو جمال ہے۔ اور حدیث میں ہے

اللہ جمیل یحبُّ الجمال میں سنتا رہا بعد میں مَیں نے کہا۔ مولوی صاحب یہ سب اسی وقت تک ہے۔ جب تک حقیقت منکشف نہیں ہوتی اور جب حقیقت منکشف ہو جاوے گی۔ تو اللہ جمیل یحب الجمال سے استدلال رکھا رہ جاوے گا۔ صحیح مفہوم اس کا سمجھ میں آجائے گا۔ چنانچہ وہ تھانہ بھون میں رہے اب ان کی حالت دیکھئے اچکن اور گھڑی۔ سب بھول گئے۔ غریبوں کی سی وضع ہو گئی۔

حضرت والا کا شوقِ جہاد

حضرت والا کو اوائل عمر سے راہ خدا میں جان قربان کرنے کا جذبہ ہر وقت بے چین رکھتا تھا اسی کیفیت کے تحت حضرت والا نے ایک مشہور استاد ذاکر حسین مرحوم غازی پوری کو اپنے مدرسے پھولپور میں ایک معتدبہ مشاہرہ پر دس برس رکھا اور ان سے فن سپہ گری یعنی لاٹھی، تلوار، نیزہ اور ظفر پیکر وغیرہ کے فنون کی تکمیل کی۔ چونکہ رامپور پڑھنے کے زمانے میں حضرت والا کو پہلوانی کا بھی شوق تھا اور اس غرض سے حکیم عبدالبید خاں دہلوی مرحوم کے استاد تفضل حسین خاں سے کشتی بھی سیکھتے تھے اس لئے قوت جسمانی بھی نہایت قوی تھی اور لاٹھی اس قدر قوت سے مارتے تھے کہ بڑے بڑے طاقتوروں کے قدم ہل جاتے تھے۔ حضرت والا کو فن سپہ گری سے اس درجہ شوق تھا کہ رمضان شریف میں روزہ رکھے ہوئے مہینے دن تک اور بعد تراویح بھی لاٹھی کی مشق فرماتے تھے۔ تھانہ بھون میں بھی اپنے پیر و مرشد کے حکم سے بعض اہل علم کو لاٹھی سکھاتے تھے۔ ایک بار حضرت حکیم الامت

مولانا تھانویؒ نے حضرت والا کی فن سپہ گری دیکھ کر فرمایا کہ جب آپ لاٹھی کے ہاتھ دکھا رہے تھے تو مجھے جوش آرہا تھا۔ حضرت والا حکیم الامت تھانویؒ نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ ہمارے مولوی عبدالغنی صاحب ہزار آدمیوں کے مقابلے کے لئے تنہا کافی ہیں اور فرمایا کہ اگر ہم کو کبھی فوج کی ضرورت پڑے گی تو ہماری فوج اعظم گڑھ میں ہے۔

حضرت والا کے مزاج میں دین کے خلاف امور کو دیکھ کر سخت تغیر ہو جاتا اور جوشِ غضب میں مخالفینِ دین کی ہمیشہ بے لاگ بیخ کنی فرماتے رہے ایک بار ایک مولوی صاحب نے جو حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجازِ صحبت بھی تھے حضرت والا تھانویؒ سے عرض کیا کہ حضرت! مولانا عبدالغنی صاحب میں غصہ بہت ہے تو حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے حضرت والا پھولپوری سے فرمایا کہ آپ کی یہ فلاں مولوی صاحب شکایت کر رہے تھے تو میں نے ان کو یہ جواب دیا کہ اپنے آدمیوں میں ایک گرم آدمی کی بھی ضرورت ہے ورنہ دشمن کھا جائیں گے۔

حضرت والا پھولپوری احقر سے ہمیشہ فرماتے رہے کہ اگر کہیں جہاد شروع ہوا تو میں فوراً شریک ہو جاؤں گا اور ارشاد فرمایا کہ میں نے جوانی کے وقت سے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی درخواست پیش کر دی ہے کہ ہمیں شہید کر کے دنیا سے اٹھائیے گا۔ اور اس بات کو جب حضرت والا نے احقر سے نقل فرمایا ہے اس وقت حضرت والا کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے ہیں اور اکثر حضرت مولانا امیر علی شاہ صاحب شہیدؒ کا یہ مصرعہ جوش میں رو کر پڑھا کرتے تھے:

"سر میداں کفن بر دوش دارم"

اور فرمایا کہ جب یہ مصرعہ اجودھیا کی جنگ میں حضرت مولانا امیر علی شاہ صاحب پڑھتے تھے تو آسمان سے آواز آتی تھی:

"بیا مظلوم اکنوں درکنارم"

حضرت والا کا لباس

جب احقر حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا تو عمر شریف تقریباً ستر برس تھی اس وقت سے میں نے حضرت والا کو ہمیشہ کرتہ اور تہبند میں دیکھا ہے۔ کسی سال دو ایک روز کے لئے شاید پائجامہ بھی پہنا ہو اور اکثر حضرت والا کے پاس ایک ہی کرتہ رہا ہے جس کو حضرت والا کے بعض خدام دھو دھو کر پہناتے رہے ہیں۔ حضرت والا کو یوں تو حق تعالیٰ کے فضل سے ہر طرح کی فراغت ہے لیکن ہمیشہ صرف ایک چارپائی اور اس پر بستر اور سرہانے ایک لنگی اور تسبیح کے علاوہ کوئی سامان آپ کے پاس نہیں دیکھا گیا نہ کوئی صندوق دیکھا گیا نہ کوئی اور سامان دیکھا گیا۔ ہفتہ کے دن قینچی اور آئینہ احقر سے طلب فرما کر خود ہی حجامت درست فرما لیتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ حجام کے لباس کی بو سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن یہ ہندوستان کے دیہاتی حجاموں کے متعلق بات ہے۔

حضرت والا نے کبھی دھوبی کے یہاں کا دھویا ہوا کپڑا استعمال نہیں فرمایا ہمیشہ گھر میں خاص اہتمام سے کپڑے دھلواتے ہیں اگر ضرورۃً کبھی دھوبی کے یہاں کپڑا دھونے کے لئے دیا گیا تو بعد میں اس کو پھر گھر میں دھلوا کر تب استعمال فرمایا ہے۔

اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ" میں اس عمل پر فتویٰ نہیں دیتا ہوں حق تعالیٰ

سے میرا خاص معاملہ یہ ہے کہ میں اگر اس کے خلاف کرتا ہوں تو میری زبان ذکر میں بند ہو جاتی ہے اس لئے میں اپنے نفس کے لئے یہ اہتمام کرتا ہوں۔"
حضرت والا کے کرتہ کے بٹن ہمیشہ کھلے ہوئے دیکھے ہیں اور اس کا مسنون ہونا ثابت ہے۔ حضرت والا کی اس سادگی اور چاک گریبانی کو دیکھ کر بے ساختہ اصغر گونڈوی کا شعر یاد آتا ہے ؎

اُڑا دیتا ہوں اب بھی تار تار ہست و بود اصغر
لباسِ زہد و تمکیں پر بھی عُریانی نہیں جاتی

حضرت والا کی عبادت

حضرت والا کو چونکہ حق تعالیٰ نے جوانی میں قوت اور صحت بہت عمدہ عطا فرمائی تھی اس لئے حضرت والا کے معمولات بھی بہت زائد رہتے تھے۔ تہجد کے بعد ۱۲ تسبیح پھر بعد فجر اکثر ۹ بجے دن تک پھولپور کی مسجد میں بیک نشست معمولات میں مشغول رہتے تھے اور گاہ گاہ ۱۱ بجے دن تک مشغول دیکھا یوں تو ظہر کے وضو سے عشار کی نماز ہمیشہ پڑھنے کا معمول تھا لیکن ایک بار حیرت انگیز بات دیکھنے میں آئی وہ یہ کہ تہجد کے وضو سے عشا کی نماز پڑھی اکثر ظہر اور عصر تک بھی تلاوت میں مشغول دیکھا اور عصر کے بعد اگر کوئی طالب یا مہمان موجود ہوتا تو اس کو کچھ تعلیم ارشاد فرماتے ورنہ عصر سے مغرب تک اور مغرب سے عشار تک تلاوت میں مشغول رہتے تھے۔

ظہر تا عصر یا عصر تا مغرب یا مغرب تا عشار اگر کوئی طالب یا مہمان موجود ہوتا تو افاضۂ دینیہ میں مشغول ہو جاتے ورنہ اپنے معمولات ہی میں مشغول رہتے۔ حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ الحمدللہ ستر برس تک مجھے

بڑھاپا محسوس نہیں ہوا۔

تعلیم اور مجلس کا خاص انداز

حضرت والا جب بھی کوئی دین کی بات ارشاد فرماتے ہیں تو حضرت والا کے لب و لہجے سے ایک خاص دین کا درد اور دین کی حلاوت ٹپکتی ہے اور اور اکثر آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ جن حضرات کو ایک بار بھی حاضری کا موقع نصیب ہوا ہے اُن کا قلب اس کیفیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا ہے۔

ایک بار دارالعلوم لانڈھی میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب حضرت سے فرمانے لگے کہ حضرت وہی قرآن اور حدیث ہم لوگ بیان کرتے ہیں لیکن وہی جب آپ بیان فرماتے ہیں تو زمین اور آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے اپنے متعلق جو کچھ فرمایا ہے وہ تو ان کا کمال انکسار ہے البتہ یہ بات ضرور ہے کہ حضرت والا جو کچھ فرماتے ہیں درد اور محبت کی زبان سے فرماتے ہیں۔

تلاوت کا خاص انداز

حضرت والا کی تلاوت کا ایک خاص انداز دیکھا وہ یہ کہ تقریباً ۹ یا ۱۰ آیتوں کی تلاوت کے بعد زور سے آہ فرماتے ہیں یا اللہ فرماتے ہیں۔ اور اس وقت ایسی کیفیت اس آہ اور اللہ میں موجود ہوتی ہے کہ سننے والے کا دل حرکت میں آجاتا ہے۔

حضرت والا کا ذوق شعر و سخن

یوں تو حضرت والا کا رنگ نسبت بالکل چشتی ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت والا کو مثنوی شریف سے بے حد شغف ہے اور اکثر راتوں میں عجیب دردناک لحن سے کوئی نہ کوئی شعر مولانا رومؒ کا یا حافظ شیرازی کا یا خواجہ صاحبؒ یا کسی اور کا حسبِ رنگ کیفیت بار بار پڑھتے رہتے ہیں ایک بار تلاوت کرتے کرتے۔

آجا میری آنکھوں میں سما جا میرے دل میں

عجیب لحن دردناک سے پڑھنے لگے اسی طرح کبھی ؎

عشق من پیدا و معشوقم نہاں یار بیروں فتنۂ او در جہاں

پڑھتے ہوئے سنا ہے کبھی دعا میں ؎

کیا نظر مجھ پر نہ ڈالی جائے گی کیا مری فریاد خالی جائے گی

پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

کبھی تنہائی میں یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا ہے ؎

یس من مور لبد گے تو ہیں سمن تو ربسر گے موہین

کبھی کسی خاص کیفیت کے تحت یہ شعر پڑھتے سنا ہے ؎

من چہ گویم یک رگم ہوشیار نیست
شرح آں یارے کہ او را یار نیست

اور کبھی جوشِ محبت میں یہ شعر پڑھتے سنا ؎

کہاں تک ضبطِ بے تابی کہاں تک پاس بدنامی
کلیجہ تھام لو یارو کہ ہم فریاد کرتے ہیں

کبھی عجیب درد سے یہ شعر پڑھتے سنا ہے ؎

یہ کون آیا کہ دھیمی پڑ گئی تو شمع محفل کی
پتنگوں کے عوض اڑنے لگیں چنگاریاں دل کی

کبھی یہ شعر پڑھتے سنا ؎

کس طرح فریاد کرتے ہیں ہمیں بھی دو بتا
اے اسیرانِ قفس میں نو گرفتاروں میں ہوں

کبھی یہ شعر بھی پڑھتے ہوئے سنا

کوئی نہیں جو یار کی لا دے خبر مجھے
اے سیلِ اشک تو ہی بہا دے اُدھر مجھے

اور ایک وارفتگی کے عالم میں والہانہ انداز سے کبھی یہ شعر بھی سنا ؎

بس ایک بجلی سی پہلے کوندی پھر اس کے آگے خبر نہیں ہے
مگر جو پہلو کو دیکھتا ہوں تو دل نہیں ہے جگر نہیں ہے

کبھی یہ شعر عجیب اندازِ محبت سے پڑھتے سنا ؎

میں ہوں اور حشر تک اس در کی جبیں سائی ہے
سر زاہد نہیں یہ سر سودائی ہے

کبھی اپنے مرشد حضرت تھانویؒ کی شان میں یہ شعر پڑھتے سنا ؎

ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق
تو نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے

حضرت والا نے اپنی پوری اٹھاسی سالہ زندگی میں دو شعر خود بھی کہے ہیں :

پہلا شعر:

ہمیں نقشِ قدم اشرف علی ملحوظ رکھنا ہے
جو کچھ فرما گئے ہیں وہ اسے محفوظ رکھنا ہے

مصرعہ اولیٰ میں نقشِ قدم کا لفظ عملی حیثیت کی حفاظت پر دلالت کرتا ہے اور مصرعۂ ثانیہ میں علمی حیثیت کی حفاظت کی تعلیم ہے۔

دوسرا شعر:۔

ایک خاص واقعہ سے متعلق ہے ایک بار حضرت والا نے خواب میں دیکھا کہ ایک دریا ہے اور اس میں ایک کشتی چل رہی ہے۔ جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور پیچھے کچھ فاصلے سے دوسری کشتی پر حضرت والا بیٹھے ہوئے ہیں۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عبدالغنی کی کشتی کو میری کشتی سے ملا دو۔ پھر اس حکم کے مطابق کچھ لوگوں نے حضرت والا کی کشتی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کشتی سے ملا دیا۔ حضرت والا نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ جس وقت میری کشتی جوڑی گئی تو وہ کھٹ کی آواز جو کشتی کے ملنے سے پیدا ہوئی تھی اب تک گویا میرے کانوں میں گونجتی ہے۔ یعنی اس کی لذت بھولا نہیں ہوں۔ اسی واقعہ سے متاثر ہو کر ایک خاص کیفیت کے تحت حضرت والا نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ ایک شعر وارد ہوا ہے جس کے اندر یہ انعام عظیم بھی آگیا ہے ؎

مضطرب دل کی تسلی کے لئے
حکم ہوتا ہے ملا دو ناؤ کو

حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ شعر و سخن کی طرف جب بھی میں نے توجہ کرنی چاہی تو حق تعالیٰ نے میری طبیعت کو روک دیا۔

حضرت والا کے مبشرات منامیہ اور انعامات ربانیہ

(۱) احقر سے ارشاد فرمایا کہ ایک بار جب میں شرح جامی جونپور میں پڑھتا تھا تو خواب دیکھا کہ مجھ کو رمضان شاہ مجذوب پکڑنے کے لئے دوڑ رہے ہیں اور میں بھاگ رہا ہوں بالآخر جب تھک کر کھڑا ہو گیا تو وہ مجذوب بھی کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ تو ظفر آباد کا قطب ہو گیا۔

(۲) ایک صبح کو احقر سے ارشاد فرمایا کہ آج خواب میں سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ رات بھر سفر میں رہا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا لباس بالکل سفید تھا۔

(۳) ارشاد فرمایا کہ مجھ کو سیدنا حضور اکرم صلی علیہ وسلم کی زیارت تقریباً ۱۲ مرتبہ ہوئی ہے ایک دفعہ سیدنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے آپ کو خوب دیکھ لیا۔ ارشاد فرمایا کہ ہاں! تم نے ہمیں خوب دیکھ لیا پھر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ نے اس حدیث میں لولاک لما خلقت السموات والارضین میں ارضین پہلے فرمایا ہے یا سموات پہلے فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ میں نے پہلے "ارضین" فرمایا تھا۔ لیکن محدثین سے یہ لفظ مؤخر ہو گیا ہے۔

اس خواب سے بیدار ہونے کے بعد حضرت والا نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے تفسیر کے اندر تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ زمین کا تو وہ آسمان سے پہلے پیدا کیا گیا مگر اس کو پھیلایا گیا بعد تخلیق آسمان کے۔

(۴) ارشاد فرمایا کہ ایک بار ہم اور خواجہ صاحبؒ قنوج میں ذکر

کر رہے تھے تہجد کا وقت تھا مسجد کی محراب میں حضرت مرشدی تھانویؒ ذکر فرما رہے تھے اثنار ذکر میں حضرت شاہ قطب المدار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی اور حضرت قطب المدار صاحبؒ نے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا کہ یہ دونوں (یعنی میں اور خواجہ صاحبؒ) دیوانے ہو جائینگے۔

حضرت شاہ قطب المدار صاحبؒ کے متعلق حضرت والا حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے کلید مثنوی دفتر ششم میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ نسبت موسوی سے مشرف تھے۔ جوان کو دیکھتا غش کھا کر گر جاتا اس لئے شاہ صاحبؒ چہرے پر نقاب ڈالے رہتے اور حضرتؒ نے ارشاد فرمایا تھا کہ لفظ قطب المدار میں اضافت مقلوبی ہے دراصل مدار القطب تھا۔

(۵) ارشاد فرمایا کہ ایک بار حضرت حاجی امداد اللہ صاحب دادا پیرؒ کی زیارت نصیب ہوئی اور خواب میں مجھے ترمذی شریف پڑھائی اور تین شعر پڑھے جو مجھے یاد نہیں ہیں۔

اور ارشاد فرمایا کہ شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلویؒ کو مثنوی شریف سے بہت فیض ہوا تھا اور فرمایا کہ مثنوی شریف پڑھایا کرو اور خواب ہی میں مجھ کو حضرت حاجی صاحبؒ نے سلطان الاذکار کی تعلیم اس طرح دی کہ سو مرتبہ اللہ اللہ کا ذکر اس مراقبہ کے ساتھ کرو کہ ہر بن مو سے اللہ اللہ نکل رہا ہے۔

حضرت والا نے جب اس خواب کو حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کی خدمت میں تحریر فرمایا تو حضرت والا مولانا تھانویؒ نے جواباً یہ مصرعہ بھی تحریر فرما دیا:۔

"ہمیں بھی یاد رکھنا ذکر جب دربار میں آئے"

حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ بھی اس وقت حاضر تھے۔ حضرت والا تھانویؒ نے جب یہ جواب اُن کو سُنایا تو عرض کیا کہ حضرت یہی مصرعہ میں بھی لکھنے کی اجازت چاہتا ہوں، چنانچہ اس کے نیچے خواجہ صاحبؒ نے بھی یہی مصرعہ لکھدیا، اتفاق سے مولانا عبدالرحمٰن صاحب بکھراوی اعظم گڑھی بھی موجود تھے انھوں نے بھی اجازت لیکر یہی مصرعہ تحریر فرمادیا، پورا شعر یہ ہے: ؎

عدم کے جانے والو! کوچۂ جاناں میں جب جانا
ہمیں بھی یاد رکھنا ذکر جب دربار میں آئے

(از مرتب)

(۶) ارشاد فرمایا کہ ایک بار میں نے تھانہ بھون حاضری کی اجازت چاہی تو حضرت مرشدی قدس سرہٗ العزیز نے تحریر فرمایا:

اے آمدنت باعث صد شادی ما

اسی طرح ایک بار تحریر فرمایا کہ اجازت چہ معنی بلکہ اشتیاق۔

(۷) ارشاد فرمایا کہ ایک بار بدون اطلاع تھانہ بھون حاضر ہوا اس وقت حضرتِ والا تھانویؒ لیٹے ہوئے تھے مجھے دیکھ کر فرطِ مسرت سے کئی قدم چل کر سینے سے لگا لیا اور ارشاد فرمایا نعمت غیر مترقبہ۔

(۸) ایک بار حکیم مصطفٰے صاحب مجاز بیعت حضرت مرشدیؒ سے حضرت والا مرشدی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے مولوی عبدالغنی صاحب میں کھُلی ہوئی چشتیت ہے۔

(۹) ارشاد فرمایا کہ ایک بار تھانہ بھون حاضری کی اجازت چاہی تو حضرت والا مولانا تھانویؒ نے تحریر فرمایا کہ

بیا بیا و فرود آ کہ خانہ خانۂ تست

(۱۰) ارشاد فرمایا کہ ایک بار حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ نے حضرت مرشدی تھانویؒ سے ارشاد فرمایا کہ دیوبند میں درسیات پڑھانے کے لئے اپنے آدمیوں میں سے ایک مدرس بھیجدیجئے اس کے بعد حضرت مرشدی تھانوی نے مجھ سے الہ آباد میں فرمایا کہ میں آپ کو دیوبند میں تعلیم درسیات کے لئے منتخب کرتا ہوں آپ کیا تنخواہ لیں گے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت جتنے چبا کر پڑھا دوں گا۔ ارشاد فرمایا کہ مجھے یقین ہے کہ آپ ایسا ہی کر دکھائیں گے۔ اس زمانے میں دیوبند میں مولانا مرتضیٰ حسن صاحب اور مولانا غلام رسول صاحب بھی مدرس تھے۔

پھر حضرت والا پھولپوری دامت برکاتہم نے احقر سے فرمایا کہ حضرت مرشدیؒ کو مجھ سے بہت حسن ظن تھا۔

(۱۱) ارشاد فرمایا کہ ایک بار حضرت مرشدی تھانویؒ نے ایک مجلس میں ایک نہایت غامض مضمون بیان فرمایا پھر دریافت فرمایا کہ آج کے مضمون کو کس نے لکھا ہے۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے جواب دیا کہ انہوں نے (یعنی حضرت پھولپوری) قلمبند کیا ہے تو حضرت والا مرشدی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں! حق بحق دار رسید۔

(۱۲) حضرت کا یہ ایک عجیب خواب ہے اور اس خواب پر حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب و غریب تعبیر ہے یہ خواب اور تعبیر حسن العزیز میں شائع ہو چکا ہے۔ ملفوظات حسن العزیز جلد اوّل کا آخری ضمیمہ صـ۵۲ سے نقل کرتا ہوں میں نے (یعنی حضرت والا پھولپوری

رحمۃ اللہ علیہ) کل بروز دوشنبہ بتاریخ ۵، رجب ۱۳۳۴ھ ہجری کو یہ خواب دیکھا کہ جامع مسجد کانپور میں اتر کی جانب جناب والا تشریف فرما ہیں اور ایک مختصر جماعت مسلمانوں کی موجود ہے۔ حضور والا نے (یعنی حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے) مجھے حکم دیا کہ تم بیان کرو میں نے حسب الحکم آیت "یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى" کا وعظ شروع کیا اور نہایت پاکیزہ مضامین قلب پر وارد ہوئے۔

(دوسرا خواب) بروز سہ شنبہ بعد نماز تہجد سو گیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت جامع مسجد جون پور میں نصیب ہوئی سامنے سیدنا حضرت علیؓ تشریف فرما ہیں حضرت علیؓ اٹھے اور کچھ ہی اٹھنے پائے تھے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاحاً تبسم فرماتے ہوئے پیر پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لئے اور میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا اس خیال سے سر پکڑ لیا کہ مبادا کہیں پتھر پر سر مبارک نہ آجائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں پیروں کو اٹھا لیا اور اُتّر جانب نہایت زور سے لے چلے اور میں سر مبارک کو نہایت ادب سے گود میں لئے ہوئے چل رہا ہوں۔ یکایت ایک دوسرے در کے گوشے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم رک گئے تو میں نے اس مہلت کو غنیمت سمجھا اور سر مبارک کو خوب خوب بوسہ دیا اور سجدہ کی جگہ کو جہاں نشان سجدہ کا بن جاتا ہے اس کو بھی بوسہ دیا اور دل ہی دل میں کہتا ہوں کہ اپنے احباب سے مل کر کہوں گا کہ اب میرا منہ چومنے کے قابل ہو گیا۔

پھر دیکھتا ہوں کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اسی مسجد میں اُتّر جانب لیٹے ہوئے ہیں مجھے خیال ہوا کہ اسی مجمع میں حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما ہوں گے تو میں نے عرض کیا السلام علیکم یا رسول اللہ تو حضورؐ نے جواب دیا وعلیکم السلام میں نے چاہا کہ مصافحہ کروں اور تیز چلا تو دیکھتا ہوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مثل انوار کے ٹکڑوں کے ہو کر نظر سے غائب ہو گئے۔ الحمد للہ استقامت عطا ہوتی چلی جاتی ہے۔

تعبیرات خواب

حضرت والا حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہٗ العزیز کا جواب

محبی ومحبوبی سلمہ اللہ تعالیٰ وکرمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

نہایت مبارک خواب ہیں

جواب اوّل بشارت ہے کہ آپ سے اشاعت علوم نبوت کی ہوگی اور خواب ثانی میں اشارہ ہے کہ آپ حافظ علوم ولایت ہوں گے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ منتہی ہیں اکثر سلاسل کے اور مربی دماغ ہوتا ہے جو خزانہ ہے علوم کا تو سر کی حفاظت حمل ہے علوم ولایت کا اور پاؤں پکڑ لینا مانعیت ہے بلکہ وہ رفتار غیر معتاد یعنی مخفی ہے کیونکہ علوم ولایت ناشی ہیں احوال واذواق خاصہ کا اور اظہار آپ کے تحقیق بکلا النوعین کا مجموعی حالت آپ کی مانعیت ہے۔ خدا تعالیٰ شکر اور مزید عطا فرمائیں۔

حضرت والا پھولپوری دامت برکاتہم کا دوسرا خط

ایک عریضہ احقر نے ارسال خدمت بابرکت میں کیا ہے جب عریضہ روانہ کر چکا ہوں تو مجھے سخت اضطراب اس دوسرے خواب کے متعلق پیدا ہوا عجیب عجیب باتیں دل پر لرزیں جب رات ہوئی تو اپنے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ بذریعہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میری تسلی فرما دی جائے اور اس کی تعبیر سے مشرف فرما دیا جائے۔ تاکہ اضطراب دفع ہو جائے پھر جب سویا تو یہ چار الفاظ در بار رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس خواب کی تعبیر میں ارشاد ہوئے۔

اضمار در اضمار استتار در استتار انتہا در انتہا اختتام در اختتام پھر مجھے تسلی تام ہو گئی۔

تعبیر

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہٗ العزیز کا جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

اس خواب کی تعبیر لکھ چکا ہوں۔ الحمد للہ خود صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے اس کی تائید ہو گئی یہ اضمار در اضمار استتار در استتار، علوم ولایت کے متعلق ہے جس کو میں نے لکھا تھا کہ یہ علوم مخفی ہیں اور غایت تاکید کے لئے چار الفاظ استعمال فرمائے گئے ہیں اور یہ انتہا در انتہا اختتام در اختتام علوم نبوۃ کے متعلق ہے قرینہ تقابل سے اس میں اظہار کی قید

ملحوظ ہے اور غایت تاکید کے لئے یہاں بھی چار الفاظ استعمال فرمائے گئے ہیں۔ فیض نبوت انتہا درجہ ظاہر ہوگا!

(انتہی حسن العزیز ضمیمہ ص۵۲

پہلی ملاقات

"حضرت اقدس پھولپوریؒ کی خدمت میں احقر کی
پہلی حاضری اور پہلی ملاقات"

اپنے آبائی وطن پرتابگڈھ سے چل کر احقر عین بقرعید کے دن نماز عبدالاضحیٰ سے ایک گھنٹہ قبل پھولپور ضلع اعظم گڈھ پہنچا۔ عجیب خوشی اور مسرت تھی یہ تصور ذرہ ذرہ سے قلب کو مسرور کر رہا تھا کہ یہ میرے مرشد کا شہر ہے۔ اس وقت احقر کی عمر تقریباً ۱۶ سال کی تھی۔ پھولپور دیکھتے ہی زبان حال نے یہ شعر پڑھا ؎

شہر تبریز ست و شہر شاہ من
نزد عاشق ایں بود حب الوطن (رومی)

میرے مرشدؒ اس وقت تلاوت میں مشغول تھے۔ ٹوپی زمین پر رکھی ہوئی تھی سر مبارک کے بال بکھرے ہوئے، گریباں چاک تھا۔ اچانک میری طرف دیکھا۔ احقر کو ایسا محسوس ہوا کہ حضرت شمس الدین تبریزی ہیں اور احقر نے زبان حال سے یہ شعر پڑھا ؎

کچھ راز بتا مجھکو بھی اے چاک گریباں
اے دامن تر اشک رواں زلف پریشاں

احقر نے عرض کیا السلام علیکم۔ محمد اختر ہوں۔ پرتاب گڈھ سے

آیا ہوں اصلاح کی غرض سے۔ ۴۰ دن قیام کا ارادہ ہے۔ یہ تین باتیں ایک سانس میں کہہ گیا اور یہ آداب حاضری حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں پڑھ چکا تھا۔

حضرت نے بڑے صاحبزادے کو پکارا اور فرمایا ان کے لئے ناشتہ لاؤ اور حکم فرمایا ناشتہ کرکے کچھ آرام کرلو۔

ایک ہی نظر میں ایسا معلوم ہوا کہ احقر حضرت شمس الدین تبریزیؒ کی زیارت کر رہا ہے۔ جلد مبارک پر جگہ جگہ عشق الٰہی سے جلے ہوئے نشانات ژولیدہ بال۔ گریباں چاک تھوڑے تھوڑے وقفہ سے مسلسل آہوں کی آواز۔ پس قلبی مراد پوری ہوتی نظر آئی کہ جیسا پیر اللہ سے چاہتے تھے اپنے کرم کے صدقہ میں ویسا ہی عطا فرمایا۔ احقر کے یہ اشعار اسی نقشہ کو کھینچتے ہیں ؎

ہم نے دیکھا ہے ترے چاک گریبانوں کو
آتش غم سے چھلکتے ہوئے پیمانوں کو
ہم نے دیکھا ہے ترے درد کے بیماروں کو
سوزش غم سے تڑپتے ہوئے پروانوں کو
ہم فدا کرنے کو ہیں دولت کونین نثار
تو نے بخشا ہے جو غم ان پھٹے دامانوں کو

حضرت کی والہانہ عبادت ذکر و تلاوت اور تہجد کی ہر دو رکعت کے بعد سجدہ میں دیر تک دعا مانگنا اور آہستہ آہستہ رونے کا نقشہ احقر کی نگاہوں میں اب تک پیوست ہے۔ احقر نے ایسی والہانہ عبادت کثرت آہ و نعرہ ہائے عشق کے ساتھ کرتے ہوئے پھر کسی کو نہ دیکھا۔ اور حضرت والا

کے رہن سہن کی سادگی حدیث کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ کی شرح تھی۔ گھر کے احاطۂ صحن کی خام دیواروں کے کنارے بارش سے کٹے پٹے اور چٹائیوں کے ایک چھپر میں حضرت کا اکثر آرام فرمانا۔ کبھی دریا کی طرف سیر کرنا اور اکثر مغرب کے بعد سے عشا تک صرف تاروں کی روشنی میں مسجد کی کھلی چھت والے حصہ میں ذکر اللہ اور تلاوت میں بار بار آہوں کی آواز اور نعرہ ہائے درد کے ساتھ مشغول رہنا احقر کو آج بھی جب یاد آتا ہے تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔

خانقاہ شریف کی سادگی دیکھ کر غالب کا یہ شعر یاد آتا۔

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

ایک دن بطورِ عرضِ حال کے تحریر کیا کہ ؎

میرے غم کا کچھ مداوا کیجئے (اخترؔ)

اور حضرت حافظ شیرازیؒ کا یہ مصرعہ تحریر کیا ؎

کجا رویم بفرما ازیں جناب کجا

جواب رقم فرمایا ؎

سرہما نجا نہہ کہ بادہ خوردہ

یہ مصرعہ تحریر فرما کر میرے مرشدؒ نے اپنے آستاں سے ایسا چپکایا کہ آخری سانس تک تاب جدائی نہ لا سکا اور تقریباً سولہ ۱۶ برس دن رات کی صحبت کا شرف حاصل رہا اور اختر پر یہ حق تعالیٰ کا انعام عظیم اور یہی میرا حاصل مراد ہے ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

احقر نے اپنے تعلق اور حضرت مرشدؒ کی زندگی کا ایک اجمالی خاکہ اس نظم میں پیش کیا ہے ؎

شیخ کامل کی مجھے تھی جستجو — تا نہ دھوکہ دے جہان رنگ و بو
آخرش وہ شاہ کامل مل گیا — چرخ دل کا ماہِ کامل مل گیا
سینہ بریاں چشم گریاں آہ سرد — تھا سراپا عشق حق وہ پیر مرد
ہر بُنِ مو سے محبت کا ظہور — چشم تھی غماز عشق نا صبور
فرش پر ذاکر تھی اسکی خاک تن — روح اسکی عرش پر جلوہ فگن
نعرہ ہائے لا اُحِبُّ الآفلیں — کر رہا تھا دمبدم وہ شیخ دیں
جسم اس کا زائر کوئے حرم — جان اس کی محرم جان حرم
جان اس کی تھی ورائے آسماں — خاکِ تن کا تھا خدا ہی نگہباں
عشق سے اس کا گریباں چاک تھا — ذکر اس کا نالۂ غمناک تھا
رات کو پچھلے پہر وہ شاہِ دیں — اشک ہائے خوں سے تر کرتا زمیں
سجدہ گاہ عاشقانِ ربِّ دیں — مثل سجدہ گاہ عامہ کے نہیں
سرگروہ شاہبازِ حق سے تھا — سر بُریدہ تیغ عشق حق سے تھا
ترک کرکے درس منطق فلسفہ — دے رہا تھا درس چرخ و زلزلہ
تھا وہ عاشق برفن دیوانگی — سیر تھا از عقل واز فرزانگی
میں نے سمجھا قیس تنہا ہی یہاں — بیٹھ جاتو بھی اسی در پر یہاں

الغرض اختر وہیں رہنے لگا
لطف جینے کا وہیں ملنے لگا

اس ناکارہ عبد نے عربی درسیات کی تعلیم حضرت شیخ ہی کے مدرسہ بیت العلوم میں حاصل کی اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے بخاری شریف کے چند پارے

برکت کے لئے پڑھے۔

حضرت شیخ صرف ایک واسطہ سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب دامت برکاتہم کے والد ماجد حضرت مولانا یحییٰ صاحبؒ اور ہمارے حضرت کے استاد حدیث مولانا ماجد علی صاحبؒ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں درس حدیث بخاری شریف میں ہم سبق تھے۔

احقر حضرت مرشدؒ کے ارشادات کو قلمبند کر کے جب سناتا تو ارشاد فرماتے ماشاء اللہ۔ اور بہت مسرور ہوتے۔ ایک بار میرے ایک پیر بھائی سے فرمایا کہ اختر میرے غامض اور دقیق مضامین کو خوب سمجھ لیتا ہے اور انہیں محفوظ کر لیتا ہے۔ ماشاء اللہ دین کی فہم ہے۔

تعلق شیخ کے تقریباً چار سال بعد حضرت اقدس کی اہلیہ صاحبہ کا انتقال ہو گیا ایک عرصہ بعد ایک دن فرمایا کہ بغیر بیوی کے بہت تکلیف ہوتی ہے بعض بیماری ایسی آجاتی ہے کہ پیشاب پاخانہ کی خدمت بیوی ہی کر سکتی ہے۔

احقر نے والدہ صاحبہ سے نکاح کے متعلق مشورہ کیا۔ پھر حضرت اقدس سے درخواست کی۔ بہت مسرور ہوئے اور عقد فرما کر ارشاد فرمایا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ صاحبہ سے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے عقد فرمایا تھا۔

اختر اس وقت ۲۱ سال کا تھا اور توفیق الٰہی سے اپنا عالم شباب ایک بوڑھے شیخ کی خدمت و صحبت دائمہ پر نذر و فدا کر رہا تھا۔ خانقاہ شریف قصبہ سے باہر تھی۔ عجیب تنہائی کا عالم رہتا تھا۔ ایک دن والدہ صاحبہ سے

حضرت مرشدؒ نے فرمایا کہ اختر میرے ساتھ ایسے پیچھے پیچھے لگا رہتا ہے جیسے کہ دودھ پیتا بچہ ماں کے پیچھے پیچھے لگا رہتا ہے۔

حضرت مرشد پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے آخر وقت میں ارشاد فرمایا تھا کہ اختر میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں اور تم مجھے اللہ کے سپرد کردو حضرت مرشدؒ اب بھی میری آنکھوں کے سامنے ہیں۔

جو یاد آتی ہے وہ زلف پریشاں
تو پیچ و تاب کھاتی ہے میری جاں
جو پوچھے گا یہ کوئی مجھ سے آکر
کہ کیا گذری ہے اے دیوانے تجھ پر
نہ ہرگز حال دل اپنا کہوں گا
ہنسوں گا اور ہنس کر چپ رہوں گا

یہ اشعار حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں جب حضرت مرشدؒ کی یاد آتی ہے تو ان اشعار کو پڑھ لیتا ہوں۔

قصبہ پھولپور اعظم گڈھ میں حضرت مرشدؒ کے ہمراہ ایک طویل عمر گذاری جس کا نقشہ احقر نے ان اشعار میں پیش کیا ہے۔

یاد آتی ہے مجھے جب پھولپوری زندگی
پا رہا تھا جبکہ میں درس نیاز و بندگی
ذرہ ذرہ سے ملا کرتا تھا درس سادگی
ایک فرزانہ سکھاتا تھا مجھے دیوانگی
حضرت عبد الغنیؒ سرمست عشق کبریا
ماسوا حق سے جنہیں تھی عمر بھر بیگانگی

کیا وہ عاشق تھے؟ نہیں بلکہ سراپا عشق تھے

پی کے دریا بھی جنہیں ہوتی نہ تھی آسودگی

افسوس کہ حضرت اقدس کی محبت کا حق اس نالائق کارہ سے ادا نہ ہو سکا۔ حق تعالیٰ اپنی رحمت سے حضرت والاؒ کے برکات و انوار سے ہم سب کو نوازش فرمائیں۔ آمین اور حضرت والاؒ کے درجات بلند فرمائیں۔ آمین اور جنت میں حضرت والا رح کی رفاقت عطا فرمائیں۔ آمین

تصنیف و تالیف

(۱) اصول الوصول

یہ کتاب حضرت والا نے حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہٗ العزیز کے حکم سے ۱۳۴۹ھ میں تالیف فرمائی تھی۔ جس میں درحقیقت فیوض اشرفیہ اور مطب اشرفی کے لئے بے بہا نسخے رسالہ کی صورت میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہٗ العزیز نے اس کتاب کو خانقاہ تھانہ بھون میں داخل درس فرما دیا تھا۔ اور حضرت والا سے فرمایا کہ اس کی شرح بھی لکھئے اور میں اس کا نام حصول الوصول رکھتا ہوں۔ (نوٹ) اصول الوصول کے باقی مندرجہ ذیل سب کتابیں احقر محمد اختر عفی عنہ کے قلم سے بہ برکت و فیض حضرت مرشدنا ترتیب و تالیف کی گئی ہیں۔

(۲) معیت الٰہیہ

یہ کتاب حضرت والا پھولپوری دامت برکاتہم کی ۱۳۸۰ھ ہجری کراچی میں شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ قرب خداوندی

کے حصول کے لئے محض ذکر و فکر اور علم و کتب بینی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لئے اہل اللہ کی صحبت بھی ضروری ہے۔

اس کتاب کے اندر حضرت والا کی عجیب و الہامی تقریر ہے۔ جس کے اندر حدیث قدسی "لَا یَزَالُ الْعَبْدُ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ" کی چھ عنوانات پر مشتمل عجیب و غریب الہامی شرح بھی ہے حق تعالیٰ کی معرفت و محبت حاصل کرنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ کیمیا ایست عجیب التاثیر کا حکم رکھتا ہے۔

(۳) صراط مستقیم

یہ کتاب ۱۳۸۱ھ ہجری کراچی میں طبع ہوئی اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت پر ایک عجیب الہامی مضمون ہے اس کتاب کے اندر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب و الہامی اور حکیمانہ انداز میں یہ بتایا ہے کہ ہماری روحوں کو دنیا میں حق تعالیٰ نے اس لئے بھیجا ہے کہ ہم یہاں ایمان بالغیب اور تقویٰ اختیار کر کے حق تعالیٰ کے مقرب و محبوب اور دوست ہو جاویں عالم ارواح میں ہم صرف بندے رہتے تو وہاں ہماری عبدیت پر ولایت کا تاج نہ رکھا جاتا۔ کیونکہ شرط ولایت ایمان بالغیب اور تقویٰ ہے جس کا محل یہی عالم ناسوت ہے اور صراطِ مستقیم اس کے لئے عملی راہ ہے۔ جس کا حصول کسی منعم علیہ بندے کی صحبت اور اس کی اتباع پر موقوف ہے۔

طالبان معرفت و محبت کے لئے عجیب کتاب ہے۔

(۴) ملفوظات (حصہ اول و دوم)

اس کتاب میں حضرت والا پھولپوریؒ کی مختلف مجالس کے ارشادات جمع کر دیئے گئے ہیں جن کی حرفاً حرفاً حضرت والا پھولپوریؒ نے بغرض تصحیح سماعت فرمائی ہے۔ نیز حضرت والا کے مجرّبہ و معمولہ تعویذات و نقوش بھی افادۂ خلق کے لئے اس میں درج کئے گئے ہیں،

(۵) براہینِ قاطعہ

اس کتاب میں حضرت والا پھولپوریؒ کی وحدانیت، رسالت، اور قیامت پر مشتمل عجیب و غریب علمی تقاریر مندرج ہیں، جن کو پڑھ کر عقلی طور پر ملحدین کو بھی وجود صانع، صدق رسالت اور وقوعِ قیامت کے انکار کی مجال نہیں رہتی۔

حضرت والا کے مُجازین اور خُلفاء

حضرت والا کو اپنے جن متعلقین کے متعلق ان کے حالات سے اس امر کا شرح صدر ہو گیا کہ ان حضرات سے دوسروں کو دین کا نفع پہنچے گا تو توکلاً علی اللہ ان کو اجازت بیعت عطا فرمادی۔ اور یہ ارشاد فرمایا کہ یہ اجازت ان کے موجودہ حالات پر بربنائے تخمین و فراست و شرح صدر اور وارد قلبی کے ہے۔ لیکن اگر کل کو کسی کی حالت خدانخواستہ صراط مستقیم کے خلاف ہو جائے اور اس سے کھلم کھلا فسق و فجور عیاذاً باللہ صادر ہونے لگے تو یہ اجازت منسوخ سمجھی جاوے گی۔ نیز یہ کہ اس اجازت کا ہرگز

مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ مجازین اپنی اصلاح اور نگرانی سے فارغ ہو چکے ہیں۔ کیونکہ حاصل طریق کا یہی ہے کہ:

اندریں رہ می تراش و می خراش
تا دم آخر دمے فارغ مباش

مجازین کو چاہئے کہ اپنے اعمال اور معمولات میں بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ہمت و پابندی سے عمل پیرا رہیں کیونکہ اگر ماں کمزور اور ضعیف ہوتی ہے تو اس کے دودھ سے تربیت یافتہ بچے بھی کمزور اور بیمار رہتے ہیں۔

حضرت والا اپنے جملہ متعلقین اور مجازین کو خصوصیت سے وصیت فرماتے ہیں کہ

"میری کتاب "معرفت الٰہیہ" کو سبقاً سبقاً ہر روز مطالعہ میں رکھیں، بالخصوص جلد ثانی کہ اس میں خشیت اور عظمتِ الٰہیہ نیز عارفین کی عبدیت و فنائیت کے مضامین بہت کافی و وافی حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے جمع کرا دیئے ہیں"!

اسمائے حضرات مجازین جو بحیات ہیں

(۱) مولوی نصرت علی صاحب۔ مدرس مدرسہ کنز العلوم۔ ٹانڈہ فیض آباد۔ یوپی

(۲) حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب، مہتمم و مفتی دارالافتاء و الارشاد ۴۔جی۔ ۱/۱۳ ناظم آباد۔ کراچی

(۳) حافظ عبدالولی صاحب بہرائچی۔
(۴) حافظ عبدالرحمٰن نیپالی۔
(۵) حاجی محمد نذیر صاحب بکھراوی اعظم گڈھ۔
(۶) عبدالحافظ صاحب کھیری لکھیم پور یوپی۔
(۷) مولوی سید بشارت علی صاحب، نائب ناظم مجلس دعوۃ الحق ہردوئی۔

عرضِ جامع

حضرت والا دامت برکاتہم اپنے حالات قلمبند کرنے سے منع فرماتے تھے لیکن چند مخصوص احباب نے جب یہ عرض کیا کہ اس وقت جو حالات قلمبند ہوں گے وہ حضرت والا کی تصدیق سے معتبر ہوں گے اس لئے اس مصلحت کے پیشِ نظر حضرت والا نے اجازت عنایت فرمادی لہٰذا احقر نے ان مختصر حالات کو قلمبند کرکے حسب اجازت حضرت مرشدی دامت فیوضہم معرفتِ الٰہیہ میں شامل کردیا۔ احقر مرتب وراقم الحروف جملہ ناظرین کرام سے حسنِ خاتمہ اور مغفرت بے حساب اور جہنم سے نجات اور جنت میں دخولِ اوّل کی اپنے لئے اور والدین اور جملہ متعلقین اہل وعیال کے لئے عاجزانہ اور مضطربانہ دُعا کی درخواست کرتا ہے اُمید ہے کہ ازراہِ ترحم اس درخواست کو نظرانداز نہ فرمایا جاوے گا۔

العارض محمد اختر عفا اللہ عنہٗ

۴ رمضان مبارک

۱۳۹۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاتمۃ السوانح

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری اعظمی قدس سرہ العزیز

(از محمد اختر غفرلہٗ پرتاب گڈھی)

سفر کراچی تا لاہور

بغرض تبدیل آب وہوا ۲۳ اپریل ۱۹۶۳ء کو حضرت والا پھولپوری، قدس سرہ العزیز نے کراچی سے لاہور کا سفر اختیار فرمایا۔ حضرت والا کے خاص محب جناب غلام سرور صاحب لاہور سے کراچی تشریف لائے ہوئے تھے اور تقریباً ایک سال سے متعدد بار حضرت والا کو اپنے مکان پر لے جانے کے لئے بصد شوق درخواست کر چکے تھے، اس لئے حضرت والا نے غلام سرور صاحب ہی سے فرمایا کہ میں نے تمہارے یہاں دو تین ماہ کے لئے قیام کا ارادہ کر لیا ہے، بھائی غلام سرور صاحب کو حضرت والا کے اس ارادہ سے جس درجہ خوشی حاصل ہوئی اس کا تصور اُن کے دیرینہ جذبات و خواہش سے کیا جا سکتا ہے،

حاصل یہ کہ حضرت والا قدس سرہ العزیز مع حضرت والدہ صاحبہ مدظلہا اپریل ۱۹۶۳ء کو جناب غلام سرور صاحب کے مکان پر لاہور میں قیام

فرما ہوئے، ماشاء اللہ لاہور کی آب و ہوا سے حضرت والا کی صحت روز بروز بہتر ہوتی گئی، اور غلام سرور صاحب نے اپنی خدماتی سعی کو بامراد اور فائز المرام دیکھ کر خدا کا شکر ادا کیا، طالبین صادقین کی آمد و رفت ہونے لگی، مجلس میں علوم و معارف کا فیضان ہونے لگا، کراچی میں جو ضعف تھا وہ بالکلیہ قوت سے مبدّل ہوگیا۔

اواخر مئی ۱۹۶۳ء میں حضرت والا نے غلام سرور صاحب سے فرمایا کہ اب مجھے کراچی پہنچا دو، میرا دل کراچی جانے کے لئے بار بار تقاضہ کر رہا ہے، غلام سرور صاحب نے چونکہ یہ دولت قربِ شیخ ایک سال کے انتظار شدید کے بعد پائی تھی، اس لئے حضرت والا کی واپسی کے لئے ان کا اور اُن کے گھر والوں کا نیز ان کے والد ماجد صاحب کا اجتماعی طور پر دل نہ چاہا، کہ حضرت والا ہمارے گھر سے اتنی جلدی رخصت ہو جائیں، اس لئے ہر ایک نے انفراداً اور اجتماعاً پوری کوشش کی کہ حضرت والا کا قیام اُن کے گھر میں کچھ دن کو اور بڑھ جائے، حضرت والا کی شفقت نے ان حضرات کی مخلصانہ محبت کے پیشِ نظر اس درخواست کو قبول فرمالیا۔

امتحانِ عشق

عشق آمد لا اُبالی فاتقوا، مورخہ ۲ر جون ۱۹۶۳ء نویں محرم الحرام حضرت والا کو اپنے پیروں پر کچھ شبہ نجس چھینٹوں کا ہوا، غسل خانہ تشریف لے گئے، کہ اس شبہ کو دور کر لوں، مشیت ایزدی کہ حضرت والا کا پیر مبارک پھسل گیا، جس کے سبب کولھے کی ہڈی پر نقصان آگیا،

ایکسرے لیا گیا تو بائیں طرف کولھے میں نقصان کا اثر مشاہدہ ہوا ڈاکٹروں نے حکم دیا کہ بہت معمولی اثر ہے، جو صرف دو ماہ مسلسل آرام سے خود بخود زائل ہو جائے گا۔

حضرت والا اب بالکل صاحبِ فراش ہو گئے، کیونکہ پائخانہ و پیشاب بستر پر کرانے کا حکم ہو گیا، چوٹ کی جگہ پر حرکت سے درد شدید کا احساس ہوتا، حتیٰ کہ اکثر اوقات شدتِ درد سے حضرت والا آہ فرماتے، احقر ان دنوں کراچی تھا، لیکن بار بار غلام سرور صاحب سے دریافت فرماتے کہ "حکیم اختر نہیں آئے"؟ میں حاضری کے لئے خط لکھ چکا تھا، اس لئے تھوڑی تھوڑی دیر کے وقفہ سے بار بار دریافت فرماتے کہ "حکیم جی آگئے"؟ پھر احقر کو غلام سرور صاحب نے تار دیا، چنانچہ ۶ جون کو احقر بوقت شام لاہور پہنچا، غلام سرور صاحب نے فرمایا کہ حکیم جی آپ کو حضرت والا بہت یاد فرما رہے تھے، اور آپ کے بے چینی سے منتظر تھے، احقر بیتابانہ خدمت اقدس میں حاضر ہوا، حضرت والا کے اس کرب و بے چینی اور درد شدید کو دیکھ کر میرا قلب اندر اندر شدتِ حزن و صدمہ سے سخت متاثر ہو رہا تھا، کہ حضرت والا نے میری تسلی کے لئے ارشاد فرمایا کہ "کچھ گھبرانے کی بات نہیں، سب اللہ کی رحمت ہے" حضرت والا کے اس جملہ سے مجھے بڑا سکون حاصل ہوا۔

حضرت والا پر غلبۂ ضعف بہت شدید طاری تھا، بعض بعض

عہ غلام سرور صاحب نے ان دنوں علاج تو حکیم قرشی شفاء الملک کا رکھا، لیکن مزید اطمینان کے لئے اسپیشلسٹ ہڈی ڈاکٹر سردار عالم صاحب اور اسپیشلسٹ قلب و بلڈ پریشر ڈاکٹر عبدالعزیز کا بھی معائنہ کرایا۔

وقت غشی کی سی کیفیت ہوجاتی تھی، غالباً ۱۰ رجون کو مسلسل ۲۴ گھنٹہ کی بے ہوشی طاری ہوئی، پھر جب افاقہ ہوا تو مجھ سے ارشاد فرمایا کہ "حکیم اختر"! عرض کیا، جی حضرت! ارشاد فرمایا کہ "تم نے تجہیز و تکفین کا انتظام کرلیا"؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت کس کی تجہیز و تکفین کرنی ہے؟ ارشاد فرمایا کہ "جن کا انتقال ہوگیا ہے" احقر نے عرض کیا کہ حضرت یہاں تو سب لوگ ماشاء اللہ زندہ بخیر ہیں، کسی کا انتقال نہیں ہوا، ارشاد فرمایا کہ "کیا تم سچ کہتے ہو"؟ عرض کیا حضرت بالکل سچی بات ہے۔ فرمایا کہ "کیا میں ابھی مرا نہیں"؟ عرض کیا، نہیں حضرت! ابھی تو آپ خدا کے فضل سے زندہ مع الخیر ہیں۔

اس گفتگو کے بعد حضرت والا پر پھر غشی کی سی کیفیت طاری ہوئی تین گھنٹے کے بعد تقریباً ۸ بجے شب میں پھر احقر سے ارشاد فرمایا کہ "ابھی میں مرا نہیں"؟ عرض کیا نہیں، ----------

---- ارشاد فرمایا کہ "میری زندگی کی دلیل کیا ہے"؟ احقر خاموش ہی تھا کہ خود ہی ارشاد فرمایا کہ "میری زندگی کی دلیل یہ ہے کہ میں یہ دعا پڑھ رہا ہوں اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ وَبَارِکْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ"، احقر نے عرض کیا کہ حضرت اس دعا کو آپ تحریر فرمادیجئے غلام سرور صاحب سے کاغذ و پنسل منگایا، حضرت والا نے اپنے دستِ مبارک سے اللّٰھم اغفر لی لکھا، اس کے بعد ہاتھ میں رعشہ سا ہوگیا اور کچھ صاف نہ لکھا جاسکا۔[۱]

---

[۱] ان تمام باتوں کو حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب مدظلہ نے سنکر ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا پر عالم برزخ منکشف کردیا گیا،

۱۵ جون تک حضرت والا کی چوٹ میں افاقہ ہوگیا، اور صحت بہتر ہونے لگی، اور ارشاد فرمایا کہ مجھے کراچی لے چلو، اسی اثناء میں جناب شہروانی حبیب الحسن خان صاحب بغرض عیادت وزیارت تشریف لائے، حضرت والا سے استفسار فرمایا کہ حضرت آپ ہندوستان تشریف لے چلیں گے؟ ارشاد فرمایا کہ میں ہندوستان نہیں جانا چاہتا۔

الغرض حضرت والا اپنی خواہش اور منشا کے مطابق ۲۶ جون ۱۹۶۳ء کو کراچی تشریف لائے، یہاں بھی حضرت والا کو ہڈی کے خاص اور مشہور ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب کے مشورے کے مطابق بستر پر ہی پیشاب پائخانہ کرنے کا انتظام رکھا گیا۔

۳ ہفتے کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف نے اجازت دیدی کہ اب حضرت والا کو تھوڑا تھوڑا چلانے کی کوشش کیجئے۔ لیکن حضرت والا کے لئے اس مشورہ پر عمل کرنا بوجہ ضعف دشوار تھا، کراچی میں تقریباً تین ہفتے جناب حکیم اسعد صاحب مدظلہ کا معالجہ رہا موصوف حضرت والا کے خاص محب اور مخلص ہیں، انھوں نے بہت اہتمام سے حضرت والا کا علاج کیا، اور بفضلہ تعالیٰ نفع عظیم وعجیب مرتب ہوا، لیکن کوئی طبیب پنجۂ قضا کا کیا مقابلہ کرسکتا ہے،

حضرت والا کے سینہ میں بلغم بہت بڑھ گیا، جس سے سانس بند ہونے کے جلد جلد اس قدر شدت سے دورے پڑنے لگے کہ تشویشناک صورت پیدا ہوگئی[۱]، لہٰذا حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب مدظلہ العالی کے

---

[۱] اس زمانہ میں حضرت والا بغرض علاج بنس روڈ پر ماسٹر غلام رسول صاحب (تاج ہوٹل والے) کے ایک فلیٹ میں قیام فرماتھے، پھر اکابر کے مشورے سے حضرت والا ناظم آباد مکان سابق پر تشریف لائے۔

مشورہ سے ان کا علاج کچھ دن کیا گیا، بفضلہ تعالیٰ اُن کے علاج سے سانس کی تکلیف میں بڑا افاقہ ہوا، جناب حفیظ اللہ صاحب لاری خلیفہ حضرت والا پھولپوری جو مستقل میرے ساتھ حضرت والا کی خدمت میں آخر تک شریک رہے انھوں نے اور حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب مدظلہٗ نے یہی مشورہ دیا کہ اب حضرت والا کا آرام سے گھر ہی پر خدا کے بھروسہ پر علاج کرو، بفضلہ تعالیٰ حضرت والا خوب مجلس میں ارشاداتِ عالیہ سے افادہ فرمانے لگے، کہ وقت رحلت قریب آ گیا، اور آخری مجلس مورخہ ۳ر اگست ۱۹۶۳ء بروز شنبہ بعد نمازِ عصر جو فرمائی وہ عجیب مجلس تھی، خوب علماء سورکو ڈانٹا، اور عصر سے مغرب تک باآواز بلند حاضرین مجلس کو اپنے کلماتِ حسنہ سے مستفید فرماتے رہے، تقریباً عشاء کے وقت حکیم اسعد اجمیری صاحب اور مولوی نور احمد صاحب ناظم دارالعلوم بغرض عیادت ومزاج پرسی حاضر ہوئے حضرت والا نے مولوی نور احمد صاحب سے ارشاد فرمایا کہ قبر میں کتنی دیر منکر نکیر سوالات کرتے ہیں اور برزخ میں کتنے دن رہنا ہوتا ہے، اور میں ایک بات بھول گیا ہوں جو مجھے کرنا چاہئے تھی، اب اس کا کیا معاملہ ہوگا، ان سوالات کے جوابات مفتی محمد شفیع صاحب سے دریافت کر کے مطلع کرنا۔

حضرت شیخ پھولپوریؒ کی یہ آخری مجلس تھی، اسی شب میں تقریباً ۴ بجے تھے کہ حضرت والا کے بائیں حصہ جسم پر فالج گر گیا، احقر نے دیکھا کہ حضرت والا کی دماغی حالت غیر طبعی ہو رہی ہے، اور زبان کانپ رہی ہے، مجھ سے کانپتی ہوئی زبان سے ارشاد فرمایا کہ کلمہ پڑھا دو، احقر نے

لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ پڑھا، حضرت والا نے بھی احقر کے ساتھ کلمۂ طیبہ کا ورد فرمایا اور کلمہ پڑھتے ہی ہمیشہ کے لئے حضرت والا کی زبان مبارک خاموش ہوگئی، پھر اشارے سے بات فرمانے لگے، دو دن تک اشارے سے بات فرماتے رہے، بعدہ بالکل غشی کا عالم طاری رہنے لگا، غذا تین چار دن تک بمشکل ہضم ہوئی، پھر صرف انجکشن سے گلوکوز چڑھنے لگا، جناب ڈاکٹر عبدالصمد صاحب کانپوری مدظلہٗ کا فالج گرتے ہی علاج شروع ہوگیا، ڈاکٹر صاحب موصوف بھی حضرت والا کے پرانے محبین ومخلصین میں سے تھے، انھوں نے بھی بڑی مستعدی سے حضرت والا کا معالجہ فرمایا، لیکن اب وقت رحلت قریب آگیا تھا، دوشنبہ کے دن ۲۱ ربیع الاوّل ۱۳۸۳ھ ۱۲ اگست کو صبح ہی سے حضرت والا کی نبض بہت ضعیف ہوگئی، حتیٰ کہ دس بجے گلوکوز کا انجکشن کیپٹن ڈاکٹر جمیل صاحب نے لگانے کی پوری کوشش کی، لیکن رگوں میں خون اس قدر کم ہوگیا تھا کہ رگیں بالکل خشک ہوگئیں، اور انجکشن لگانا امر ناممکن ہوگیا۔ پھر ڈاکٹر جمیل صاحب نے نبض دیکھی اور فرمایا کہ آج حالت بہت نازک ہے، اور اب انجکشن سے بھی غذا ناممکن ہے، ہم لوگوں کی حضرت والا کی اس حالت سے عجیب حالت ہوگئی، فوراً ڈاکٹر عبدالحی صاحب مدظلہٗ کو فون کیا گیا، وہ ایک بجے دن میں تشریف لائے اور فرمایا کہ حالت آج بہت نازک ہے، پھر ڈاکٹر عبدالصمد صاحب کانپوری تین بجے تشریف لائے اور موصوف نے نبض دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ اب مولانا آرام فرمائیں گے۔

پانچ بجے احقر نے حضرت والا کو زمزم اور شہد ایک چمچہ پلایا،

سوا پانچ بجے سے سکرات کا عالم طاری ہوگیا، اور چھ بجنے میں ۱۰ منٹ باقی تھے کہ حضرت قطب العالم شیخ پھولپوری کی روح مبارک دنیائے فانی سے رحلت فرماکر واصل بحق ہوگئی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن،

حضرت والا قدس سرّہ العزیز کے ان آخری لمحاتِ حیات کے وقت حسب ذیل حضرات حاضر تھے:۔

احقر اختر غفرلہ، جناب حفیظ اللہ صاحب لاری، جناب انور نعمانی صاحب، جناب اعجاز صاحب، جناب حاجی نذیر الدین صاحب، جناب محمود صاحب، عزیزم محمد صادق صاحب، عزیزم محمد کلیم صاحب۔

بدون ریڈیو اور اخباری نشر و اطلاع کے جوق در جوق پروانہ وار ہر طرف سے متعلقین اور محبّین کا اجتماع ہونے لگا، ہر شخص ایک دوسرے کو ٹیلیفون سے اطلاع کرکے حق رفاقت ادا کرتا رہا۔

تقریباً عشاء تک حیرت انگیز اجتماع ہوگیا، حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہٗ نے اپنی خاص نگرانی میں سنت کے مطابق تجہیز و تکفین کیا، بلکہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنے مرشد و شیخ کے جسد مبارک کو غسل دیا، چند معاونین بھی ساتھ تھے، تقریباً دس بجے، حضرت قطب العالم پھولپوری کا جنازہ گھر سے باہر نکلا، آسمان سے رحمت حق نے ہلکی ہلکی رحمت کی بوندیں چند سکنڈ برسائیں، ع

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

ہاں وہاں ایں دلق پوشانِ من اند (رومی) صد ہزار اندر ہزاراں یک تن اند

"خوب سن لو اے لوگو یہ گدڑی پوش ہمارا خاص بندہ ہے، کہیں لاکھوں انسانوں میں ایسا ایک پیدا ہوتا ہے"۔

علماء و صلحاءِ شہر کی اس قدر تعداد جنازے کے ہمراہ تھی کہ کندھا دینا مشکل ہو رہا تھا۔

جناب ڈاکٹر عبدالحی صاحب مدظلہ العالی چونکہ حضرت والا کے کئی اعتبار سے قریبی دوست تھے اس وجہ سے نماز جنازہ کے لئے آپ کو منتخب کیا گیا، تقریباً ½ ۱۱ بجے شب میں نماز جنازہ ادا کی گئی، جنازہ کے ہمراہ حضرت مولانا یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی اور کراچی کے تقریباً تمام عربی مدارس کے علماء طلباء بھی شریک تھے، ہر شخص ۱۲ بجے شب میں بدون اہتمام اس قدر کثیر تعداد مجمع کو دیکھ کر انگشت بدنداں تھا۔

نوٹ:۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ بوجہ علالتِ شدیدہ کے اس وقت حاضر نہ ہو سکے،

پاپوش نگر کے قبرستان میں بوقت ۱۲ بجے شب تدفین ہوئی قبر مبارک بالکل صدر دروازہ کے پاس داہنی طرف ہے ٭

مبشراتِ منامیہ

خوابِ اوّل وصال سے بالکل قریب کے دنوں میں ایک صاحب نے خواب میں دیکھا کہ حضرت پھولپوریؒ سطحِ سمندر پر ایک باغ کے اندر تشریف فرما ہیں اور مسند سفید رنگ کے لگے ہیں، ایک طرف ڈاکٹر عبدالحی صاحب دوسری طرف بابا مولوی نجم الحسن صاحب اور سامنے مولانا رشید احمد صاحب مع چند احباب کے تشریف رکھتے ہیں اور حضرت پھولپوریؒ وعظ فرما رہے ہیں۔

خوابِ ثانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب نے خواب میں دیکھا کہ حضرت والا پھولپوری زندہ ہو گئے۔

خوابِ ثالث عبدالرّب نشتر کے حقیقی بھائی صوفی عبدالحمید صاحب پارسؔ نے خواب دیکھا کہ حضرت والا پھولپوریؒ بہشتی لباس میں، بحالتِ جوانی، باکمالِ صحت سامنے ایک مسجد میں تشریف فرما ہیں بعد بیداری صوفی صاحب نے یہ شعر پڑھا ؎

جب زندہ و تابندہ تھے تب ہم سے باتیں کرتے تھے
اب سُننا میں تم آوت ہو اور ہم ادِل للچاوت ہو

خوابِ رابع احقر نے دیکھا کہ حضرت والاؒ احقر سے گفتگو فرما رہے ہیں، احقر نے عرض کیا کہ حضرت والا آپ کا تو وصال ہو چکا ہے، پھر آپ مجھ سے کیونکر باتیں کر رہے ہیں؟ اس سوال پر حضرت والاؒ خاموش رہے۔

حضرت شاہ پھولپوری قدس سرہ العزیز
کے
آخری ایام کے چند مخصوص واقعات

واقعہ نمبر ۱

حضرت اقدس پھولپوری قدس سرہ العزیز کے متعلق عجیب غیبی معاملہ یہ ہے کہ حضرت والا پھولپوریؒ اپنے مرشد حضرت حکیم الامت قدس سرہ العزیز سے دوشنبہ ربیع الاول ہی میں بیعت ہوئے، اور دوشنبہ ربیع الاول ہی میں خلافت عطا ہوئی، اور دوشنبہ ربیع الاول ہی میں وفات پائی۔

جناب سرور عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مکہ سے مدینہ ربیع الاول میں ہوئی۔ اور وفات بھی دوشنبہ ربیع الاول میں ہوئی، اور بیعت ہونا بھی معنیً منہیات الٰہیہ سے ہجرت ہے۔ حضرت والا پھولپوری قدس سرہ العزیز پر غیر اختیاری طور پر یہ توافق بالسنت کا نعام عظیم ہوا ہے، ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ

واقعہ نمبر ۲

دوسرا غیبی لطیفہ یہ ہوا کہ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ العزیز کے وصال سے ایک سال قبل جن رئیسہ صاحبہ نے خواب دیکھا تھا کہ آفتاب غروب ہو رہا ہے، اور یہ خواب خاتمۃ السوانح میں خواجہ عزیز الحسن صاحبؒ نے قلمبند بھی کیا ہے، انہی رئیسہ صاحبہ نے حضرت اقدس پھولپوری قدس سرہ العزیز کی وفات سے تین ماہ قبل علیگڈھ میں خواب دیکھا تھا کہ ماہتاب غروب ہو رہا ہے، پھر ان رئیسہ صاحبہ نے حضرت پھولپوریؒ سے لاہور میں شرف زیارت حاصل کیا، اور حضرہ میں قیام فرمایا، جس دن حضرت والا کا یہاں وصال ہوا ان کو پھر حضرہ میں خواب سے معلوم ہوا کہ حضرت پھولپوریؒ کا وصال ہوگیا۔

واقعہ نمبر ۳

۶ر جولائی ۶۳ء کو جب حضرت والا کے دونوں صاحبزادگان کراچی سے ہندوستان ایک شدید ضرورت سے رخصت ہوئے تو حضرت والا پر ۹ بجے دن سے ۹ بجے رات تک شدید گریہ طاری رہا، اور اس گریہ وزاری کے ساتھ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ، کا ورد فرما رہے تھے، بعض وقت اس قدر شدید حالت گریہ سے لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ من الظّٰلِمِیْنَ پڑھتے کہ مجھے خوف ہوتا کہ خدانخواستہ اس شدید اور قوی کیفیتِ گریہ

سے کہیں رُوحِ مبارک نہ نکل جائے، معلوم ہوتا تھا کہ سینہ پھٹ جائے گا، درمیان میں یہ شعر بھی مثنوی رومی کا پڑھتے ؎

ذکرِ حق پاک است چوں پاکی رسید
رخت بربندد بروں آید پلید
چوں در آید نام پاک اندر دہاں
نے پلیدی ماند و نے آں دہاں

ترجمہ :۔ "ذکرِ حق پاک ہے جب پاکی آگئی تو ناپاکی اپنا سامان لیکر رخصت ہوگئی جب اللہ کا نامِ پاک منہ کے اندر آتا ہے تو نہ تو پلیدی باقی رہتی ہے نہ وہ منہ، بلکہ نور ہی نور ہو جاتا ہے"

حضرت والا پھولپوریؒ کے اس شدید گریہ نے ہم جملہ خدام پر سخت حزن و غم طاری کر دیا، نیز کھانا بھی نہ کھایا، اس وجہ سے اور پریشانی ہوئی کہ بعض احباب نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ صاحبزادگان کے جانے کا غم ہے، احقر نے دل میں سوچا کہ اس بات کو حضرت والا ہی سے کیوں نہ معلوم کرلوں، چنانچہ ڈرتے ڈرتے ۹ بجے رات کو احقر نے عرض کیا کہ حضرت آج آپ صبح سے دن بھر اور اس وقت تک اس قدر کیوں روتے رہے؟ ارشاد فرمایا کہ میرا معاملہ صرف میاں سے ہے (یعنی حق تعالیٰ سے ہے) میں اللہ کی یاد میں رو رہا ہوں۔

نوٹ :۔ حضرت والا شاہ پھولپوریؒ وصال سے چھ ماہ قبل ہی سے اس ورد کا بہت کثرت سے ورد فرمایا کرتے تھے، لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ اور اپنے دوستوں اور متعلقین کو بھی اس ورد کو بکثرت پڑھنے کی ہدایت فرمایا کرتے تھے،

اور اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ وَبَارِکْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ کا ورد بھی گاہ گاہ فرماتے تھے۔

واقعہ نمبر ۴

حضرت شاہ پھولپوری قدس سرہ العزیز جب تک لاہور تشریف فرما تھے تو حضرت چھوٹی پیرانی صاحبہ مدظلہا زوجۂ محترمہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اکثر و بیشتر حضرت والا کی زیارت کے لئے تشریف لایا کرتی تھیں، اور جس دن کسی خاص مجبوری سے نہ آنا ہوتا تو اپنے نواسہ سے حضرت والا کی خیریت معلوم کرا لیتی تھیں، حضرت پھولپوریؒ کو بھی حضرت پیرانی صاحبہ مدظلہا سے اس درجہ والہانہ عقیدت و تعلق تھا کہ جب حضرت پیرانی صاحبہ تشریف لاتیں تو حضرت پھولپوریؒ اپنے پیر و مرشد حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کو یاد کر کے رونے لگتے، اور حضرت پیرانی صاحبہ کا بے حد ادب و احترام فرماتے، حضرت پیرانی صاحبہ مدظلہا کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اپنے گھر کے تقریباً تمام افراد کو حضرت شاہ پھولپوریؒ سے بیعت کرا دیا۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت پیرانی صاحبہ مدظلہا کے چھوٹے نواسے حضرت والا کی خدمت میں بیعت ہونے کی غرض سے تشریف لائے، تو حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ "میرے عزیز! پہلے ہماری والدہ محترمہ حضرت پیرانی صاحبہ مدظلہا سے میرے لئے بیعت کرنے کی اجازت لے آؤ پھر اپنے بیعت کرنے کی اجازت حاصل کرو، اس وقت بیعت کروں گا"، پھر حضرت پیرانی صاحبہ مدظلہا نے جب اجازت مرحمت

فرمائی تو بیعت فرمایا ، اللہ اکبر ! کیا ادب کا غلبہ تھا ۔ ع

اے خدا جویم توفیقِ ادب

واقعہ نمبر ۵

ایک ایم اے جناب اشرف صاحب جو مضافاتِ لاہور میں عرصہ سے تلاش رہبر کے لئے بے چین تھے ، ایک رات خواب دیکھا کہ حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جاؤ مولانا پھولپوری شاہ سے تعلق قائم کرو ، اس وقت ان کا مقام سب سے اونچا ہے۔ اس خواب کو دیکھکر وہ لاہور حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اپنا اصلاحی تعلق حضرت پھولپوری قدس سرہ سے قائم کرلیا ۔

واقعہ نمبر ۶

بعض وقت حضرت والا قدس سرہ نے وصال سے ایک ماہ قبل ایک دفعہ تقریباً دس بجے دن کو ارشاد فرمایا کہ دیکھو وہ سامنے حضرت شاہ فتح قلندر صاحبؒ کا مزار نظر آرہا ہے ، ارشاد فرمایا اور تعجب سے فرمایا : "ارے تم نہیں دیکھتے ہو وہ کیا سامنے نظر آرہا ہے ، اور ہاتھ سے اشارہ بھی کیا کہ وہ کیا ہے سامنے" حالانکہ قلندر پور ضلع اعظم گڈھ یوپی میں ہے ۔

لطیفہ

انہی بزرگ حضرت شاہ فتح قلندر صاحبؒ کو اجازتِ بیعت ملنے سے پہلے بھی حضرت شاہ پھولپوری نے خواب میں دیکھا کہ قبر مبارک سے

نکل کر باہر بیٹھے ہوئے ہیں، اور حضرت والا کو بادامی رنگ کا کاغذ دیا، چند دن بعد حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ العزیز کا اسی بادامی رنگ کا اجازت نامہ حضرت پھولپوریؒ کے پاس آیا تھا۔

واقعہ نمبر ۷

وصال سے تقریباً ایک ہفتہ قبل حضرت والاؒ نے رات میں احقر سے فرمایا کہ حکیم اختر ہم تو شہید ہو گئے۔ احقر نے عرض کیا، وہ کس طرح سے؟ ارشاد فرمایا کہ "تلوار سے"۔ غالباً اس تلوار سے مراد شمشیرِ محبتِ الٰہیہ ہے۔

شکرِ خداوندی، حق تعالیٰ کا احسانِ عظیم بدون استحقاق اس ناکارہ اختر پر یہ ہوا کہ آخری سانس تک حضرت شیخ قدس سرہ العزیز کی خدمت نصیب ہوئی، حق تعالیٰ اپنی رحمت سے قبول فرمائیں، آمین

العارض بندۂ گنہگار احقر اذل الخلائق

اختر غفرلہٗ

۱۵ر اکتوبر ۱۹۶۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آہ را جز آسماں ہمدم نبود راز را غیرِ خدا محرم نبود

(رومی)

چوں زنم دم کاتش دل تیز شد شیرِ ہجراں شفتہ و خوں ریز شد

(رومی)

نعرہ ہائے دردِ دل دردِ جگر شعر بنکر آ گئے قرطاس پر

(اختر)

مثنوی

نالۂ غمناک در یادِ مرشد حضرت شاہ پھولپوریؒ (مع ترجمہ)

(از مرتب محمد اختر عفی عنہ)

بشنو از من نالۂ ہجرانِ یار
شانزدہ سالہ بدم دربانِ یار

محبوب مرشد کی جدائی کا نالہ مجھ سے سنو کہ سولہ سال اس محبوب کا دربان رہا ہوں،

از فراقِ یار چو دل ریش شد
عشق رفتہ از حواسِ خویش شد

فراقِ محبوب سے جب دل زخمی ہو گیا، تو عشق اپنے ہوش حواس کھو بیٹھا،

از قضا بینم چنیں کرب و بلا
شد ہمہ آفاقِ عالم کربلا

قضائے الٰہی سے شیخ محبوب کی وفات کے سبب میں اس قدر کرب و بلا دیکھ رہا ہوں کہ تمام آفاقِ عالم مجھ کو کربلا معلوم ہو رہا ہے

از قضائے شیخ آمد زلزلہ
در جہان درسِ عشق و سلسلہ

وفاتِ شیخ محبوب سے دنیائے درس و عشق و سلسلہ میں زلزلہ پیدا ہو گیا ہے؛؛

مدتے یک ماہیئے اللّٰہیئے
می نمود او راہِ حق ہر راہیئے

ایک اللہ والی مچھلی جو ایک راہرو کو اللہ کے راستہ کی تعلیم کر رہی ہے؛؛

ماہیئے حق مدتے بر ساحلے
بود رہبر عامئے ہم خاصئے

وہ اللہ والی مچھلی ساحلِ بحرِ جلال پر ہر عام و خاص کی رہبری پر تائیدِ غیب سے مامور تھی،

یک بیک آں ماہیئے فرخندہ فال
از قضا شد غرق دریائے جلال

کہ اچانک وہ خوش نصیب مچھلی جو منصبِ نبوت پر علی سبیل[1] نیابت تعلیم خلق پر فائز تھی، قضائے الٰہی سے دریائے جلال میں غرق ہو گئی۔

رخت رحلت بستہ از دنیائے دوں
خفتہ زیر خاک با صد ہا سکوں

یعنی وہ محبوب شیخ سامانِ رحلت دنیائے فانی سے باندھے ہوئے زیرِ خاک صدہا سکوں کے ساتھ سو گئے

رُوح پاک دستگیر رہ نما
غرق شد در بحرِ پاکِ کبریا

---

[1] نائب ہونے کی حیثیت سے۔

شیخ محبوب کی رُوحِ پاک بحرِ پاکِ کبریا میں غرق ہوگئی ۔ یعنی واصلِ حق ہوگئی ؛ ؛ ؛

ہیچ در عالم نباشد یارِ من
چوں ز عالم رفت آں دلدارِ من

اب اس عالم میں میرا کوئی دوست نہ رہا جب کہ میرا وہ محبوب دلدار اس عالمِ فانی سے رخصت ہوگیا

ہمچو ایں غم من ندیدم در جہاں
چہ کنم جز گریہ و آہ و فغاں

ایسا غم میں نے اس جہاں کبھی نہ دیکھا تھا ، اب بجز گریہ و آہ و فغاں کیا کروں

جانِ مرشد چو سوئے جاناں رسید
از کجا یابیم بوئے آں سعید

شیخ محبوب کی جان جب اپنے محبوبِ حقیقی سے واصل ہوگئی ، تو ہم اب اپنے شیخ کی خوشبو اس جہان میں کہاں سے پائیں ۔

مرحبا اے خاکِ پاپوش نگر
خفتہ در آغوشِ تو رشکِ قمر

مبارک ہو تجھے اے پاپوش نگر کی خاک کہ تیرے اندر میرا رشکِ قمر سویا ہوا ہے

حبذا اے خاکِ پاکستانِ ما
کاندرت شد مسکنِ جانانِ ما

شاد باش اے پاکستان کی خاک کہ تیرے اندر ہمارے محبوب شیخ کا مرقد ہے

از کشش کہ عشق دارد حیرتم
روئے آں محبوب بینم در دلم

عشق کی کشش پر میں محوِ حیرت ہوں کہ روئے محبوب کو میں اپنے دل میں مشاہدہ کر رہا ہوں

از فرازِ عرش بر محبوبِ جاں

شد نزول رحمتِ حق ہر زماں

عرش کی بلندی سے ہمارے محبوب پر ہر وقت حق تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی رہیں

آہ! شد آں آفتاب حق غروب

رفت از ما آہ آں مرد غیوب

افسوس کہ وہ آفتابِ حق غروب ہوگیا، اور وہ مردِ غیب ہم سے جدا ہوگیا۔

چوں ز سوزِ عشقِ آں بریاں شدہ

جانِ عاشقِ آں زماں عریاں شد

جب سوزِ عشقِ حقیقی سے جانِ شیخ کی بریاں ہوگئی، تو اس عاشقِ صادق کی جان قیدِ تن سے عریاں یعنی آزاد ہوگئی۔

جانِ او چوں خنجرِ عشقش بدید

پا بجولاں جانبِ مقتل دوید

جب اس شیخ نورانی کی جانِ پاک نے محبوبِ حقیقی کا خنجرِ عشق دیکھ لیا تو غلبۂ جوشِ محبت میں پا بجولاں جانبِ مقتل دوڑ پڑی۔

خنجرش چوں سوئے خود را غب بدید

سر نہادن آں زماں واجب بدید

جب حق تعالیٰ کی عنایات سے تجلّیِ حق کو عریاں مشاہدہ کرلیا، اس وقت عاشق کو اس تجلّی کے سامنے اپنی جان کا سودا سستا نظر آیا۔

حیف کہ از ما رمیدہ آں غزال

کرد رحلت سوئے بستانِ وصال

افسوس کہ وہ غزالِ رعنا ہم سے جدا ہوکر باغِ وصالِ حقیقی کی طرف فی الفور روانہ ہوگیا۔

شانزدہ سالہ رفاقت کردہ ام
حُسنِ شان قربِ او من دیدہ ام

سولہ سال اس محبوب شیخ کے ساتھ رفاقت کا شرف حاصل رہا ، اور اس شیخ نورانی کے قرب کی شانیں مدت طویلہ تک دیکھتا رہا ۔

گرچہ بودم سالہا ہمراہِ او
خدمتش کردم نہ خاطر خواہِ او

اگرچہ میں اس محبوب کے ہمراہ سالہال رہا ہوں مگر ان کی خدمت کا ان کے شایانِ شان مجھ سے ادا نہ ہوا ۔

نالہائے دردِ ہجراں می کشم
خونِ دل خونِ جگر رامی خورم

اب جدائی کے درد کے نالے کھینچ رہا ہوں ، اور غم جدائی میں خون دل اور خون جگر پی رہا ہوں

چوں دلت بود نسبت چشتیہ
ہست در خاکِ تو قوّت برقیہ

اے مرشد چونکہ آپ کے قلب کو بموجب بشارت شیخ حکیم الامّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نسبت چشتیہ حاصل تھی اس وجہ سے آپ کی خاک میں بھی اس کا اثر یعنی قوّت برقیہ در افاضۂ باطنی موجود ہے ۔

برمزارش فیض ربانی بود
نسبتِ آں شیخ نورانی بود

اس مرشد کے مزار مبارک پر فیض ربانی ہے کیونکہ اس نورانی شیخ کے انوار نسبت انوار ربانی کے جاذب ہیں

چونکہ نسبت چشتیہ دارد ز نور
بوئے عشق از مرقدش آمد ظہور

چونکہ وہ مرشد نسبت چشتیہ نورحق سے رکھتا ہے اس وجہ سے اس مرشد کی قبر کی خاک سے بوئے عشقِ حقیقی کا ظہور ہو رہا ہے۔

اے کہ تو چاکِ گریباں آمدی
آیتِ کبریٰ زجاناں آمدی

اے مرشد! آپ عشق الٰہی سے چاکِ گریباں دنیا میں تشریف لائے اور درحقیقت آپ کی ذات مبارک محبوب حقیقی کی طرف سے منجملہ اجلّہ آیاتِ کبریٰ سے تھی، یعنی اللہ کی طرف سے آپ بہت بڑی نشانی بنکر آئے، کہ آپ کو دیکھکر اللہ یاد آتا تھا، بمصداق حدیث اذا رُؤُا ذُکِرَ اللہ (اللہ والوں کو دیکھکر اللہ یاد آجاتا ہے)۔

چشمِ گریاں سینہ بریاں آمدی
از برائے درسِ عرفاں آمدی

اے مرشد آپ عشقِ الٰہی سے ہر وقت اشکبار سوختہ جان نظر آئے اور درحقیقت آپ تعلیم معرفت کے لئے دنیا میں تشریف لائے۔

حیف کہ آں شیرِ حق از ما برفت
در بیابانِ عدم خود را نہفت

افسوس کہ وہ شیر حق (یعنی جبری علی اظہار الحق وبری از مذاہنت وکتمان الحق) ہم سے جدا ہوگیا، اور بیابانِ عدم میں اپنے کو ہماری نگاہوں سے پوشیدہ کرلیا۔

گرد مارا از غمِ فرقت یتیم
رفت خود فی باب جنّت النعیم

افسوس کہ میرے مرشد محبوب نے ہم سب کو غم جدائی دیکر یتیم کردیا اور خود باب جنّت النعیم میں تشریف لے گئے

حضرتِ والا قدس سرہ العزیز کی تاریخ وفات بھی
دَخَلَ فِیْ بَابِ جَنّتِ النَّعِیْم[عہ] ہے،

۱۳۸۲ھ

عہ یہ تاریخ وفات نادم جالندھری نے نکالی ہے جو ایک عربی مدرسہ کے طالب علم ہیں۔

حق تعالیٰ کا صد ہزار شکر ہے کہ حضرت مرشدِ پاک کی جدائی کے غم میں جو میرے قلبی کیفیات تھے وہ باحسنِ طریق اس مثنوی میں منجانب اللہ برنگِ مثنوی رومیؒ بیان ہو گئے، اور ان اشعار کا ترجمہ بھی عجیب والہانہ انداز سے ہو گیا، وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ حق تعالیٰ اپنی رحمت سے حضرت قدس سرہٗ العزیز کو اپنے جوارِ رحمت میں مقامِ اعلیٰ نصیب فرمائیں، آمین ثم آمین۔

جب ان اشعار کو احقر نے حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں بذریعہ ڈاک ارسالِ خدمت کیا تو حضرت والا نے حسب ذیل عنوان سے جواب ارقام فرمایا، نقل مطابق اصل:

" (از مجلس دعوۃ الحق ہردوئی ہند)

خط منظوم پہنچا۔ عجیب مضمون کا حامل ہے اور جذبات حقیقی کا مشعر۔ جس نے دیکھا جھوم گیا بَارَكَ اللّٰهُ فِيْ اَحْوَالِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ وَاَشْعَارِكُمْ وَاَنْوَارِكُمْ۔

ابرار الحق غفرلہٗ

۲۴ ربیع الثانی ۸۳ھ

مجلس دعوۃ الحق ہردوئی یوپی

ھند "

نالۂ غمناک دریادِ مرشد پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

(نظم کنندہ احقر اختر عفا اللہ عنہ)

یہ کس کا جنازہ لیکر ہم پاپوش[1] نگر کو جاتے ہیں
یہ کس کی جدائی سے زخمی ہم قلب وجگر کو پاتے ہیں
کس رشک قمر کو دفنانے ہم دل کو سنبھالے جاتے ہیں
سینوں سے کلیجے خوں ہو کر کیوں منہ کو ہمارے آتے ہیں
لمحات گذشتہ صحبت کے جب دل کو مرے یاد آتے ہیں
اک ہوک سی دل میں اٹھتی ہے اور نالے فلک تک جاتے ہیں
صحبت میں تمہاری اے مرشد! اک عمر ہماری گذری ہے
اب آج ہمارے وہ لمحے یاد آکے ہمیں تڑپاتے ہیں
الطاف تمہاری صحبت کے اب آہ کہاں ہم پائیں گے
دنیا ہی اندھیری ہے ہم کو گھبرا کے جدھر بھی جاتے ہیں
اک دن وہ ہمارا تھا اختر صحبت میں ہم انکی رہتے تھے
اب آہ جدائی کے غم میں آنکھوں سے لہو برساتے ہیں

---

[1] پاپوش نگر کے قبرستان میں بالکل صدر دروازہ کے پاس جنوبی جانب حضرت والا مدفون ہیں اور ساتھ ہی مولانا شبیر علی صاحب مرحوم حضرت شیخ تھانویؒ کے بھتیجے شرقی جانب مدفون ہیں اور اسی احاطہ میں جنوبی جانب حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت والدہ صاحبہ اور حفیظ اللہ لاری مرحوم مدفون ہیں۔

نالۂ غم بہ یاد حضرت شیخ پھولپوریؒ

مرا جانِ بہاراں سو گیا مرقد میں جب اے دل
بھلا اب تا قیامت کیا بہار وصل آئے گی
مرے محبوب مرشد تم کو کیا ہم بھول جائیں گے؟
ہماری جاں تمہاری یاد سے آنسو بہائے گی
ذرا سی دیر کو تیری توجہ تام ہو جائے
مری جاں درد مہجوری کا افسانہ سنائے گی
تمہارے لطف کی باتیں ہمیں سب یاد آتی ہیں
جدائی تیری اختر کو قیامت تک رلائے گی

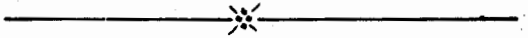

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ
حضرت سلطان العارفین مرشدنا مولانا
شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

واحوال ایں غلام اختر عفا اللہ عنہ

اے شہ عبدالغنی اے رُوحِ ما — صدقۂ تو جملہ ایں مفتوح ما
عمر ما چوں ہشت دہ سالہ رسید — بر درت اختر چو دیوانہ رسید
کرد اختر بیعت بر دست شما — ہشت دہ سالہ شدہ مست شما
من ترا چاک گریباں دیدہ ام — زلف تو بر سر پریشاں دیدہ ام
عالمے کو عاشق حق می شود — نور او از عابداں فائق شود
من ترا دیدم میان رہبراں — بدر کامل چو میان اختراں
رہنمائے بہر جان صادقاں — نزد بینایاں تو شاہ عارفاں
یک قمیصے بر تنت یک لنگۂ — بود ایں دنیا تو اے عابرے
نیست صندوقے و سامانے ترا — خانۂ تو ہمچو ویرانے ترا
سقف خانہ بود آزارے ترا — نیست حفظ از ابر و بارانے ترا
اندریں خانہ مگر اے شاہ جاں — نور حق دیدم بہر ذرہ عیاں
بود دنیا پیش تو دنیائے دوں — فخر دنیا پیش تو شد سرنگوں
در جہاں بودی و خارج از جہاں — قوت نسبت ترا دیدم عیاں
گرچہ می رفتی بظاہر بر زمیں — رُوح تو می رفت بر عرش بریں

گرچہ دیدہ بود مست اندر جہاں — لیک تو بودی ورائے ایں جہاں
جسم تو بر خاک سجدہ چوں نمود — روح تو بر عرش سجدہ ہم نمود
روح تو در سجدہ مضطر دیدہ ام — سجدہ گہہ را تر ز اشکت دیدہ ام
آہ تو من بارہا بشنیدہ ام — گریۂ تو در دعاہا دیدہ ام
عشق را تفسیر قولی مثنوی — اے کہ تو تفسیر فعلی مثنوی
اے سراپا شرح درد مثنوی — اے سراپا شرح راز مثنوی
اے سراپا رمزہائے بے خودی — اے سراپا سرہائے سرمدی
جان من از درد تو شد دردمند — آہ من از آہ تو شد ارجمند
آہ من پروردۂ آہ شما — درد من پروردۂ درد شما
آہ را از آہ تو آموختم — عاشقی از عشق تو آموختم
بر در تو عمر خود سر کردہ ام — ہم سر خود وقف آں در کردہ ام
از تو ایماں یافتہ ست ایمان من — اے فدا بر جان تو ایں جان من
ایں غلامی رشک صد سلطانیاں — لیک دانند قدر ایں روحانیاں
اے امام عشق در صحرائے عشق — اے سریع السیر در دریائے عشق
اے ترا در عالم ہو دیدہ ام — بے خبر از ہستی خود دیدہ ام
یاد ہست آں جلوہ را دیدن ترا — نام خود از غیر پرسیدن ترا
بے خبر گشتی ز نام خویشتن — ہمچنیں دیدم ترا خوش زیستن
جاں فدایت اے شہ عبد الغنی — دل فدایت ہر چہ خواہی آں کنی
گرچہ داری تو حیات برزخی — کے روا داری تو از ما بے رخی

یعنی آئی اے پدر در خواب من
تا بہ بیند ایں دل بے تاب من

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اصلاح کا آسان نسخہ

مجوزہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

(نظم کنندۂ احقر اختر غفرلہٗ)

مخاطب[2] ہے میرا وہ گم کردہ راہ — جسے یاس نے کر دیا ہو تباہ
جسے آہ! ہمت دوا کی نہ ہو — سکت جس میں پرہیز کی بھی نہ ہو
وہ مایوس بندہ یہ مژدہ سُنے — بڑے عارفِ حق کا نسخہ سُنے
وہ جو تھے مجدد و غوث زماں — وہ تھانہ بھون کے حکیم زماں
رہے عشق حق میں شب و روز مست — ہمیشہ رہا نبض امت پہ دست
ہوا ہر گرفتارِ آزار سخت — تری صحبتِ پاک سے نیک بخت
جنھیں رات دن فکر ملت کی تھی — بڑی فکر اصلاحِ امت کی تھی
وہ مولائے اشرف علی شاہ دیں — دکھاتے رہے عمر بھر راہِ دیں
انہی کا یہ نسخہ ہے اصلاح کا — خدا سے فقط ہے وہ الحاح کا
ہے نسخہ بہت سہل و آسان سا — کرے نفسِ بد کو جو بے جان سا
وضو کر کے دو رکعتیں تم پڑھو — نیت اس میں توبہ کی کر کے پڑھو

---

[1] یہ نظم حکیم الامت مولانا تھانوی نوّر اللہ مرقدہٗ کے وعظ "ملت ابراہیم" ۱۳۴۸ھ کا چربہ ہو کئی مرتبہ طبع ہو چکا ہے، حضرت اقدس پھولپوری رح کو تھانہ بھون میں موصول ہوا اسی وقت حضرت والا نے احقر کو حکم دیا کہ اسے نظم کر ڈالو، حضرت والا نے اور دوسرے اکابرین نے اس نظم کو بہت پسند فرمایا ہے اس لئے ہدیۂ ناظرین ہے

[2] صرف یہ شعر مولوی ظہور الحسن صاحب مہتمم خانقاہ تھانہ بھون کا ہے

دعا کے لئے ہاتھ کو پھیر اٹھا
خدا سے تو رو کر کرے التجا

الٰہی گنہ گار بندہ ہوں میں
سراپا بُرا اور گندہ ہوں میں

بہت سخت مجرم کمینہ ہوں میں
گناہوں کا گویا خزینہ ہوں میں

نہ قوّت گناہوں سے بچنے کی ہے
نہ ہمت عمل نیک کرنے کی ہے

ترا ہو ارادہ اگر اے کریم
تو ہو پاک پل میں یہ بندہ لئیم

تو ہی غیب سے کوئی سامان کر
گناہوں سے بچنے کو آسان کر

ارادے مرے نیک اعمال کے
حوالے ہوئے نفس کی چال کے

اگر تیری توفیق ہو چارہ گر
تو پھر نفس و شیطان سے کیا مجھ کو ڈر

میں بندہ ترا ہوں محض نام کا
بنا دے کرم سے مجھے کام کا

تلوّن مزاجی مری ختم کر
مرے عزم کو تو عطا جزم کر

عطا کر مجھے ذرّۂ درد دل
ترا درد ہو جائے یہ آب و گِل

رہ غیب سے کر مری رہبری
تری بندگی سے ہو عزت مری

دکھا غیب سے محبوب کو راہِ نجات
پلا اپنے مردے کو آبِ حیات

کرم سے خطاؤں کو تو عفو کر
گناہوں کے انبار کو محو کر

یقیناً گنہ مجھ سے ہوں گے ضرور
کرا لوں گا پھر عفو اپنا قصور

غرض روز اس طرح اقرار ہو
ندامت کا ہر روز اظہار ہو

عجب کیا بہت جلد ان کا کرم
ہدایت کا سامان کر دے بہم

عطا کر دے قوّت تجھے غیب سے
ہو نصرت تری پردۂ غیب سے

نہ بٹّہ لگے گا تری شان میں
نہ فرق آئے گا کچھ تری آن میں

اگر جسم تیرا ذرا ہو علیل
حکیموں کی سنتا ہے تو بے دلیل

دوا تلخ سے تلخ پیتا ہے تو
خوشامد طبیبوں کی کرتا ہے تو

مداوائے تن میں تو توچست ہے مگر فکرِ ایمان میں کیوں سُست ہے
تری عقل دنیا میں کیا کر گئی مگر دین میں وہ کہاں مر گئی
نہ خود اپنی جو فکر درماں کرے خدا کیا ہدایت چسپاں کرے
بڑے شرم کی بات ہے دوستو کہ اتنی بھی ہمت نہ تم کر سکو
اگر یونہی غفلت میں گذری حیات نتیجہ بُرا ہوگا بعد الممات

ہو سہل اس سے صورت کوئی آہ کیا
بھلا اس سے آسان ہو راہ کیا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مُنکرِ قیامت کے سے خطاب

(اثبات قیامت منظوم)

نوٹ:

حضرت اقدس سرہٗ العزیز پھولپوری نے اثبات قیامت پر بزمانہ قیام کانپور ایک تقریر فرمائی تھی، جس کو احقر نے نظم کیا تھا۔ حضرت والا پھولپوریؒ نے اس نظم کو بار بار سنا اور بہت پسند فرمایا۔ ؎؎؎؎

از محمد اختر غفرلہٗ

قیامت کے منکر ذرا غور تو کر — کہ پیدا ہوا ہے تو دنیا میں کیونکر
ورق تو الٹ خلق اول کا ناداں — نہ خود پر گماں کر یہ ہے کارِ یزداں
ترا یہ وجود مجسم کہاں تھا — ترا مادہ منتشر تھا نہاں تھا
جو کھاتے تھے ماں باپ شام و سحر میں — وہ پھیلے تھے ہند و عرب بحر و بر میں
غذاؤں پہ آثار شمس و قمر کے — ہواؤں کے جھونکے بھی شام و سحر کے
گذرتا تھا پودوں میں پانی جدھر سے — وہ مخلوط تھا معدنوں کے اثر سے
غرض سارے ذرات تولید آدم — کہاں تھے یہ ماں باپ میں یوں منظم

جو ذرہ ترا تھا نہاں جس غذا میں
غذائیں وہ حاضر تھیں علم خدا میں

وہ اقضائے عالم سے آئے سمٹ کر
نہیں جا سکا کوئی ذرہ بھی ہٹ کر

کھلایا انہیں تیرے ماں باپ کو جب
اکٹھے ہوئے تیرے ذرات بھی سب

بنایا اسے خون پھر اس سے نطفہ
ہوا بطنِ مادر میں جا کر وہ علقہ

پھر علقہ سے مضغہ پھر اس سے بنا کیا
بتاؤں میں صنعت گری اس کی کیا کیا

جو بخیے کئے اس نے اس آب و گل میں
سمجھ سے ہے باہر یقین کر لے دل میں

غرض بطن مادر میں نو ماہ رہ کر
نکل آیا دنیا میں انسان بنکر

وہ جس نے کیا شکم مادر سے پیدا
ہے قادر کرے قبر سے پھر وہ پیدا

تری قبر پہلے جو تھی شکم مادر
وہ ہے قبر ثانی کی تشریح یکسر

ترا خلق اول تھا مشکل کہ ثانی
تو خود فیصلہ کر بایں رائے دانی

تو خود ہے مجسم دلیل قیامت
اس انکار پر ہو گی تجھ کو ندامت

قیامت کا دن منتہائے عمل ہے
جزائے عمل ہے سزائے عمل ہے

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقصدِ حیات اور اقتضاءِ فطرۃِ بشریّہ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (سورۂ ذاریات پ۲۷)

"اور میں نے جن اور انسان کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا ہے"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے لِیَعْبُدُوْنِ کی تفسیر لِیَعْرِفُوْنِ سے فرمائی ہے اور صاحب جلالین اپنی تفسیر جلالین میں اسی کو لیا ہے۔ پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتا دیا کہ ہم نے جن اور انسان کو اپنی معرفت و پہچان کیلئے پیدا فرمایا ہے۔ ایک حدیث قدسی سے اس تفسیر کی تائید ہوتی ہے "کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ" حدیث قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں، جس کو حق تعالیٰ نے فرمایا ہو اور راوی اس کے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ایک خزانہ مخفی تھا۔ پس مجھے یہ بات بھلی معلوم ہوئی کہ

مَیں پہچانا جاؤں پس مَیں نے مخلوق کو پیدا کیا۔

اسی آیت کریمہ کو حضرت عارف رومیؒ نے اس شعر میں بیان فرمایا ہے

؎ ما خلقت الجنّ والانس ایں نخواں

جز عبادت نیست مقصود از جہاں

مولانا رومیؒ حق تعالیٰ کی طرف سے حکایت فرماتے ہیں کہ میں نے جنّ اور انس کو اپنی عبادت کے لئے یعنی معرفت کے لئے پیدا فرمایا ہے اور جنّ اور انسان کی تربیت یعنی پرورش کے لئے اور ان کی حیات کی حفاظت و بقاء کے لئے یہ ساری کائنات پیدا کی گئی ہے۔

ایک مسافر بھوکا پیاسا بے سروسامانی کی حالت میں ایک لق ودق میدان سے گذر رہا تھا کہ اچانک ایک محل عالیشان اس کو نظر آیا جب اس محل کے قریب پہنچا تو دروازے پر ایک دربان نے اس کا خیر مقدم کیا اور کہا کہ اے مسافر یہ محل تیرے لئے ہے اس کے اندر داخل ہو جا، جب مسافر اندر داخل ہوتا ہے تو دیکھتا ہے کہ ایک کمرے میں کھانے پینے کا تمام سامان رکھا ہوا ہے، دوسرا کمرہ غسل کرنے کیلئے ہے، تیسرے کمرے میں پیشاب خانہ اور پاخانہ بنا ہوا ہے، اور اس محل میں ہر قسم کے پھل دار درخت موجود ہیں شیریں اور ٹھنڈے پانی کے چشمے موجود ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جتنی حاجتیں اس مسافر کے اندر پیدا ہو سکتی تھیں سب کا انتظام اس محل میں موجود تھا۔ ان انعامات کو دیکھ کر یہ مسافر خوش ہو جاتا ہے اور فرطِ مسرت سے ہر نعمت کی قدر دانی کرتا ہے۔ اب اس کے دل میں طبعاً اور فطرۃً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ نعمتیں ہم کو کس نے دی

ہیں۔ تاکہ ہم اس کا شکریہ ادا کریں۔ شدّت پیاس کے وقت میں جس کو کوئی ایک گلاس پانی پلا دیتا ہے یا شدّت بھوک میں کھانا کھلا دیتا ہے تو اس کے دل سے پوچھو کہ اس کو اپنے محسن کے ساتھ اس احسان سے کیسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور شکر زبان تلاش کرنے لگتا ہے، اب یہ مسافر اپنے محسن کی تلاش کے لئے بے چین ہو جاتا ہے کہ وہ کون ایسی کریم اور سخی ذات ہے جس نے ہمیں ایسی غربت کی حالت میں بے شمار نعمتوں سے بھرا ہوا محل عطا فرما دیا، اپنے محسن کی تلاش کا داعیہ عین اقتضاء فطرت ہے۔ اب یہ مسافر اس دربان سے پوچھتا ہے کہ بھائی یہ محل کس نے بنایا ہے اور کس نے اس محل کے اندر اس قدر بے شمار نعمتیں بھر دی ہیں، اور اس محل کا مالک کس قدر کریم ہے کہ بدونِ کسی معاوضہ اور سوال کے اس نے اِتنا بڑا کرم فرما دیا اور ہماری ذات سے اس کو کوئی نفع نہیں ہے وہ بے غرض محبّت کرنے والا اور بے غرض احسان فرمانے والا کون ہے۔ دربان کہتا ہے کہ اس محل کے پاس اور بھی دوسرے محل ہیں اور وہ لوگ پرانے رہنے والے ہیں ان سے معلوم کرو۔ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اگر تم نہیں جانتے ہو تو کسی اہل علم سے معلوم کر لو۔

اس تمہید کے بعد جاننا چاہئے کہ انسان کا جسم ایک محل ہے جس کے اندر سر سے پیر تک نعمتوں کے خزانے رکھے ہوئے ہیں اب فطرۃً اس کے اندر سوال پیدا ہونا چاہئے کہ ہماری آنکھیں کس نے بنائی ہیں اور آنکھوں میں روشنی کا خزانہ کس نے رکھا ہے۔ ہمارے کان کس نے بنائے ہیں اور کانوں میں سننے کا خزانہ کس

نے رکھا ہے، دماغ کس نے بنایا اور دماغ کے اندر عقل وسمجھ کا خزانہ کس نے رکھا ہے۔ ان سوالات کا پیدا ہونا، اقتضاء فطرت ہے، اسی کو مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

؎ اے خدا احسانِ تو اندر شمار می نتانم باز بانِ صد ہزار

مولانا فرماتے ہیں کہ اے خدا آپ کے احسانات بیشمار ہیں میں سو ہزار زبان سے بھی ان کو شمار نہیں کر سکتا۔

جان و گوش و چشم و ہوش و پا و دست جملہ از دُرہائے احسانت پُر ست

میری جان میرے کان اور میری آنکھیں اور میرے ہوش و حواس اور ہاتھ پاؤں یہ سب کے سب آپ کے احسان کے موتیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔

حاصل یہ کہ جب انسان اپنے اندر بیشمار ظاہری اور باطنی نعمتوں کو دیکھتا ہے تو سوچتا ہے کہ اگر ہماری آنکھوں میں روشنی نہ ہوتی تو ہم کو کتنی پریشانیوں کا سامنا ہوتا وہ کون محسن ذات ہے جس نے بدون کسی معاوضے کے بدلے کے اور بدون سوال کے ہماری آنکھوں بینا فرما دیا۔ اسی طرح اگر ہمارے کان بالکل بہرے ہوتے تو ہم کسی کی بات کو نہ سن سکتے اور ہم کو نہ جانے کتنی پریشانیاں اٹھانی پڑتیں، وہ کون محسن ذات ہے جس نے ہمارے کانوں کو سننے والا بنایا۔ اسی طرح زبان کے سوچتا ہے کہ اگر ہم گونگے ہوتے تو کیا مصیبت ہوتی، مافی الضمیر کو ہاتھوں کے اشاروں سے سمجھانے میں کیسی پریشانی اٹھانی پڑتی وہ کون محسن ذات ہے جس نے بدون معاوضہ اور سوال کے ہماری زبان کو گویا فرما دیا، اور وہ کون ذات ہے جس نے ہمارے ایسے جوڑدار ہاتھ پاؤں بنا دئے کہ جن سے ہم مختلف کاموں کے وقتوں میں مختلف طور سے کام لیتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اپنے اندر ہر نعمت کے متعلق اس قسم کے سوالات کا پیدا ہونا ایک فطری اور عقلی تقاضا ہے۔ پھر جس طرح انسان کو اپنے جسم کے اندر کی تمام نعمتوں میں غور کر کے اپنے محسن کی تلاش

کا داعیہ پیدا ہوتا ہے، اسی طرح جب یہ آسمان کی طرف نگاہ کرتا ہے تو فطرۃ بشریہ کا اقتضاء یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ یہ بے ستون کا ایسا خوب صورت آسمان کس محسن نے ہمارے لئے پیدا فرمایا ہے۔ پھر اس کے اندر سورج، چاند اور بے شمار ستاروں کو کس نے جڑ دیا ہے۔ اسی طرح انسان جب نیچے نگاہ کرتا ہے تو باقتضاء فطرت اس کے اندر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون محسن ذات ہے، جس نے ہمارے لئے زمین کے اتنے بے شمار ذرات کو اکٹھا کرکے ہمارے لئے فرش بنا دیا ہے۔ اسی طرح بہت سے مناظر فطرت مثلاً صحراء لق و دق کوہ ہائے بلند، بحر ناپیدا کنار وغیرہ کو دیکھ کر سوچتا ہے کہ وہ کون محسن ذات ہے جس نے ہمارے لئے ایسے ایسے اونچے پہاڑوں کو اور ناپیدا کنار سمندروں کو مسخر فرما دیا ہے۔ پانی، کے اتنے قطرات سمندر میں کس نے جمع کر دیئے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اپنے محسن کی پہچان کا تقاضا پیدا ہونا انسان کا فطری اقتضاء ہے اور یہ اقتضاء بشریت اس قدر اہمیت اپنے اندر لئے ہوئے ہے کہ اس کی وجہ سے فقہاء میں باہمی اختلاف اس مسئلے میں ہو گیا ہے یعنی ایک جماعت فقہاء کی یہ کہتی ہے کہ جس مقام پر کوئی نبی یا رسول نہیں پہنچا اور نہ اُن کے نائبین پہنچے وہاں کے لوگوں پر خدا کی پہچان فرض نہیں ہے۔ اور فقہاء کی دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ نہیں، ان لوگوں پر بھی خدا کی معرفت فرض ہے، نفس توحید کے لئے انسان کی عقل کافی ہے، خدا کو پہچاننا اقتضاء بشریت ہے، البتہ ان لوگوں سے اُن فروعی احکام کا مطالبہ نہیں ہوگا جن کو خدا کا رسول، خدا کی طرف سے بندوں تک پہنچاتا ہے۔ اس اقتضاء فطرت کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے :-

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُّوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ (او کما قال) (الحدیث)

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر بچہ اسلامی فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے اس کے ماں باپ اگر یہودی ہوتے ہیں تو اپنی صحبت سے یہودی بنا لیتے ہیں اگر نصرانی ہوتے ہیں تو نصرانی بنا لیتے ہیں اگر مجوسی ہوتے ہیں تو مجوسی بنا لیتے ہیں"

اگر ماں باپ کی صحبت سے کسی بچے کو محفوظ رکھا جائے تو باقتضاء فطرۃ وہ عالم کے تمام آثار اور تصرفات کو دیکھ کر توحید کا قائل ہو جائے گا۔ حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

گر تو او را می نہ بینی در نظر
فہم کن اما باظہارِ اثر

مولانا فرماتے ہیں اگر خدا کو اپنی ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھتے ہو تو خدا کی مخلوقات میں غور کرو اثر کو دیکھ کر مؤثر کے وجود کا یقین کرو کیونکہ بغیر مؤثر کے کسی اثر کا وجود عقلاً محال ہے۔

دنیا میں اس کے تمام نظائر اور شواہد موجود ہیں کہ جب کوئی صانع کسی صنعت کو مرتب کرتا ہے تو اس ترتیب اور ترکیب سے پہلے اس کے ذہن میں اس مصنوع کا مقصد اور نصب العین متعین ہوتا ہے۔

مُوجد اور صانع حقیقی

مُرتّب کا لفظ میں نے اس لئے اختیار کیا ہے کہ اصل موجد در حقیقت تمام مصنوعات کا وہی صانع اور خلّاقِ عالم ہے جو ازلی

ابدی اور قدیم ہے۔ بندوں کے ہاتھوں سے وہ کام لیتے ہیں، بندے کسی شے کو عدم سے وجود میں نہیں لا سکتے ہیں البتہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں حسب ضرورت وقتاً فوقتاً ہر نئی چیز کے متعلق اس کی پوری صنعت گری مع اس کے اجزاء ترکیبیہ کے الہام فرماتے رہتے ہیں پھر حکم الٰہی اور ارادۂ الٰہی کا تابع ہو کر وہ بندہ اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کئے ہوئے ان اجزاء میں ترکیب اور ترتیب دیتا ہے اور حق تعالیٰ شانہٗ اپنے بندوں کے ہاتھوں سے اسی طرح نئی نئی مصنوعات ایجاد فرماتے رہتے ہیں، چنانچہ حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں :-

إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ (پ ۱۴ سورۂ نحل)	"حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اور واقعی تمہارا رب بڑی شفقت والا اور رحمت والا ہے (کہ تمہارے آرام کے لئے کیا کیا سامان پیدا کئے) گھوڑے اور خچر اور گدھے بھی پیدا کئے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور نیز زینت

کے لئے بھی اور وہ ایسی ایسی چیزیں (تمہارے فائدے کے لئے) بناتا ہے جن کی تمہیں خبر بھی نہیں۔" (بیان القرآن)

وَيَخْلُقُ مضارع ہے اور مضارع میں خاصیت تجدد و استمرار کی ہوتی ہے یعنی یہ فعل تخلیق برابر جاری رہے گا اور اس خاصیت تجدد و استمراری کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اور اللہ تعالیٰ ایسی ایسی چیزیں بناتا رہتا ہے جن کی تمہیں خبر بھی نہیں۔ پس اس آیت يَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ میں قیامت تک کی تمام نئی نئی ایجادات داخل ہیں۔ دہریوں کی عقل ماری گئی ہے جو سائنس کی نئی نئی تحقیقات سے متاثر ہو کر اپنے پیدا

کرنے والے ہی کو بھول گئے ۔

سائنس کی حقیقت

سائنس تو خود مخلوق ہے ۔ سائنس کی حقیقت کیا ہے ۔ سائنس میں اگر کچھ دم ہے تو ایک مکھی یا مچھر کا پَر بنا دے جس کا ظاہر اور باطن مکھی یا مچھر کے پَر سے سَرِمُو فرق نہ رکھتا ہو، یا کسی درخت کی ایک پتّی ہی بنا دے ۔ جس کے اندر بالکل اسی درخت کی پتّی کے خواص پیدا ہو جائیں ۔

سائنس کا کوئی دعویٰ ہو تو پیش کرو، سائنس کو تو بلاوجہ لوگ بدنام کرتے ہیں، سائنس بیچاری تو گونگی بہری اندھی ہے مگر اس کے وکلاء یعنی اہل سائنس اس کی طرف سے بول رہے ہیں، مدعی سست گواہ چست کا کامعاملہ ہے ۔ اچھا ہم سائنس کے وکلا ہی سے خطاب کرتے ہیں کہ یہی لوگ اس کی طرف سے مکھی کا ایک پَر بنالائیں، یا کسی درخت کی ایک پتّی بنا لائیں مگر ظاہری اور باطنی خواص میں سَرِمو فرق نہ ہو ۔

لوہا، تانبا، آگ، پانی، ہوا جن اجزاء سے سائنس والے کام لیتے ہیں کیا ان اجزاء کو سائنس دانوں نے پیدا کیا ہے ۔ اور جس عقل اور فہم سے اشیاء کے خواص کی تحقیقات کرتے ہیں وہ عقل اور فہم ان کی ذاتی ملکیت ہے یا وہ کسی کی عطا ہے ۔ یہ بڑی جہازوں کو جس کرۂ ہوا پر لے کر اڑتے ہیں اس کرۂ ہوا کو کس نے پیدا کیا ہے ۔ بحری جہازوں سے جس سمندر پر مسافت قطع کرتے ہیں وہ سمندر کس ذات پاک کا پیدا کیا ہوا ہے ۔ اگر نعوذ باللہ سائنس خالق ہے تو خالق کو اپنے مخلوق کے ظاہر اور باطن سے باخبر ہونا بھی ضروری ہے پھر کیا بات ہے کہ رات دن اشیاء کے خواص

کی تحقیقات میں مصروف ہیں، یہ نت نئی تحقیقات خود بے خبری کی دلیل ہے۔ پھر ان کی تحقیقات میں اکثر غلطیاں بھی ہوتی رہتی ہیں۔ آج سے چند دن پہلے جس تحقیق کا اعلان کرتے ہیں چند دن بعد اُسی تحقیق کے خلاف اعلان کرتے ہیں اور اوّل تحقیق سے رجوع کر کے اپنی جہالت کا اقرار کرتے ہیں اور خالق کی شان کیا ہوتی ہے ارشاد فرماتے ہیں :-

اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ (پ ۲۹ سورہ ملک)	"بھلا وہ ہی نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہو وہ باریک ہیں پورا باخبر ہے"

خالقِ حقیقی کے کلمات کبھی تبدیل نہیں ہوتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلاً	"اور آپ خدا کے دستور میں ردوبدل نہ پائیں گے"

یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ جب اہلِ سائنس اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں تو ان کے تمام وہ افکار اور ان کے وہ ہاتھ اور ان کی تمام ظاہری اور باطنی قوتیں بھی مخلوق ہیں جن کے ذریعے یہ نت نئی مصنوعات تیار کرتے رہتے ہیں، نیز جن اجزاء کی ترتیب اور ترکیب سے نئی نئی چیزیں بنتی ہیں یہ اجزا بھی مخلوق ہیں۔ اور اسی مجموعۂ مخلوقات کا نام سائنس رکھا ہے تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ چند عاجز اور محتاج مخلوقات کا مجموعہ سائنس کے نام سے خدا بن بیٹھے اور اس خدا کے ماننے والے بندے بھی نکل آئیں، یہ تو ایسا ہی ہوا کہ ایک اندھے نے خدائی کا دعویٰ کیا تو اس کے بھی ساٹھ عدد ماننے والے بندے نکل آئے کسی نے ایک دن پوچھا کہ اگر آپ خدا ہیں تو آپ کی آنکھیں کیوں درست نہیں ہیں تو اس اندھے نے جواب دیا کہ بندوں کی آزمائش کے لئے یہ آنکھیں عیب دار ہیں تاکہ بندوں کے اخلاص کا پتہ چل جائے کہ کون اس عیب کے باوجود مجھ پر ایمان لاتا ہے اور کون

اس عیب سے کفر اختیار کرتا ہے۔ سائنس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ چند اجزاء کی ترتیب اور ترکیب سے کوئی نئی صنعت بنالی جائے لیکن یہ اجزاء اور ان اجزاء میں خواص کہاں سے آئے ہیں۔ حضرت عارف رومی فرماتے ہیں ؎

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند
با من و تو مردہ با حق زندہ اند

مولانا فرماتے ہیں :۔ جن عناصر سے تم کام لیتے ہو یہ مٹی، ہوا، پانی، آگ، سب خداوند تعالیٰ کی مخلوقات ہیں اور ان کا تعلق اپنے خالق سے تعبدی ہے۔ یعنی شان غلامی کا ہے۔ ہماری نگاہ میں اگرچہ یہ بے جان اور بے حس نظر آتے ہیں لیکن حق تعالیٰ کے ساتھ ان کی اطاعت کا تعلق زندوں ہی جیسا ہے۔

گر تو خواہی آتش آب خوش شود
در نخواہی آب ہم آتش شود
گر تو خواہی عین غم شادی شود
عین بند پائے آزادی شود

(عارف رومی)

مولانا فرماتے ہیں : کہ اے اللہ آپ ایسے صاحب قدرت ہیں کہ اپنی قدرت قاہرہ سے اگر چاہیں تو آگ کو پانی کردیں اور اگر نہ چاہیں تو پانی آگ ہو جائے (جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے نمرود کی آگ کو آپ نے اپنے حکم قہری تکوینی سے گلزار فرمادیا اور فرعونیوں کے لئے دریائے نیل کو دریائے خون کردیا) چنانچہ دوستوں کے لئے دریائے نیل میں بارہ ۱۲ راستے خشکی کے پیدا فرمادیئے، بس حکم ہوگیا کہ اے پانی تو

پتھر ہو کر خشک راستہ بن جا ، بس بن گیا پھر جب فرعون مع اپنے لشکر کے ان راستوں میں داخل ہوا کہ پار ہو کر موسیٰ علیہ السلام اور ان کے متبعین کا تعاقب کروں تو حکم ہو گیا اے پتھر اب پھر پانی ہو جا۔ بس وہ سب غرقِ آب ہو گئے ۔ اسی کا نام قدرت قاہرہ ہے ۔ قہر کا ترجمہ حضرت والاؒ نے غلبۂ قدرت سے کیا ہے اور آپ کے اس نوع کے تصرّفات تو محسوسات خارجیہ میں ہوتے ہی رہتے ہیں اس کے علاوہ ہماری باطنی کیفیات مثل غم و خوشی وغیرہ جو محسوسات باطنیہ سے ہیں وہ ہر لحظہ آپ کے تصرّفات تکوینیہ کے تابع ہیں اگر آپ چاہیں تو اپنی قدرت کاملہ سے ہمارے عین غم کو خوشی سے تبدیل فرما دیں اور جس خلاف طبع امر کو ہم اپنے لئے اپنے پیر کی بیڑی سمجھتے ہیں وہی عین آزادی ہو جائے ۔

يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝	"اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ اور حکم کر دیتا ہے اس بات کا جس کا ارادہ کرتا ہے۔"

اللہ والے اسباب کے پردے میں مُسبِّب الاسباب کو پہچان لیتے ہیں ۔ کیونکہ ان کے پاس نورِ معرفت سے نورانی بصیرت ہوتی ہے۔ جس کو باطنی نگاہ کہتے ہیں ، اور دوسرے اہل بصارت تو ہوتے ہیں مگر بصیرت سے محروم ہوتے ہیں چنانچہ کافروں کے متعلق حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ	بات یہ ہے کہ ظاہری آنکھیں ، اندھی نہیں ہو جایا کرتیں ، بلکہ

اَلَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ۝	دل جو سینوں میں ہیں، وہ اندھے
(پ۱۷ سورۂ حج)	ہو جایا کرتے ہیں؟

بصیرۂ قلب کا ثبوت

دل کو اندھا فرمانا ثبوت ہے دل کی بینائی پر۔ کافروں کے دل اندھے ہوتے ہیں، مومنین کاملین کے دل بینا ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے صوفیہ عارفین کو:

"دُور بینانِ بارگاہِ الست" کہتے ہیں۔

جن کے پاس صرف ظاہری آنکھیں ہیں وہ اشیاء کے باطنی حقائق سے بے خبر ہیں۔

ظاہری حیات دنیا اور اس کی حقیقت

یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ	'حق تعالیٰ کافروں کے متعلق ارشاد
الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ	فرماتے ہیں، کہ یہ لوگ صرف دنیوی
عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝	زندگانی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور یہ
(پ۲۱ سورۂ روم)	لوگ آخرت سے غافل ہیں؟

دنیا فانی کے چند روزہ نقش و نگار پر ایسے فریفتہ ہوئے کہ موت اور بعد الموت کا کبھی خیال بھی نہیں گذرتا، دنیا کی حقیقت کو ہمارے خواجہ صاحب نے خوب بیان فرمایا ہے۔

ایک بار خواجہ صاحب کا اور ہمارا لکھنؤ میں ساتھ ہوا، شہر کے اندر وائسرائے کی آمد تھی، استقبال کے لئے راستے کاغذی پھولوں

سے خوب سجائے گئے تھے۔ خواجہ صاحب نے اس خوشنمائی اور سجاوٹ کو دیکھ کر مجھ سے فرمایا کہ دنیا کے اس عارضی اور فانی نقش و نگار پر اس وقت ایک شعر وارد ہوا ہے ؎

رنگ رلیوں پہ زمانے کی نہ جانا اے دل
یہ خزاں ہے جو باندازِ بہار آئی ہے

چشم ظاہر بیں اور عقل کا فرق ادراک

بعض وقت نجاستوں پر سبزہ لہلہاتا ہوا دیکھ کر چشم ظاہر بیں دھوکا کھا جاتی ہے۔ اسی طرح جب سیاہ نمدے پر کوئی چیونٹی دانۂ گندم لئے ہوئے چلتی ہے تو ظاہر بیں اس دانے کو متحرک سمجھ کر اصل محرّک سے بے خبر ہوتا ہے۔ اور عاقل آدمی ظاہری آنکھ کے فیصلے پر اپنی عقل سے تبصرہ کرتا ہے اور دانے کے چیونٹی کے مُنہ میں ہونے اور دانے کی حرکت سے چیونٹی کی حرکت کا علم حاصل کر لیتا ہے اسی طرح انسان کو انسان کی رُوح اِدھر سے اُدھر لئے ہوئے چلتی پھرتی ہے اور رُوح جسم سے کس قدر قریب ہے لیکن جسم کی حرکت تو ظاہر ہے اور رُوح باوجود اس درجہ قرب کے ظاہری آنکھوں سے مخفی ہے اسی کو حضرت عارف رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

تن بجاں جنبد نمی بینی تو جاں
لیک از جنبیدن تن جاں بداں

مولانا فرماتے ہیں کہ جسم کی حرکت رُوح کے سبب سے ہے اور رُوح کو تم دیکھتے نہیں ہو لیکن جسم کی حرکت سے جان کے وجود کو پہچان لیا کرو۔

چہرہ آنکھوں سے کس قدر قریب ہے لیکن انسان اپنا چہرہ دیکھنے کے لئے آئینہ کا محتاج ہے۔ اسی کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :۔

اَلْمُسْلِمُ مِرْاٰۃُ الْمُسْلِمِ | "ایک مسلمان کامل دوسرے مسلم ناقص کے امراض اور عیوب کا آئینہ ہے"

* * * * * * * * * *

یہی مسلم کامل اس کا مصلح ہے، اپنا عیب مسلم ناقص کو خود نظر نہیں آسکتا ہے اسی سبب سے ضرورت ہے آئینہ کی یعنی مصلح کامل سے تعلق کی اور اس کی صحبت کے بدون اپنے امراض کا پتہ نہیں چلتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ رُوح کے علاوہ اور بھی ایسے نظائر موجود ہیں جن کے وجود کو بدوں دیکھے ہوئے محض ان کے آثار و نشانات سے تسلیم کرتے ہو اور بے چون وچرا تسلیم کرتے ہو۔

ایمان بالغیب کے نظائر اور نمونے،

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ایمان بالغیب کے لئے دنیا میں بہت سے نمونے پیدا فرما دیئے ہیں۔ تاکہ اہلِ عقل اور اہل نظر اُن سے عبرت حاصل کریں۔ ان نظائر کو مولانا بیان فرماتے ہیں ؎

خاک را بینی بہ بالا اے علیل
باد را نے جزبہ تعریف و دلیل
تیر پیدا بین و ناپیدا کمان
جانہا پیدا و پنہاں جانِ جان
دست پنہان و قلم بیں خط گذار
اسپ در جولان و ناپیدا سوار

یعنی تم خاک کو ہوا میں اڑتی ہوئی دیکھتے ہو لیکن جو ہوا اس خاک کو فضا میں اڑانے والی ہے اور خاک کو اس کے طبعی مرکز سے جدا کرنے والی ہے اس کو بدوں دیکھے ہوئے اس کے وجود پر عقلی دلیل سے یقین کرتے ہو وہ عقلی دلیل کیا ہے ؎

پس یقین در عقل ہر دانندہ است

ایں کہ باجنبیدہ جنباننده است

وہ عقلی دلیل یہ ہے کہ ہر عاقل یقیناً اس بات کا جاننے والا ہے کہ ہر حرکت کرنے والی چیز کا کوئی محرّک در پردہ ضرور ہے جو اس کو حرکت میں لاتا ہے۔ پس خاک کے کرّہ کا ارض سے جدا ہو کر فضاء میں حرکت کرنا یقیناً اس امر پر دلیل ہے کہ در پردہ کوئی اس متحرک[1] کا محرّک[2] ہے جس کو ہم بدوں دیکھے ہوئے ہوا کہتے ہیں۔

پھر مولانا تیسری نظیر بیان فرماتے ہیں کہ جس طرح جسم کی حرکت روح کے سبب سے اور خاک کی حرکت ہوا کے سبب سے بیان کی گئی اور ان دونوں نظیروں میں تم حرکتِ جسم اور حرکتِ گرد و غبار سے وجودِ روح اور وجودِ ہوا پر بدون دیکھے ہوئے یقین لاتے ہو۔ اب بالغیب کی تیسری نظیر سنو تم اپنی آنکھوں سے تیر اڑتا ہوا دیکھتے ہو اور کمان نظر سے غائب ہے لیکن تیر کا پرّاں ہونا کمان کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے کہ:

"تیر پرّاں از کہ گردد از کماں"

---

[1] حرکت کرنے والی شے [2] حرکت میں لانے والی شے

تیر تو کمان ہی کے ذریعہ چلایا جاتا ہے۔ اسی طرح ہماری ارواح کا وجود ظاہر رُوح الارواح کے وجود مخفی پر دلالت کرتا ہے۔ اب چوتھی نظیر ایمان بالغیب کی مولانا بیان فرماتے ہیں کہ ہاتھ پوشیدہ ہوتا ہے اور قلم کی حرکت سامنے ہوتی ہے۔ مگر عاقل جانتا ہے کہ قلم اگر کسی زندہ کے ہاتھ میں نہ ہو تو حرکت سے مجبور ہے۔ پس قلم کی حرکت سے ہاتھ کا وجود بدون دیکھے تسلیم کرلیتا ہے۔ اسی طرح مولانا پانچویں نظیر بیان فرماتے ہیں کہ میدان میں جب گھوڑا تیز دواں ہوتا ہے تو تیز رفتاری کے سبب گرد و غبار میں سوار مخفی ہو جاتا ہے۔ لیکن گھوڑا دوڑتا ہوا دیکھ کر بدون دیکھے یقین کرلیتے ہیں کہ اس گھوڑے پر کوئی سوار ضرور ہے۔ چھٹی نظیر یہ ہے کہ تم پھول کی خوشبو سونگھ کر بدون دیکھے ہوئے پھول کے وجود پر اس کی خوشبو سے دلیل قائم کرتے ہو۔ ساتویں نظیر یہ ہے کہ شراب کے جوش اور اس کے نشے سے شراب کو بدون دیکھے ہوئے مان لیتے ہو۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں ؎

بوئے گل دیدی کہ آنجا گل نبود
جوش مُل دیدی کہ آنجا مُل نبود

فرماتے ہیں کہ اے مخاطب کیا تو نے پھول کی خوشبو ایسی جگہ محسوس کی جہاں پھول موجود نہ ہو یا شراب کا جوش ایسی جگہ دیکھا جہاں شراب موجود نہ ہو۔ پھر مولانا بطور نصیحت کے بیان فرماتے ہیں ؎

صورتِ دیوار و سقف ہر مکان
سایۂ اندیشۂ معمار دان

یعنی ہر دیوار کی صورت اور مکان کی چھت دیکھ کر اس کو اس کے

معمار کی فکر کا نتیجہ سمجھنا چاہئے، یعنی اولاً معمار مکان کا ایک نقشہ اپنے ذہن میں متعیّن کرلیتا ہے جو نظر سے غائب ہے پھر اسی نقشۂ ذہنیہ کے مطابق مکان کی تعمیر وجود خارجی میں آتی ہے از راہ ظاہری تعمیر سے معمار کی استعداد باطنی اور تشکیل ذہنی پر استدلال کرتے ہیں۔ اسی طرح دنیا میں اور بھی نظائر و مثالیں موجود ہیں کہ سبب نظر سے مخفی ہوتا ہے اور مسبّب کو دیکھ کر اس کے مخفی سبب کا یقین کرتے ہیں۔ مثلاً گریہ و زاری یا چہرہ کی افسردگی کسی مخفی خیالِ غم کے تابع ہوتی ہے اور چہرے کی بشاشت و تازگی کسی باطنی مسرّت کی مخبری کرتی ہے۔ اسی طرح یہ غذائیں جو باعتبار وجود کے ظاہر ہیں۔ انسان کے اندر بینائی شنوائی وغیرہ پیدا کرتی ہیں جن کو ہم دیکھنے سے قاصر ہیں۔ اس قدر نظائر کے بعد اب سمجھنا چاہئے کہ دنیا میں بہت سے مغیبات یعنی مخفی موجودات کو ہم بدون دیکھے ہوئے محض ان کے آثار اور ان کی نشانیوں سے تسلیم کرتے ہیں۔ یہ سب ایمان بالغیب کے نمونے ہیں۔ پس وہ ذات پاک کہ جس کے وجود پاک پر تمام عالم کا ہر ایک ذرّہ ایک ایک پتّہ نشان دہی کرتا ہو جس کی نشانیوں کو ہم شمار تک نہیں کرسکتے ہیں ایسی ذات پاک پر ایمان نہ لانا ان بے شمار نشانیوں کے ہوتے ہوئے سخت نادانی اور کھلی گمراہی ہے۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے کافروں کو اکثر جگہ لَا یَعْقِلُوْنَ فرمایا ہے اور فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ فرمایا ہے۔

مولانا فرماتے ہیں ؎

گر تو ادراکی نہ بینی در نظر
فہم کن اما باظہار اثر

اگر تم ان ظاہری آنکھوں سے اللہ کو نہیں دیکھتے ہو تو اللہ کو اللہ کی ان تمام نشانیوں سے پہچان لو جو تمام زمین اور آسمان میں پھیلی پڑی ہیں۔ آفتاب کے لئے کیا دلیل ہے۔

خود نباشد آفتابے را دلیل
جز کہ نورِ آفتاب مستطیل

آفتاب نکلا ہوا ہو اور کوئی نادان دلیل طلب کرے تو بجز اس کے کوئی دلیل نہ ہوگی کہ اس کا کان پکڑ کر دکھا دیا جاوے کہ تمام عالم کو کس نے روشن کر رکھا ہے۔

اِمتناعِ رؤیت فی الدنیا پر ممکنات سے استدلال

جب ممکنات میں ایسی مثالیں موجود ہیں جن کو ہم دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں مثلاً رُوح اور ہوا اور خوشبو وغیرہ وغیرہ اور ان ادنیٰ مخلوقات پر ایمان بالغیب میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ پھر اللہ جو ان تمام مخلوقات کا خالق ہے اس کی ذات پاک پر ایمان بالغیب کے لئے عقل کہاں چلی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان بالغیب کے اتنے نمونے پیدا فرما کر بندوں پر حجّت قائم فرما دی ہے رُوح کی لطافت کے سبب جب ہم رُوح کو دیکھنے سے عاجز ہیں تو جو ذات رُوح کی خالق ہے اس کو ہم اس عالمِ ناسوت میں کیسے دیکھ سکتے ہیں کیا اللہ کی لطائف نعوذ باللہ رُوح جیسی مخلوق شے سے بھی کم ہے۔ نیز اسی طرح ہم سورج کو بھی نصف النہار کے وقت دیکھنے کی قدرت اپنی آنکھوں میں نہیں پاتے ہیں۔ حالانکہ سورج ایک ادنیٰ مخلوق ہے۔

پھر حق تعالیٰ کی ذات پاک جو نور السّمٰوٰت والارض ہے اس کو ہم اس عالم میں کیونکر دیکھ سکتے ہیں۔ آخر حضرت موسیٰ علیہ السّلام تجلّی طور سے بے ہوش ہوکر گر پڑے اور طور ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔

وقوعِ رؤیت باری تعالیٰ فی الآخرہ

البتہ اس عالم فانی میں ہماری آنکھیں ایمان بالغیب اور اعمال صالحہ کے انوار سے بنائی جارہی ہیں اور یہ آنکھیں آخرت میں کھول دی جائیں گی۔ ان کے اندر وہاں مشاہدۂ تجلیات الٰہیہ کی صلاحیت پیدا فرمادیں گے۔

حکمت امتناع رؤیت فی الدنیا

اور اس عالم میں اپنے کو حق تعالیٰ دکھادیں تو سارا عالم فنا ہو جاوے ان مادیات میں ان کی تجلیات کا تحمّل نہیں ہے۔ ملائکہ حق تعالیٰ کی مخلوق ہیں لیکن حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر فرشتہ نبی بناکر بھیج دیا جاتا تو تمہارا کام ہی تمام ہو جاتا "لقضی الامر" دیکھتے ہی رُوح فنا ہو جاتی تو جس ذات پاک کی مخلوقات میں یہ کرشمہ ہو تو:

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند
صاف گر باشد ندانم چوں کند

اسی کو حضرت عارف فرماتے ہیں ؎

زانکہ نامحدود ناید در حدود
بحر مطلق چوں در آید در قیود

مولانا فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی ذات پاک غیر محدود ہے اور یہ عالم ناسوت اور اس کی تمام مخلوقات ممکنہ سب محدود ہیں پس حق تعالیٰ شانہٗ حدود میں نہیں آسکتے ہیں۔ بحر ناپیدا کنار ظرف محدود میں مقید نہیں ہو سکتا ہے۔

تفکّر فی اللہ سے ممانعت کی اور تفکّر فی المخلوقات کا حکم

اسی سبب سے سیّدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک میں غور و فکر سے منع فرمایا ہے (کیونکہ عقل محدود میں غیر محدود ذات کا ادراک ناممکن اور محال ہے) اور فرمایا کہ: تَفَکَّرُوا فِیْ آلَاءِ اللّٰہِ ۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں فکر کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کے لئے تمام نشانیاں زمین میں موجود ہیں۔ انہیں نشانیوں سے اللہ تعالیٰ کو پہچاننا چاہئے۔

کسی بدوی سے کسی نے دریافت کیا کہ تو خدا کو کیسے پہچانتا ہے۔ اس دیہاتی عرب نے جواب دیا کہ:

البعرۃ تدل علی البعیر و اٰثار الاقدام علی المسیر فسماءٌ ذات ابراج و ارضٌ ذات فجاج کیف لا تدل علی اللطیف الخبیر۔

جس طرح اونٹ کی مینگنیاں گواہی دیتی ہیں کہ اس راہ سے اونٹ گذرا ہے اور قدموں کے نشانات چلے ہوئے راستوں کا پتہ بتاتے ہیں پس آسمان برجوں والا اور زمین کشادہ راستوں والی اس

ذات پاک لطیف وخبیر کے وجود پاک پر کیونکر دلالت نہ کریں گے۔
کسی نے خوب کہا ہے :

کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی
ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

ایک بدوی کا اور قصہ یاد پڑا :
جس وقت اس بدوی نے یہ آیت سُنی :۔

فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنْطِقُونَ ۝	تو قسم ہے آسمان اور زمین کے پروردگار کی کہ وہ روز جزاء برحق ہے اور ایسا یقینی ہے جیسا تم باتیں کر رہے ہو اور کبھی اس میں شک نہیں ہوتا اسی طرح اس کو یقینی سمجھو۔ (بیان القرآن پ ۲۶ ذاریات)
(سورۂ ذاریات)	

پس اس آیت کو سنتے ہی اس بدوی نے چیخ ماری اور غلبۂ حال میں کہا وہ کون ظالم تھا جس نے میرے ربّ سے ایسی قسم کھلائی۔

سورۂ فاتحہ سے استدلال وحدانیت

سورۂ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اپنی وحدانیت اور الوہیت کو بیان فرمانے کے بعد اس دعوٰی کی دلیل میں ربّ العالمین فرمایا ہے ۔ الحمدللہ میں اگرچہ خود اجمالی دلیل بھی موجود ہے کیونکہ اللہ کہتے ہی ہیں ایسی ذات پاک کو جو جامع ہو تمام صفات کمالیہ کو۔ لیکن چونکہ بندوں میں مختلف درجات عقل کے افراد ہوتے ہیں اس لئے اجمالی دلیل کے باوجود ایک تفصیلی دلیل بھی بیان فرمائی جو بندوں

کے ہر وقت مشاہدات میں ہے اور کوئی سلیم العقل اور سلیم الفطرۃ انسان کھلی آنکھوں مشاہدات کا انکار نہیں کر سکتا ہے وہ دلیل رب العالمین ہے۔

معرفتِ الٰہیہ کا ربوبیّتِ الٰہیہ سے تعلق

ربّ العالمین میں حق تعالیٰ نے اپنی پہچان کی اتنی نشانیاں رکھ دی ہیں۔ جس کا احاطہ انسان کے علمی احاطے سے باہر ہے۔ کیونکہ تمام عالم کے ہر ایک ذرّے میں ایک ایک پتّی اور اس کے باریک سے باریک رگ و ریشے میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیّت الٰہیہ کارفرما ہے۔ کائنات عالم کا ہر ذرّہ ربوبیّت الٰہیہ کا مرہون ہے زمین اور آسمان میں ربوبیّت الٰہیہ کے کارخانے پھیلے ہوئے ہیں ؎

وفی کل شیٔ لہ ایۃ تدل علی انہ واحد

(ترجمہ) ہر شے میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی نشانی موجود ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے)

تربیت کی تعریف

رَبٌّ مصدر ہے جو معنیٰ میں اسم فاعل کے ہے یعنی تربیت کرنے والا۔ تربیت کہتے ہیں کسی چیز کو اس کے درجۂ نقصان سے تدریجاً اس کے درجۂ کمال پر پہنچا دینا۔ مثلاً ایک قطرۂ منی میں تدریجاً تربیت کر کے اس کو انسانی قد و قامت کے درجۂ کمال تک پہنچا دینا۔ یا بقدرِ ذرّہ بیج میں تربیت کر کے تدریجاً اس کو اس کے پورے درخت کی

قد و قامت پر پہنچا دینا۔ عالم کے ہر ذرّے کا کسی ذرّے سے اتصال یا انفصال حق تعالیٰ ہی کی تربیت کے تحت ہوتا ہے۔

عالم کی تعریف

عَالَم عَلَم سے مشتق ہے، عَلَم کے معنیٰ نشان کے ہیں چونکہ ہر ذرّہ عالم کا اپنے پروردگار کے وجود کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس لئے ہر ما سوا اللہ کو عَالَم کہتے ہیں۔ اور ربّ العالمین میں عالمین کا لفظ عالم کی جمع ہے۔ مخلوقات کی الگ الگ جنس ایک ایک عالم کہلاتی ہے۔ مثلاً عَالَم ملائکہ، عالم انسان، عالم جن وغیرہ۔

ماں باپ کی تربیت کا ربوبیّت الٰہیّہ سے تعلق:

ماں باپ کی تربیت جو اولاد سے متعلق ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی تربیت کا پَرتو ہے۔ ماں باپ اولاد کے ساتھ شفقت اور محبت کو کہاں سے لائے ہیں۔

حضرت عارف رُومی فرماتے ہیں ؎

مادراں را مہر من آموختم
چوں بود شمعے کہ من افروختم

حق تعالیٰ کی طرف سے مولانا فرماتے ہیں کہ ماں کو اولاد کے ساتھ محبت کرنا میں نے ہی سکھایا ہے کیسی شمع ہوگی جس کو میں نے روشن کیا ہو۔

ماں باپ جب مخلوق ہیں تو ان کی تمام کیفیات محبت و شفقت

وغیرہ بھی مخلوق ہیں جو خالق حقیقی کی عطا سے ملی ہیں حق تعالیٰ جب چاہتے ہیں تو غیر جنس سے اولاد جیسی محبت عطا فرما دیتے ہیں چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم مبارک سے جب کیڑے نکلنا چاہتے تو آپ محبت کی وجہ سے ان کو نہ نکلنے دیتے اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

دادہ من ایوب را مہر پدر
بہر مہمانی کرماں بے ضرر

میں نے ایوب علیہ السلام کو باپ کی سی محبت دی تھی۔ کیڑوں کی مہمانی کے لئے بدون ضرر پہنچانے کے۔

اولاد کی پرورش کی خدمت والدین کے سپرد فرما کر ان کے حقوق بھی مقرر فرما دیئے۔ کیونکہ انکے ہاتھوں سے کام لیا گیا ہے۔ ماں کے شکم میں ایسی مہربانی کے ساتھ پرورش فرمائی ہے کہ ماں کو خواہ تکلیف ہو جاوے لیکن ہم کو تکلیف نہیں ہونے دی، فرماتے ہیں حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ماں نو مہینے تک بچہ کا بوجھ اٹھاتی پھرتی ہے اس میں کیسی کیسی تکلیفیں جھیلتی ہے پھر وضع حمل کے وقت کیسی تکلیف اٹھاتی ہے اور اس کی تکلیف کو بھی لذیذ فرما دیا اس امید سے کہ میرا بچہ ہے کس کا بوجھ اٹھاتی ہوں اپنے بچہ کا، وضع حمل کی تکلیف کو یہ امید آسان کر دیتی ہے کہ ابھی تھوڑی دیر میں میرا بچہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک بن کر میری آنکھوں کے سامنے آجاوے گا۔ اور بچے کو اپنی ماں کے ساتھ تعلق ہوتا ہے، ماں کالی کلوٹی اور کیسے ہی گندے لباس میں ہو، لیکن بچے

کو اپنی وہی پھوہڑ ہی ماں پیاری ہوتی ہے دوسری عورت جو ماں سے بہت خوبصورت ہو اور عمدہ لباس میں ہو اگر بچے کو گود میں لینا چاہے تو بچہ منہ پھیر لیتا ہے، اپنی اُسی میلی کچیلی ماں سے اس کو سکون ملتا ہے۔ اسی طرح بچہ کیسا ہی ہو، کانا ہو، لنگڑا ہو، بہرا ہو، ہزار عیب ہوں، لیکن ماں کے دل سے اس بچے کی محبت پوچھو کوئی اگر درخواست بھی کرے کہ میرے صحیح سالم تندرست بچے سے بچہ کو بدل لے تو ماں ہرگز راضی نہ ہوگی۔ یہ سب عبرت کی باتیں ہیں۔

تصرّفات بالوسائط کی حکمت

اسباب کے پردے ڈال دیتے ہیں تاکہ بندوں کے لئے یہ عالم امتحان کا عالم رہے۔ اگر اسباب ہٹا دئے جائیں اور حق تعالیٰ کی طرف سے براہ راست تصرفات مشاہد ہو جائیں۔ تو پھر ایمان بالغیب کہاں رہا۔ اور حق تعالیٰ اپنے بندوں سے ایمان بالغیب چاہتے ہیں ؎

یومنون بالغیب می باید مرا
تا بہ بستم روزن فانی سرا

مولانا رومیؒ حق تعالیٰ کی طرف سے حکایت فرماتے ہیں کہ اے بندگان جن اور انس میں تم سے ایمان بالغیب چاہتا ہوں اس لئے اس عالم فانی میں کوئی روزن میں نے نہیں رکھا جس سے مجھے دیکھ سکو۔

مگر ان اسباب کے پردے میں میری ربوبیت کارفرما ہے۔ یعنی یہ اسباب میری مشیت اور حکم کے تابع ہیں۔ جب میں چاہتا ہوں ان اسباب سے کام لے لیتا ہوں یعنی ان میں اثر پیدا کر دیتا

ہوں اور جب چاہتا ہوں ان اسباب کو بے اثر کر دیتا ہوں یہی وجہ ہے کہ کبھی اسباب کے باوجود تم نامراد اور مقصود سے محروم رہتے ہو۔

تخلف فی الاسباب کی حکمت

اس تخلف اسباب کی صدہا نظیریں ہر وقت تمہارے مشاہدات میں ہیں۔ مثلاً ایک آدمی اولاد کے لئے شادی کرتا ہے۔ شوہر اور بیوی کے تعلقات کے باوجود اولاد سے محروم رہتا ہے۔ اسی طرح دو شخص سامان تجارت لے کر دوکان کھولتے ہیں۔ ایک اسی سرمائے سے ترقی کرتے کرتے مالداروں میں شمار ہونے لگا ہے۔ دوسرا اصل سرمایہ بھی کھا پی کر تہیدست پھرتا ہے۔

دو آدمیوں نے ایک ہی قسم کی کھیتی کی اور تمام اسباب زراعت کا کاوش کے ساتھ پورا پورا انتظام کیا لیکن ایک شخص غلے سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ اور دوسرا باوجود اسباب کے محروم رہ جاتا ہے۔ اسی طرح گاہ گاہ حق تعالیٰ ان اسباب عادیہ کے خلاف، اپنی قدرت کا ظہور فرما دیتے ہیں تاکہ اسباب سے تکیہ اور اعتماد اٹھ جائے۔ اسباب اور تدابیر کو میں بھیک کے پیالے سے تشبیہ دیا کرتا ہوں۔ اور وہ پیالہ بھی ٹوٹا ہوا، ان کا حکم سمجھ کر تدابیر اختیار کرتے ہیں، بھیک ملے گی کس میں۔ عادۃ اللہ یہی ہے۔ کہ بندے جب اپنی طرف سے تدبیر اختیار کرتے ہیں، حق تعالیٰ شانہٗ اُن تدابیر کو مقصود تک پہنچا دیتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

کہ اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ جو متقین بندے ہیں ان کو بدون تدابیر کے ایسی جگہ سے روزی عطا فرما دیتے ہیں۔ جہاں اُن کا گمان بھی نہیں ہوتا ہے۔

ارشاد فرماتے ہیں :۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ط وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ط اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۝ (پ۲۸۔ سورۂ طلاق)

"اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے۔ اللہ اس کے لئے نجات کی شکل نکال دیتا ہے۔ اور اس کو ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ اس کے لئے کافی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے"

* * * * * * * * * * *

ایک حکایت

تفسیر کبیر میں امام رازیؒ نے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا کی تفسیر میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بار حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے قلب میں یہ خیال گزرا کہ تمام روئے زمین کے جانداروں کو حق تعالیٰ شانہٗ کس طرح روزی پہنچاتے ہوں گے۔ یہ خیال گزرنا تھا کہ وحی نازل ہوئی اور حکم ہوا کہ اس پتھر کو توڑو، جب ایک پرت توڑ چکے تو حکم ہوا پھر توڑو اسی طرح پتھر کے متعدد پرت توڑنے کے بعد دیکھتے ہیں کہ ایک کیڑا ہے جس کے مُنہ میں دوسرا کیڑا اس کی خوراک بنا ہوا ہے وہ ربّ العالمین

ہیں سارے عالم کے پروردگار ہیں۔ ماں باپ کی آغوشِ تربیت میں دینے سے پہلے نو مہینے تک اپنی خاص تربیت میں رکھا تھا نو ماہ تک ماں کو بھی خبر نہیں تھی کہ میرے اندر کیا ہو رہا ہے اس قطرۂ مَنی میں کیا کیا عجیب تصرفاتِ الٰہیہ ہو رہے ہیں، آنکھیں کب بن رہی ہیں اور اس میں بینائی کا خزانہ کب رکھا جا رہا ہے، کان کس وقت بنے اور اس میں شنوائی کا خزانہ کس وقت رکھا گیا۔ ہڈیاں کب بنیں اور کب ان پر گوشت چڑھایا گیا۔ ماں کو جس کے اندر یہ سب کرشمے ہو رہے ہیں کچھ علم نہیں ہے، کہ اس بچے کی کس طرح تربیت حق تعالیٰ فرما رہے ہیں۔ اور نہ ماں باپ کو یہ خبر ہے کہ شکم میں بچہ ہے یا بچی ہے یہ حجت قائم فرما دی کہ دیکھ لو۔

تربیت بدونِ واسطہ

بدون واسطۂ اسباب تم اتنے دن تک میری تربیت میں رہے ہو اور یہ تمام اعضاء اور ان کے اندر ظاہری و باطنی قوتیں یعنی یہ جسد مع رُوح کے تم عطاءِ حق سے لے کر تب ماں باپ کی گود میں سپرد کئے گئے ہو۔ اب اسباب کے حجاب ہونے کا عذر نہیں کر سکتے ہو بلکہ یہ اسباب بھی ہماری طرف سے عطا یا ہیں اور کبھی ہم بدون ان اسباب کے بعض بندوں کی تربیت کرتے ہیں تاکہ بے حجاب میرے الطاف و اکرام کو دیکھ لیں۔

نمرود کی تربیت کا واقعہ

مثنوی شریف میں ایک حکایت حق تعالیٰ شانہٗ کے تصرفات

عجیبہ سے متعلق لکھی ہے کہ ایک بار حق سبحانہٗ تعالیٰ نے حضرت عزرائیل علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ کس شخص کی رُوح قبض کرنے میں تمہارا دل زیادہ مغموم ہوا۔ عرض کیا کہ ایک بار ایک کشتی تیز رو دریا میں چل رہی تھی کہ آپ کا حکم ہوا کہ اس کشتی کو توڑ دو، میں نے حکم کے مطابق توڑ دی یہاں تک کہ کشتی ریزہ ریزہ ہوگئی۔ پھر حکم ہوا کہ سب کی جان قبض کرلے بجز ایک عورت اور اس کے بچے کے پھر حکم کے مطابق میں نے سب کی جان قبض کرلی بجز ایک عورت اور اس کے بچے کے پھر یہ دونوں ایک تختے پر رہ گئے اور ہوا نے اس تختے کو جب دریا کے کنارے ڈال دیا تو میں بہت خوش ہوا کہ اب ان دونوں کی خلاصی ہوگئی۔ پھر آپ نے حکم فرمایا کہ ماں کی جان قبض کرلے اور بچّے کو تنہا چھوڑ دے اس حکم کے مطابق جس وقت میں نے بچے کو ماں سے جُدا کیا ہے خود آپ جانتے ہیں کہ مجھ کو کس قدر صدمہ ہوا۔ اس بچّے کا غم اب تک میرے خیال میں قائم ہے حق تعالیٰ نے حضرت عزرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ اب تم اس بچّہ کا حال سنو کہ میں نے کس طرح اس کی تربیت فرمائی۔ میں نے موج کو حکم دیا کہ اس بچّے کو ایک ایسے جنگل میں ڈال دے جو نہایت سرسبز و شاداب ہو اور اس میں میوے دار درخت اور آبِ شیریں کے چشمے ہوں میں نے اس بچّے کے لئے ہوا کو حکم دیا کہ اس پر آہستہ چل اور خورشید کو حکم دیا کہ اس پر سے مت گزر۔ ابر کو حکم دیا کہ اس پر بارش مت برسا۔ برق کو حکم دیا کہ اس کی طرف میل مت کرنا۔ موسم خزاں کو حکم دیا کہ اس چمن سے اعتدال مت سلب کرنا۔ ایک چیتے نے نیا

بچہ جنا تھا میں نے اس کو حکم دیا کہ اس بچے کو دودھ پلا دیا کر میرے حکم سے اس نے اس بچے کو دودھ پلایا یہاں تک کہ یہ بچہ بالغ ہو گیا اور خوب فربہ اور شیر مرد ہو گیا۔ پھر جب اس کے دودھ چھڑانے کا وقت ہوا تو میں نے جنات کو حکم دیا کہ اس بچے کو بولنا اور حکومت کرنا سکھاؤ۔ غرض اس بچے کی میں نے صدہا عنایت اور صدہا کرم کے ساتھ پرورش کی تاکہ وہ میرا لطف بے واسطہ دیکھے اور اس کی ہر استعانت میری طرف سے ہو اور اسباب سے اس کی نظر اٹھ جاوے اور یہ میرے الطاف و کرم اس پر حجت بن جائیں اور گمراہ ہونے میں آئندہ کوئی عذر نہ کر سکے کہ میں اسباب پر نظر کرنے کے سبب آپ کے انعامات و آیات کی طرف متوجہ نہ ہو سکا، اور کسی بُرے ساتھی سے اس کو شکایت نہ ہو کہ فلاں یار بد نے مجھے گمراہ کر دیا۔ کیونکہ بلا اسباب عادیہ میری طرف سے براہِ راست اس پر صدہا الطاف و عنایات ہوئے ہیں۔ اب کسی عذر کی گنجائش نہ رہی۔ کیونکہ اس نے اپنی بیتی ہوئی پرورش دیکھی ہے کہ میں نے بلا واسطہ اس کی صدہا ناز و نعمت سے تربیت کی ہے۔ مگر اے عزرائیل اب ہماری ان صدہا نعمتوں کا اس بچے نے کیا شکر ادا نہ کیا یہ بھی سُن لو وہی بچہ آئندہ نمرود ہو گیا اور میرے خلیل (ابراہیم علیہ السلام) کو آگ میں ڈالنے والا ہو گیا۔

مولانا رومؒ کو حق تعالیٰ نے معرفت کا بڑا حصہ عطا فرمایا تھا، اس قصے کے بعد حق تعالیٰ کی طرف سے فرماتے ہیں کہ اگر دوسروں کے لئے ماں باپ حجاب ہو گئے ہوں تو اس نے تو ہم سے براہ راست میری عطایا اور

میری ربوبیت کا مشاہدہ کیا تھا۔ واقعی نفسِ بد بڑا ناشکرا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ غریب اور فاقہ زدہ انسان کبھی خداوندیت کا دعویٰ نہیں کرتا ہے کیونکہ اس کے تکبّر کا مادۂ خبیثہ افلاس کی تکلیف سے دبا رہتا ہے۔

افلاس کی حکمت

روٹی کا غم خدائی کے دعویٰ سے باز رکھتا ہے۔ ہمیشہ پُرشکم اور صاحب اسباب جاہ و مال ہی پر شیطان کا تصرّف زیادہ ہوا کرتا ہے اس لئے فرماتے ہیں۔ کہ ؎

آدمی خود مبتلا بہتر بود
زانکہ زار و عاجز و مضطر بود

پس آدمی بلائے فقر وغیرہ میں مبتلا اچھا رہتا ہے کیونکہ وہ اس حالت میں زار و عاجز اور مضطر رہتا ہے اور عجز و زاری کے ہوتے ہوئے مفاسد لازمہ و متعدیہ سب کم ہوتے ہیں، بخلاف اسباب طغیانی اور سرکشی کے کہ جب انسان کو مل جاتے ہیں تو نفس کا خُبث پوری طرح ظاہر ہو جاتا ہے۔

نفس کی نگرانی

اسی لئے مولانا فرماتے ہیں کہ انسان کا نفس اگر تربیت یافتہ بھی ہو جائے تب بھی اس کے شر سے غافل نہ ہو ؎

گر معلم گشت ایں سگ ہم سگ است ❊ باش ذلّت نفسہ کو بدرگ است

فرماتے ہیں کہ یہ سگ یعنی نفس اگر تعلیم یافتہ بھی ہو جاوے تب بھی یہ سگ ہی ہے۔ پس اس شخص کی طرح نفس کو رکھو جس کا نفس ذلیل ہے۔ کیونکہ نفس بدرگ ہے۔

زیں سبب می گویم اے بندہ فقیر
سلسلہ از گردن سگ وا مگیر

فرماتے ہیں کہ میں اسی سبب سے کہتا ہوں اے بندہ فقیر۔ زنجیر کتے سے یعنی نفس کی گردن سے مت نکال۔ یعنی ہمیشہ نفس کی نگہداشت رکھنا چاہئے۔ ہمارے خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ نے اسی مضمون کو اس شعر میں فرمایا ہے ؎

نفس کا اژدھا دلا دیکھ ابھی مرا نہیں
غافل اِدھر ہوا نہیں اس نے اُدھر ڈسا نہیں

صفتِ ربوبیت الٰہیہ کا تمام اسماءِ حسنیٰ سے ربط

رب العالمین حق تعالیٰ کی ایسی صفت ہے جو تمام صفات کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ ربوبیت میں تمام اسمائے حسنیٰ کی توجہ شامل رہتی ہے۔ مثلاً ہر جاندار کو رزق پہنچانے میں صفت رزاقیت کا ظہور ہے اور تمام زندوں کی حیات میں صفت حیّ کا ظہور ہے اور تمام مخلوقات کی حفاظت میں صفت حفیظ کا ظہور ہے۔ اپنے بندوں کے عیوب پر پردہ ڈالنے میں حق تعالیٰ کی صفت ستاریت کا ظہور ہے۔ مجرمین اور سرکش قوم پر عذاب نازل فرمانے میں صفت ذوالانتقام اور قہاریت کا ظہور ہے۔

اور باوجود قدرت کاملہ اور قدرت قاہرہ کے بندوں کی نافرمانیوں پر عذاب میں تاخیر کرنے میں حق تعالیٰ کی صفتِ حلم کا ظہور ہے۔ نیز کافروں کے کفر اور ان کی سرکشی کے باوجود ان پر رزق کی بارش میں صفتِ کرم کا ظہور ہے۔

الغرض شانِ ربوبیت ایسی صفت ہے جو تمام اسمائے حسنیٰ کے فیوض کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ پس پروردگار عالم نے اپنی وحدانیت کی دلیل میں الحمدللہ کے بعد رب العالمین فرما کر بتادیا کہ ہماری شان ربوبیت ایسی صفت ہے جو ہماری الوہیت کی تفصیلی دلیل ہے۔ کیونکہ تمام عالم کے ہر ایک ذرّے پر ہماری ربوبیت کو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو چونکہ ربوبیت الٰہیہ کو معرفت الٰہیہ میں بڑا دخل ہے۔ اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے الحمدللہ کے بعد اپنی پہچان کے لئے صفت رب العالمین کو بیان فرمایا ہے۔

ہمارے مرشد مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

گلستان میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا
تری ہی سی رنگت تری ہی سی بو ہے

اور ارشاد فرمایا کہ شاعر عارف نہ تھا اس وجہ سے اس نے کہا تھا۔

گلستاں میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا
نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے

اگر عارف ہوتا تو ہر پھول اور پھولوں کی ہر پتّی اس کو معرفتِ الٰہیہ کے لئے ایک دفتر معلوم ہوتی ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس شعر کے مصرعہ ثانی میں یہ ترمیم فرماکر پڑھا کرتے تھے :-

گلستاں میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا
تری ہی سی رنگت تری ہی سی بو ہے

ہر ایک ذرہ بتا رہا ہے کہ میرا کوئی پیدا کرنے والا ہے ۔جس طرف نگاہ اٹھائیے تو اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی چیزوں پر نظر پڑتی ہے، آسمان اور زمین اور ان کے اندر جتنی عجیب اور غریب مخلوقات ہیں، یہ چاند، سورج، ستارے، دریا، پہاڑ، سمندر، ہر قسم کے درخت، ہر قسم کے پھل پھول ، اور پھولوں کی ایک ایک پنکھڑی اور پنکھڑیوں کے باریک باریک رگ و ریشہ سب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر گواہی دیتے ہیں، تمام عالم میں اُنہی کی حکومت ہے، اُنہی کی تربیت ہے، جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تُو ہی تُو ہے غیر کون ہے ، صاحب مآمقیمان فرماتے ہیں ؎

کہ بچشمانِ دل مبین جز دوست
ہر چہ بینی بدانکہ مظہر اوست

جس طرف نگاہ کیجئے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ع

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

صرف ہاتھ میاں کا نظر نہیں آتا ہے باقی تصرّفات سب اُنہی کے ہیں اسی کو حضرتِ عارفؒ فرماتے ہیں ؎

شد جہاں آئینۂ رخسار دوست
ہر دو عالم در حقیقت عکس اوست

ترجمہ:- "ہر چیز میں عکسِ رخِ زیبا نظر آیا
عالم مجھے بس جلوہ ہی جلوہ نظر آیا" (خواجہ صاحب)

❊

ہیچ برگے بر نیفتد از درخت
بے قضاء و حکمِ آں سلطانِ بخت

ترجمہ: "کوئی پتہ درخت سے جدا نہیں ہوتا جب تک کہ حق تعالیٰ کی طرف سے اسے حکم نہ ہو۔"

از دہان لقمہ نشد سوئے گلو
تا نگوید لقمہ را حق کَادْخُلُوْا

ترجمہ: "کوئی لقمہ حلق کی طرف دخول کے لئے مائل نہیں ہوتا ہے جب تک کہ حق کی طرف سے اُدْخُلُوْا کا حکم اس کو نہیں ہوتا ہے۔"

در زمین و آسماں ہا ذرّۂ
بر نجنباند نہ گردد پرّۂ

ترجمہ: "زمین اور آسمان کا کوئی ذرّہ حکمِ الٰہی کے بغیر نہ تو اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہے اور نہ اڑ سکتا ہے۔"

اسباب و تدابیر کا درجہ اور اُن کی صحیح حقیقت

میں تدابیر اور اسباب کو بھیک کے پیالہ سے تشبیہ دیتا ہوں، یعنی تدابیر کا درجہ ایسا ہی ہے جیسے بھک منگا اپنا ٹوٹا

چھوٹا پیالہ لے کر بادشاہ کے دروازہ پر حاضر ہو جائے، تو ظاہر ہے کہ بھیک ملے گی کس میں، پس تدابیر کو اختیار کرنا ایسا ہی ہے کہ بندہ بھیک کا پیالہ لے کر میاں کے دروازہ پر بھیک مانگنے کے لئے حاضر ہو گیا، اب اس تدبیر کا پھل کون دے گا جو اس تدبیر کا بھی مالک اور خالق ہے، وہی اس تدبیر میں اثر پیدا کرتا ہے، اور وہی تدبیر کی آغوش میں مقصود کا پھل رکھ دیتا ہے۔

تدابیر کے موثر بالذات نہ ہونے پر استدلال

یہی وجہ ہے کہ ایک ہی تدبیر دو شخص کسی مقصود کے لئے اختیار کرتے ہیں لیکن ایک کامیاب ہو جاتا ہے دوسرا ناکام رہتا ہے، اگر یہ تدابیر فی نفسہٖ اپنی ذات میں اثر رکھتیں تو دونوں کو کامیاب اور فائز المرام ہونا چاہیئے تھا، مگر مشاہدات روزمرّہ کے ہمارے سامنے موجود ہیں، کہ ایک شخص کئی سال محنت کر کے مثلاً سلائی کا کام سیکھتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کو سلائی میں روزی نہیں دیتے ہیں، مجبوراً وہ دوسرا طریقہ روزی کے لئے اختیار کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اس راہ سے اس کو روزی عطا فرماتے ہیں، یہ حیرت میں سوچتا ہے کہ اتنی محنت سے سلائی کا کام سیکھا تھا لیکن کیا معلوم تھا کہ میری روزی نجّاری میں تھی، اگر معلوم ہوتا تو سلائی میں اتنی مشقت اور اپنی عمر نہ کھوتا، مگر اللہ تعالیٰ بندوں کو دکھاتے رہتے ہیں، تاکہ بندوں کو اپنا جہل اور اپنا عجز

کا علم الیقین حاصل ہو جائے۔

اسی طرح ایک شخص انگریزی تعلیم کی بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کرتا ہے اور دل میں یہ خیال اس کو ہر وقت مسرور رکھتا ہے کہ کسی بڑی ملازمت کی کرسی نشینی حاصل ہوگی، لیکن اللہ تعالیٰ اس کی روزی ملازمت کی راہ سے نہیں عطا فرماتے، مجبوراً یہ شخص کسی چیز کی دوکان کھول لیتا ہے، اور اس دُکان سے اس کو روزی ملتی ہے، یہ شخص حیرت زدہ سوچتا ہے کہ کاش معلوم ہوتا کہ میری روزی اسی دکان میں ہے تو میں اتنی عمر اور اتنا سرمایہ دکان ہی میں صرف کرتا۔

تخلّف اسباب سے مؤثرِ حقیقی کی پہچان

مگر اللہ تعالیٰ دکھاتے رہتے ہیں تاکہ بندے اپنے جہل اور عجز کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں کہ سمجھ لیں کہ جب ہم اس طور سے عاجز ہیں تو یقیناً کوئی ایسی ذات پاک ہے جو ان اسباب اور تدابیر کی خالق اور مالک ہے، اور سارے جہاں کا انتظام اسی کے ہاتھ میں ہے، جب میاں چاہتے ہیں تو ان اسباب و تدابیر کے ذریعہ مقصود تک پہنچا دیتے ہیں، اور جب حق تعالیٰ کو منظور نہیں ہوتا ہے تو یہ تدابیر و اسباب بالکل بے اثر ثابت ہوتے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ یہ تدابیر اور اسباب مطلقاً ہمارے اختیار میں نہیں دیئے گئے ہیں، صرف ان کا اختیار کرنا تو ہمارے اختیار میں دے دیا ہے، لیکن ان میں اثر پیدا کرنا اپنے اختیار میں

رکھا ہے ، ان اسباب وتدابیر کے پردے میں ہاتھ انہی کا کام کر رہا ہے ، مگر اہل ظاہر اس سے بے خبر ہیں ، اور عارفین اپنی نگاہِ بصیرت سے دیکھ لیتے ہیں کہ ان اسباب وتدابیر کی باگ ڈور حق تعالیٰ ہی کے دستِ قدرت میں ہے ، کما قال العارف الرومیؒ ؎

از مسبّب میرسد ہر خیر و شر
نیست اسباب و وسائط را اثر

مولانا فرماتے ہیں کہ ہر خیر و شر کے مالکِ حقیقی حق تعالیٰ ہی کی ذات پاک ہے اسباب و وسائط میں فی نفسہٖ کچھ اثر نہیں ہے ، یہ اسباب وتدابیر اپنا کام اسی وقت انجام دیتے ہیں جب ان کو حق تعالیٰ کی طرف سے اذن اور اشارہ مل جاتا ہے ۔ ہماری نگاہ میں یہ اسباب مردہ ہیں ، لیکن حق تعالیٰ کے ساتھ ان کا تعلق غلامی کرنے میں زندوں جیسا ہے ؎

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند
با من و تو مردہ با حق زندہ اند
اندریں شہرِ حوادث میر اوست
در ممالک مالکِ تدبیر اوست

ترجمہ :- "اس شہر حوادث یعنی دنیائے فانی کے تمام تصرّفات کی مالک حق تعالیٰ ہی کی ذات پاک ہے ، تمام ممالک میں تدابیر اور اسباب اپنے اثر کے اعتبار سے انہیں کے مملوک ہیں"۔

خرم آنکہ عجز و حیرت قوت اوست
در دو عالم خفتہ اندر ظلِّ دوست

مولانا فرماتے ہیں کہ مبارک ہے وہ شخص جس کی غذا عجزِ محمود اور حیرتِ محمودہ ہے، یعنی جس کو تدابیر اور اسباب کے تخلّف فی الآثار سے مسبّبِ حقیقی کی معرفت نصیب ہوگئی، یعنی جب اسباب اور تدابیر کو کبھی کامیاب اور کبھی ناکام دیکھا تو تفکّر اور تدبّر سے سمجھ گیا کہ یہ اسباب اور تدابیر کسی اور کے قبضہ میں ہیں فی نفسہٖ اُن کے اندر کچھ اثر نہیں ہے، یہ خود اپنے اثر کرنے میں محتاج ہیں کسی مؤثرِ حقیقی کے، اگر اُن کے اندر ذاتی اثر ہوتا تو اُن کو ہمیشہ کامیاب ہونا چاہئے، مگر اُن کی یہ ناکامی دلیل ہے کہ یہ مؤثر بالذات نہیں ہیں، جب مؤثرِ حقیقی اللہ جلّ شانہٗ چاہتے ہیں تو ان میں اثر پیدا فرما دیتے ہیں، اور جب اُن کو منظور نہیں ہوتا ہے تو تمام اسباب و تدابیر کو بے اثر کر دیتے ہیں۔

مَاشَاءَ اللّٰہُ کَانَ وَمَالَمْ یَشَاءْ لَمْ یَکُن (الحدیث)	"جو اللہ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا نہیں ہوتا"

چنانچہ آتشِ نمرود کو جب حکم اور اِذن جلانے کا نہ ہوا تو وہ آگ سوزندۂ خلیل نہ ہو سکی، اور حکم الٰہی سے گلزار جنت ہوگئی لیکن اسی آن میں جس وقت کہ وہ آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے گلزارِ جنت تھی نمرود مردود کے لئے وہ آگ اس وقت بھی نارِ جہنّم تھی۔

تو معلوم ہوا کہ تمام اشیاء کے خواص و اثرات اپنے افعال کی انجام دہی میں حکم الٰہی کے تابع ہیں، عارفین پر جب اسباب اور تدابیر کا عجز اور ضعف منکشف ہوگیا تو وہ دونوں عالم میں

ظلِ دوست میں سوگئے، یعنی ان کی نظر اسباب سے اٹھ گئی اور مسبّب الاسباب سے انہوں نے اپنا تعلق قائم کرلیا، ہمارے خواجہ صاحبؒ نے خوب فرمایا ہے ؎

کسی کو رات دن سرگرم فریاد و فغاں پایا
کسی کو فکرِ گوناگوں میں ہر دم مبتلا پایا
کسی کو ہم نے آسودہ نہ زیرِ آسماں پایا
بس اک مجذوب کو اس غمکدہ میں شادماں پایا
جو بچنا ہو غموں سے آپ کا دیوانہ بن جائے

میرا ایک واقعہ

لفظ دیوانہ پر مجھے اپنا ایک واقعہ یاد پڑا، ایک بار حضرت مرشدی مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سفر میں ہمراہ تھا، حضرت والاؒ کے سر مبارک میں تیل کی مالش کر رہا تھا، کچھ احباب و رفقاءِ سفر چنے کے ہولے کھا رہے تھے، اور میرے مُنہ میں بھی اس کے دانے ڈال دیا کرتے تھے، اس وقت مَیں نے یہ مصرع پڑھا تھا، ؎

دیوانہ باش تا غمِ تو دیگراں خورند[ع]

کچھ دیر کے بعد حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے ہنس کر فرمایا کہ بھائی یہ مولوی صاحب میرے سرپرست ہیں، یہ بطور لطیفہ ارشاد فرمایا، کیونکہ مالش کے وقت میرے ہاتھ حضرت والاؒ کے سر مبارک پر خدمت میں مصروف تھے، یہ عارفین سایۂ دوست میں دوست پر اعتماد کرکے سوئے ہوئے ہیں، یعنی طلب اسباب و تدابیر میں کاوش

ع ترجمہ:- دیوانہ ہو جا تاکہ تیرا غم دوسرے لوگ کھائیں۔

نہیں کرتے ، اور اَجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ (الحدیث) پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

طلبِ معاش میں اجمال کا مطلوب ہونا

لیکن طلبِ معاش میں ان کا یہ اجمال یعنی عدمِ کاوش کے ساتھ اسبابِ معاش کا اختیار کرنا اور اسباب اختیاریہ پر اعتماد نہ رکھنا بسبب انکشافِ حقائق کے ہے ، کاہلی مذمومہ کے سبب سے نہیں ہے ، یعنی جب اہل اللہ پر انوار معرفتِ الٰہیہ کے سبب یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ یہ تدابیر اور اسباب دنیویہ فی نفسہ اپنے اندر اثر نہیں رکھتے ہیں ، بلکہ ان کے اندر اثر پیدا فرمانے والے حق تعالیٰ شانہٗ ہیں ۔ تو یہ محض حکم سمجھ کر اجمالاً کچھ اسباب بھی اختیار کر لیتے ہیں ۔ لیکن ان اسباب کے ضعیف عاجز ، اور محتاج ہونے کے سبب ان پر اعتماد نہیں رکھتے ہیں ، اعتماد صرف ذاتِ حق تعالیٰ شانہٗ پر رکھتے ہیں۔

احتراز از انہماک فی الاسباب

پس معلوم ہوا کہ اہل اللہ کا اسباب دنیویہ میں زیادہ انہماک نہ ہونا اُس انکشافِ حقیقت کے سبب ہے نہ کہ وہ کاہلی مذمومہ ہے جس سے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے ، نیز بعض اہلِ ظاہر حقیقت سے بے خبر ہو کر ان کی اس اجمالی طلب اور عدم انہماک

فی الاسباب کو دیکھ کر ان کو کاہل سمجھتے ہیں ، یہ گمان محض جہل اور بے خبری کے سبب ہے ، اسی کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

عارفاں از دو جہاں کاہل تراند
زانکہ بے شد یار خرمن می برند

مولانا فرماتے ہیں کہ عارفین دونوں جہان کے لوگوں سے زیادہ کاہل ھیں۔

مفہوم کاہلی عارفین از کسبِ دنیا

لیکن اس کاہلی سے مراد تفویض و توکّل اور اپنے ارادوں کو مرضیاتِ الٰہیہ میں فنا کر دینا ہے ، جس کی ظاہری صورت عوام کے نزدیک کاہلی سمجھی جاتی ہے ۔

سو ایک عالَم میں تو کوئی کاہل ہی نہیں ہے ، یعنی عالم ملائکہ میں کاہلی کا مطلق وجود نہیں ہے ، کیونکہ حق تعالیٰ شانہٗ نے فرشتوں کی تعریف میں یُسَبِّحُوْنَ اللَّیْلَ وَالنَّھَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ ارشاد فرمایا ہے ، (ترجمہ) "فرشتے شب و روز تسبیح کرتے ہیں کسی وقت موقوف نہیں کرتے" اور اُوپر وَلَا یَسْتَحْسِرُوْنَ بھی فرمایا ہے ، یعنی " ہماری تسبیح سے تھکتے نہیں ہیں "

دنیا میں البتہ کاہل بھی ہیں ، لیکن اہل دنیا کی کاہلی نفس کی شرارت اور آرام طلبی کے سبب سے ہوتی ہے اور عارفین کی کاہلی سببِ دنیویہ میں انہماک نہ ہونے سے ہوتی ہے جس کا

سبب غلبۂ تفویض اور توکل و فنائے ارادہ ہوتا ہے، پھر مولانا اس تفویض اور فنائے ارادہ کی علت بیان فرماتے ہیں ؎

زانکہ بے شد یار خرمن می برند

یعنی ایسا اس لئے ہے کہ بدون اختیار اسباب کے ان کے مقاصد پورے ہوجاتے ہیں، آگے فرماتے ہیں ؎

کاہلی را کردہ اند ایشاں سند
کار ایشاں را چوں یزداں می کند

مولانا فرماتے ہیں کہ انہوں نے تفویض و توکل کو اپنا تکیہ گاہ اس وجہ سے بنا رکھا ہے کہ ان کا کام حق تعالیٰ کرتے ہیں ؎

کار یزداں را نمی بینند عام
می نیاسایند از کد صبح و شام

مولانا فرماتے ہیں چونکہ عوام اس حقیقت سے یعنی مسبّب حقیقی کے تصرّفات سے بے خبر ہیں، اس لئے عوام اسباب دنیویہ کے اختیار کی محنت اور مشقت سے صبح و شام آسودہ نہیں ہوتے ہیں۔

عارفین کے عدم کاوش فی الاسباب کی وجہ

اس تقریر کی تفصیل یہ ہے کہ اہل اللہ کے سارے کام بوعدۂ نصِّ قطعی بآسانی ہوجاتے ہیں، یعنی تقویٰ کی برکت سے اُن کے ضروری مقاصد کے لئے وہ اسباب قریب کردیئے جاتے ہیں جو علم الٰہی میں ثمرآور ہوتے ہیں، یعنی مقصود تک پہنچانے

والے ہیں، اور ان اسباب کی مشقت سے ان کو محفوظ کردیا جاتا ہے جو علم الٰہی میں بے ثمر اور غیر مفید ہوتے ہیں۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ	"اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو اللہ اس کے لئے نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔"
٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭	
وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ. (پ ۲۸)	"اور جو اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے۔"

کیونکہ متقین بندوں کو حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن پاک میں اپنا دوست فرمایا ہے:-

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝	حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ناک واقعہ پڑنے والا ہے اور نہ وہ کسی

مطلوب کے فوت ہونے پر مغموم ہوتے ہیں، یعنی ان کو خوفناک اور غمناک حوادث سے بچاتا ہے، اور اللہ کے دوست وہ ہیں جو ایمان لائے اور معاصی سے پرہیز رکھتے ہیں، یعنی ایمان اور تقویٰ سے اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔" (بیان القرآن)

یہ ایک مقدمہ ہے کہ پرہیزگار بندے اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں، اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ ہر دوست اپنے دوست کی ملاقات اور ہمنشینی کو محبوب رکھتا ہے، پس حق تعالیٰ اپنے مقبول اور محبوب بندوں کو اپنے ذکر کے لئے فراغِ قلب عطا فرماتے ہیں، کیونکہ حدیث قدسی ہے اَنَا جَلِيْسُ مَنْ ذَكَرَنِيْ، حق تعالیٰ

ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اپنے ذاکر بندے کا ہمنشیں ہوتا ہوں۔

اور ظاہر ہے کہ فراغِ قلب اسی وقت میسّر ہوتا ہے جب انسان اسباب طلب معاش میں اجمال اختیار کرے، اور تفکّرِ انہماک تعدد اسباب سے محفوظ رہے، یہی راز ہے ارشادِ پاک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اجملوا فی الطلب کا، یعنی طلب اسباب میں اجمال اختیار کرو، کیونکہ رزق تو مقدر اور مقسوم ہو چکا ہے۔

رزق کا مدار کثرتِ اسباب پر نہیں ہے

کثرتِ اسباب معاش پر کثرتِ رزق کا مدار نہیں ہے، چنانچہ مشاہدات اس امر کو بتاتے ہیں کہ ایک شخص ایک ہی تجارت سے غنی اور بڑا مالدار ہو جاتا ہے، دوسرا شخص متعدد تجارتوں میں ہاتھ مارنے کے باوجود مقروض اور پریشان رہتا ہے، اور دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے اہل عقل فاقہ میں مبتلا ہیں، اور بہت سے نادان بیوقوف لکھ پتی ہیں، اسی کو ایک عربی شاعر کہتا ہے ؎

کم عاقلٍ عاقلٍ اعیت مذاھبہ ٭ وجاھلٍ جاھلٍ تلقٰہ مرزوقاً

ھذا الذی ترکت الاوھام حائرۃ ٭ وصیر العالم النحریر زندیقاً

"بہت سے عاقل ایسے دیکھے گئے ہیں کہ ان کو رزق کی پریشانیوں نے تھکا دیا ہے، اور بہت سے ایسے جاہل دیکھے گئے ہیں کہ وہ رزق کثیر سے فارغ البال ہیں، اور یہ تصرفات عجیبہ ایسے ہیں کہ جس سے لوگوں کے اوہام حیرت زدہ ہیں، اور

بڑے بڑے اہل علم کو اس امر عجیب نے حیرت مذمومہ میں مبتلا کر کے زندیق بنا دیا؟

مگر یہ وہ اہلِ علم ہیں جن کو کسی باخبر سے پالا نہ پڑا تھا

اَلرَّحْمٰنُ فَاسْئَلْ بِهٖ خَبِیْرًا ، رحمٰن کی شان کو کسی باخبر سے پوچھو، ہمارے حضرت مرشدی مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب ترجمہ فرمایا ہے ، اس ترجمہ سے وجد آجاتا ہے ، رحمٰن کی شان کو کسی باخبر سے پوچھو ، اگر کسی باخبر سے ملاقات ہو جاتی تو وہ سمجھا دیتا کہ میاں رزق کا مدار علم یا جہل ، عقل یا بیوقوفی پر نہیں ہے ، اس رحمٰن کی شان یہ بھی ہے یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ (ترجمہ)

"جس کو چاہتا ہے رزق زیادہ دیتا ہے اور جس کو چاہتا تنگ کر دیتا ہے"

رزق میں تنگی اور فراخی کی حکمت

رزق کی تنگی اور فراخی کا معاملہ مشیتِ الٰہی کے تابع ہے ، دنیا ایک شفاخانہ ہے ۔ ہم سب کے سب اس شفاخانہ کے مریض ہیں ، حق تعالیٰ کی ذاتِ پاک ہماری خالق ، مالک اور حکیم ہے ، علم الٰہی میں جس کے لئے جس قدر رزق مفید ہے اس کو اسی مقدار سے عطا فرماتے ہیں ، شفاخانہ میں مریض ہر قسم کے ہوتے ہیں ، کسی کو حکیم دوا تلخ پلاتا ہے ، اگر اس کو حلوہ کھلا دے تو اس کا مادّۂ فاسد اس حلوے کو بھی متعفن کر کے زہر بنا دے اور بیماری میں شدت پیدا ہو جائے ، اسی طرح جو مریض صحت یاب ہونے کے قریب ہے اور صرف ضعف رہ گیا ہے ، اسی کے لئے مغز بادام ، مکھن اور پھل تجویز کرتا ہے ، تاکہ یہ ضعف جلد طاقت سے مبدّل ہو جائے ۔

حدیث شریف میں ہے کہ بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر ان کو روزی کی تنگی اور پریشانی ہو تو وہ کفر میں مبتلا ہو جائیں ۔ اور بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر ان کی روزی فراخ کردی جائے تو وہ طغیانی اور کفر میں مبتلا ہو جائیں ، ہر ایک کی طبائع اور مزاج الگ الگ ہیں ، جیسا جس کا مزاج میاں نے بنایا ہے ویسا ہی اس کے ساتھ معاملہ فرماتے ہیں ، مخلوق کی طبیعت اور مزاج کا صحیح علم خالق ہی کو ہوتا ہے ، ارشاد فرماتے ہیں اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ، بھلا وہی ذات نہ جانے جس نے پیدا کیا ہے ، وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ اور وہ ایک باریک بیں پورا باخبر ہے ۔

وہ زندیق ہونے والے اہل علم عالم باللہ نہ تھے جن کو حقیقی علم عطا ہوتا ہے ان کی شان ہی اور ہوتی ہے اُن کی سمجھ اور فہم ، اور ان کے حوصلے دوسرے ہوتے ہیں ۔

عالم باللہ کی شان

عالم باللہ مقرب بندہ ہوتا ہے ، اس کا حوصلہ ایسا پست اور ذلیل نہیں ہوتا ہے جو دنیائے مردار کو علم کی نعمت پر ترجیح دے ، جو باز کہ پنجۂ بادشاہ اس کا مسکن ہو وہ بجز شیر نر کے دوسرے معمولی جانور کا شکار نہیں کرتا ہے ، قربِ شاہ کے سبب اس باز کی نظر بادشاہ کی نظر کے فیض سے عالی ہمت ہو جاتی ہے ۔

اسی کو حضرت عارفؒ فرماتے ہیں ؎

می نگیرد بازِ شہ جز شیر نر

"شاہی باز بجز شیرنر کے کسی کو نہیں پکڑتا"

اسی طرح عالم باللہ کی مقرب روح پاک کہ وہ شاہباز معنوی ہے بجز اللہ کے کسی ماسوی کی طرف رُخ نہیں کرتی ہے ؎

مرشد صفیر باز جاں در مرج دیں
نعرہ ہائے لَا اُحِبُّ الْآفِلِیْن

باز رُوح کی آواز شکار گاہ دین میں لا اُحبّ الآفلین کے نعرے ہیں، یعنی یہ جانسپار و جانباز حق بجز رضائے الٰہی کے کسی چیز کو محبوب نہیں رکھتا ہے، یہ اپنے صحیح مقصد حیات کا رازداں ہوتا ہے، وہ مقصدِ حیات کیا ہے ؎

بہر ایں آورد ما یزدان برون
مَا خَلَقْتُ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ

مولانا فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ عالم ارواح سے عالم ناسوت میں اس لئے ہمیں باہر لائے ہیں کہ ہم لوگ ان کی اطاعت وعبادت کریں۔

بسودائے جاناں زجاں مشتغل
بذکر حبیب از جہاں مشتغل
بیاد حق از خلق یگر یختہ
چناں مست ساقی کہ می ریختہ

حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقربین بندے محبوب حقیقی کے عشق میں اپنی جان سے بھی بے پروا ہیں۔ اور محبوب حقیقی کی یاد میں سارے جہاں سے بے خبر ہیں، یاد حق میں خلق سے بھاگے ہوئے ہیں، اور اس منعم حقیقی پر ایسے متوالے ہوگئے ہیں

کہ نعمتوں کی طرف سے التفات جاتا رہا، صرف ذات منعم پر ٹکٹکی باندھے ہوئے ہیں، یعنی اُن کی وہ محبت جو پہلے بواسطۂ امید و حرصِ مے تھی، اب وفورِ طلب وشوق سے یہ حجاب واسطہ بھی اٹھ گیا۔ اور محبت کامل ہوگئی، اب غلبۂ محبت میں بجز ذات ساقی کے کچھ مطلوب نہ رہا، اور قرب کے اس رفیع مقام پر بواسطۂ مے میں بوئے شرک محسوس کرکے جامِ مے کو زمین پر لڑھکا دیا۔

یعنی کامل اطاعت کی برکت سے قرب میں ترقی ہوتے ہوتے جب دست بوسی شاہ نصیب ہوگئی تو پائے بوسیِ شاہ کی طرف التفات باقی نہ رہا۔

اس تقریر سے نعمت الٰہیہ سے استغنار وارد نہیں ہوتا، بلکہ ایک رفیع نعمت سے ترقی ہے طرف ارفع نعمت کے خوب سمجھ لیا جاوے۔

حضرت حافظ صاحب شیرازیؒ فرماتے ہیں ؎

تو وطوبےٰ وما و قامتِ یار
فکر ہرکس بقدر ہمت اوست

فرماتے ہیں اے زاہد تو اور طوبیٰ یعنی تو جنت کی نعمتوں میں، مست رہ اور میں اور قامت یار یعنی میں محبوب حقیقی کی ذات پاک پر قربان رہوں۔ اور ہر شخص کی بلندیٔ فکر کا مدار اس کی ہمت کی مقدار پر ہے۔

خوش تراز دوجہاں آنجا بود
کہ مرا با او سرو سودا بود

مولانا عارف رومیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں جہان میں سب سے بہتر جگہ میرے لئے وہ جگہ ہے جہاں وہ محبوب حقیقی اور اپنے محبوب سے راز و نیاز اور محبت کا کاروبار ہو۔

حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ غلبۂ محبت میں اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

لیس من موہ لبدگے تو ہیں
سُمرن تور بسرگے موھیں

ترجمہ: آپ کی محبت نے ہمیں ایسا موہ لیا کہ غلبۂ محبت میں تعریف کرنے کا بھی ہوش نہ رہا۔

اور حضرت شاہ صاحب گنج مرادآبادیؒ دردؔ کا یہ شعر بھی پڑھا کرتے تھے ؎

جائے کس واسطے اے دردؔ میخانے کے بیچ
اور ہی مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

ایک بزرگ کی حکایت

ایک واقعہ حضرت شاہ صاحب گنج مرادآبادیؒ کا یاد پڑا، ایک دفعہ نواب رامپور نے اپنے کسی بے تکلف دوست سے، جو عالم بھی تھے، درخواست کی کہ اگر آپ حضرت شاہ صاحب کو میرے ہاں لے آویں تو میں ایک لاکھ روپیہ نذر پیش کروں گا۔ مولوی صاحب، گنج مرادآباد حاضر ہوئے، حضرت کی مجلس میں جب مولوی صاحب پہنچے تو شاہ صاحبؒ علوم و معارف بیان فرما

رہے تھے ،انہوں نے ذرا موقع پاکر عرض کیا کہ حضرت آپ ایک بار رامپور تشریف لے چلیں ، نواب صاحب آپ کی زیارت کے متمنی ہیں ، اور فرمایا ہے کہ اگر شاہ صاحب میرے ہاں تشریف لائیں گے تو میں ایک لاکھ روپیہ نذر پیش کروں گا ،شاہ صاحب نے سُن کر فرمایا کہ اجی لاکھ روپے پر ڈالو خاک ، اور میری بات سنو، پھر شاہ صاحب اپنے علوم و معارف کے بیان کرنے میں مشغول ہو گئے ،جب فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ مولوی صاحب سنئے ؎

جو دل پر ہم اس کا کرم دیکھتے ہیں
تو دل کو بہ از جامِ جم دیکھتے ہیں

یہ ہے اصلی علم کی شان جو دل کو تمام ماسوٰی سے مستغنی کر دیتا ہے ۔

ہمارے مرشد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے چھوٹے بڑے نہ جانے کتنے منی آرڈر واپس کئے تھے ،اور ایک بار ایک لاکھ روپیہ ہدیہ قبول کرنے سے عذر فرمادیا ، ذرا بھی جہاں دین کی توہین اور تحقیر کا شائبہ محسوس کرتے بڑے بڑے امراء کا مزاج درست فرمادیتے ، رمزی اٹاوی نے خوب لکھا ہے ؎

نہ لالچ دے سکیں ہرگز تجھے سکّوں کی جھنکاریں
ترے دستِ توکّل میں تھیں استغنا کی تلواریں
سکھائے فقر کے آداب تو نے بادشاہی کو
جلالِ قیصری بخشا جمالِ خانقاہی کو

ایسے ہی لوگ عالمِ ربّانی کہلاتے ہیں ، اسی کے متعلق حضرت عارفؒ فرماتے ہیں ؎

دانش نور است در جانِ رجال
نے ز دفتر نے ز راہِ قیل و قال

ترجمہ: "مردانِ خدا یعنی اللہ والوں کی جانوں میں عطاءِ حق سے نورانی عقل ہوتی ہے، محض کتابوں کے دفتر سے اور محض قیل و قال کی راہ سے یہ نورانی عقل نہیں ملتی"

خم کہ از دریا در و راہے شود
پیش او جیحون نہا زانو زند

مولانا فرماتے ہیں اللہ والوں کا قلب کی مثال اس مٹکے کی سی ہے جس کا تعلق کسی خفیہ راہ سے سمندر سے ہوتا ہے اور بڑے بڑے جیحوں جیسے دریا اس مٹکے کے سامنے اس کے باطنی تعلق من البحر کے سبب زانوئے ادب طے کرتے ہیں (فارسی میں دریا کا اطلاق سمندر پر ہوتا ہے) جیحوں جیسے دریا خشک ہو سکتے ہیں لیکن اس مٹکے کا پانی ہمیشہ جوش مارتا رہے گا، کیونکہ باطنی راہ سے سمندر کا فیض اس مٹکے میں آرہا ہے۔ یہی عارفین کے علوم کا حال ہے ؎

بینی اندر خود علوم انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستا

یعنی عارفین اپنے باطن میں بدون کتاب اور استاد کے علومِ انبیاء کو موجزن پاتے ہیں، یعنی مشکوٰۃ نبوت سے ان کے قلوب پر فیوض علمیہ کا ورود ہوتا رہتا ہے، اور یہ مواہبِ علمیہ کب نصیب ہوتے ہیں، جب کسی اللہ والے کی جوتی سیدھی کی جاتی ہے ؎

قال را بگذار مردِ حال شو ❊ پیش مرد کامل پامال شو

علوم اور معارف وہبیّہ کے حصول کا طریقہ

مولانا عارف رومیؒ فرماتے ہیں ان علوم اور مواہب ربانیہ کی کی تحصیل کا طریقہ یہ ہے کہ قال کو چھوڑ دو صاحبِ حال بن جاؤ یعنی اوّلاً غیر مقصود امور سے دل خالی کرو، بقول حضرت خواجہ صاحبؒ کے ؎

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی ؛ اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

حضرت مرشدی مولانا تھانویؒ اس شعر سے بہت خوش ہوئے تھے، اور فرمایا خواجہ صاحب اگر میرے پاس ایک لاکھ روپیہ ہوتا تو اس شعر پر آپ کو انعام میں دے دیتا۔

حضرت مرشدیؒ کا اس درجہ انبساط حضرت کے باطنی مقام کی غمازی اور مخبری کرتا ہے، جو اس شعر میں مذکور ہے، یعنی حضرتؒ کا یہی حال مقام بن چکا تھا، دوسرے مصرعہ میں مولانا رومیؒ نے ترکِ قال اور حصول حال کا بیان فرمایا ہے، یعنی صاحب قال اگر صاحب حال بننا چاہے تو کسی مرد کامل کے سامنے پامال ہو جائے، "پیش مردِ کاملِ پامال شو" تاکہ وہ مرد کامل تمہارے تمام ناز و پندار اور خود بینی کی رگوں کو پائمال کر دے، جس سے وہ تمام حجابات ظلمانیہ جو قلب میں حق تعالیٰ شانہٗ کے نفحاتِ کرم اور فیوض غیبیہ کے مشاہدہ سے مانع ہو رہے تھے مرفوع ہو جائیں گے، اور قلب کو دریچۂ باطنی سے ایسے ایسے علوم اور معارف عطا ہوں گے جو تم کو اللہ تک پہنچا دیں گے۔

حضرت شاہ فضل الرحمٰن صاحبؒ اپنے پیر شاہ محمد آفاق صاحبؒ کی شان میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

اے شہِ آفاق شیریں داستاں
باز گو از من نشانِ بے نشاں
صرف و نحو و منطقم را سوختی
آتشِ عشق خدا افروختی

ترجمہ: "اے میرے پیر (شاہ آفاق صاحب) شیریں داستاں یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت کی گفتگو سنانے والے، حق تعالیٰ کی ذات جو ہماری ظاہری آنکھوں سے مخفی ہے اس ذات پاک تک رسائی کے لئے کچھ نشان بیان فرمائیے، آپ نے میرے علوم ظاہری صرف نحو و منطق کو اللہ کی محبت کی مٹھاس چکھا کر نذر آتش کر دیا یعنی پہلے میں نے انہی علوم ظاہرہ کو مقصود بنا رکھا تھا، اب آپ کے فیضان صحبت سے یہ علوم ظاہرہ ذریعہ مقصود بن گئے اور مقصود صرف رضائے حق بن گیا جو ان علوم کا بھی اصل حاصل و مقصود ہے۔

علم کی نعمت گندے قلب میں نہیں عطا فرماتے ہیں، قیمتی عطر کے لئے شیشی بھی صاف اور شفاف منتخب ہوتی ہے، حضرات صحابہؓ کا پہلے تزکیہ فرمایا گیا، تب علم عطا فرمایا گیا، يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ط

حضور صلی اللہ علیہ وسلم آیاتِ الٰہیہ کو پڑھ کر سناتے ہیں، اور ان لوگوں کا تزکیہ فرماتے ہیں، تلاوت آیات اور تزکیہ میں ربط یہ ہے کہ انوار تلاوت سے حضرات صحابہ کو اپنی ظلمات کا علم

ہوگیا ، ہر شے اپنی ضد سے متعارف ہوتی ہے ، پس انوار تلاوت کا جب اجالا ہوا ، تو حضرات صحابۂ کرام کو اپنے امراض نظر آگئے، اور ان کے اندر تزکیہ کی فکر اور طلب پیدا ہوگئی ، پس طلب کا پیدا ہونا تھا کہ رحمۃ للعالمین کی رحمت تزکیہ میں مشغول ہوگئی ، تزکیہ کے بعد کتاب اور خوش فہمی کی تعلیم حضرات صحابہ کو دی گئی ، ان آیتوں کی ترتیب میں بڑے علوم ہیں ، معلوم ہوا کہ تعلیم کتاب اور حکمت کے اہل وہی سینے ہوتے ہیں جو رزائل سے پاک وصاف ہوں، کسی اللہ والے کی صحبت سے ۔

وہ عالم جو عاقلوں پر تنگیٔ معیشت اور نادانوں پر فراخیٔ رزق دیکھ کر زندیق ہوگئے وہ در اصل عالم باللہ نہ تھے ، محض عالم بالکتاب تھے ، ان کا علم اُن کے گندے سینے میں پہنچ کر خود بھی علت ہوگیا ، ہر چہ گیرد علتے علت شود " اس لئے وہ علم ان کے لئے زہر بن گیا ؎

علم چوں بر تن زنی مارے بود
علم چو بر دل زنی یارے بود

حضرت رومیؒ فرماتے ہیں کہ علم کو اگر تن پروری میں صرف کیا جاوے تو وہ علم سانپ ہوجاتا ہے، اور علم کو جب دل میں اتارا جاتا ہے وہ بہترین یار ہوتا ہے ۔

علم کا اصلی مقام

اس سے معلوم ہوا کہ علم کا اصلی مقام قلب ہے، یہی وجہ

ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن میں علماء یہود کو بوجھ لدے ہوئے گدھوں سے تشبیہ دی ہے، کیونکہ اُن کے دلوں پر اُن کے علوم کا اثر نہ تھا، جس کی دلیل یہ ہے کہ علم باللہ کے لئے خشیت الٰہیہ لازم ہے، جیسا کہ حق تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ وہی بندے اللہ سے ڈرتے ہیں جو اس کی عظمت کا علم رکھتے ہیں، اس آیت سے واضح ہے کہ خشیتِ الٰہیہ علم حقیقی کی ایک لازمی صفت ہے، اگر خشیت نہیں ہے تو وہ عالم اللہ کے نزدیک عالم کے مرتبہ میں نہیں ہے۔

صد ہزاراں فضل دارد از عُلوم
جانِ خود را می نداند این ظَلُوم

مولانا فرماتے ہیں کہ یہ شخص سو ہزار فنون علمیہ سے فضیلت رکھتا ہے، لیکن یہ ظالم اپنی جان سے غافل ہے، یعنی اپنے علوم کو شکم پروری اور تن آرائی کا ذریعہ بنا رکھا تھا اس لئے علوم کے انوار اور معارف اس کو نصیب نہ ہوئے۔

اے بسا عالم زدانش بے نصیب
حافظِ علم است او کہ نے حسیب

مولانا عارف رومیؒ فرماتے ہیں کہ اے لوگو! بہت عالم، دین کی سمجھ سے محروم ہیں، یہ صرف کتاب کے نقوشِ ظاہری کے حافظ ہیں، حسیب نہیں ہیں۔

صحیح علم کی تعریف

صحیح علم کی تعریف یہ ہے کہ وہ اللہ تک پہنچادے، "علمے کہ رہ بحق ننماید جہالت است" جو علم کہ حق تعالیٰ تک نہ پہنچائے وہ جہالت ہے، اس کا نام صنعت و حرفت ہے، علم اس کا نام نہیں ہے، علم حقیقی کی دولت جس کو عطا ہوتی ہے، اس کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت گرد ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے دونوں جہان کی نعمتوں میں سے کسی نعمت کو خیر کثیر نہیں فرمایا ہے مگر دین کی خوش فہمی کو خیر کثیر فرمایا ہے، ارشاد فرماتے ہیں (اور سچ تو یہ ہے کہ) جس کو دین کا فہم مل جائے اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی (بیان القرآن) وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۔

خیر اسم تفضیل ہے، پس اس آیت سے علم دین کا تمام نعمتوں سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔

نعمت علم دین دونوں جہان کی نعمتوں سے بڑھ کر ہے

کیونکہ دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں کو زوال اور فنا ہے، لیکن دین کی خوش فہمی سے حق تعالیٰ کی عظمت اور معرفت جو نصیب ہوگی اور اس معرفت کے ساتھ جو عبادات ہوں گی ان کے انوار ہمیشہ باقی رہیں گے اور جنت میں یہی انوار ابدالآباد کی نعمتوں میں

پہنچا دیں گے۔

رنگِ صدق و رنگِ تقویٰ و یقین
تا ابد باقی بود بر عابدین

مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ صدق کا رنگ اور تقوے کا رنگ اور یقین کا رنگ ہمیشہ ہمیشہ عابدین پر باقی رہنے والا ہے۔

تمام علوم کا حاصل

پس تمام علوم کی رُوح یہی ہے کہ آدمی کی عاقبت اور آخرت کی زندگی درست ہو جائے۔

جانِ جملہ علمہا این است ایں
کہ بداند من کیم در یومِ دیں

مولانا ارشاد فرماتے ہیں کہ تمام علوم کی جان صرف یہی ہے کہ آدمی اپنے متعلق یہ جان لے کہ ہم آخرت کے بازار میں کس بھاؤ بکیں گے، دنیا والوں کی واہ واہ سے کچھ کام نہیں چلے گا، معاملہ تو میاں سے ہے، اور وہ آنکھوں کی چوری اور سینوں کے اندر کی خیانتوں سے باخبر ہیں۔

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ
وَاللّٰهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ۔

اللہ تعالیٰ آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے، اور ان باتوں کو بھی جو سینوں میں پوشیدہ ہیں، یعنی اگر گوشۂ چشم سے بھی کسی عورت پر بُری نگاہ ڈالی ہے، یا دل میں بُرے بُرے خیالات نافرمانیوں

کے پکائے ہیں، تو ان سب باتوں کی بھی اللہ تعالیٰ کو پوری پوری خبر ہے۔

قارون کے زمانے کا ایک واقعہ

قارون کے زمانہ میں جو طبقہ ترقی پسند اور تعلیم یافتہ کہا جاتا تھا اس نے قارون کے خزانہ کو اور اس کی ظاہری شوکت وجاہ کو دیکھ کر یہ کہا تھا کہ یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ قَارُوْنُ "اے کاش ایسا ہی خزانہ ہم کو بھی مل جاتا" اور جو طبقہ اللہ والوں کا تھا ان کو دینی سمجھ اور علم صحیح کے انوار سے اس خزانۂ قارون کی صحیح حقیقت کا پتہ چل گیا تھا، دین کی خوش فہمی سے انہوں نے خزانۂ قارون پر اللہ کا غضب اور قہر دیکھ لیا، یعنی علم دین کی روشنی میں انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کے ساتھ مال و دولت اور ظاہری شوکت سب سانپ اور بچھو ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ بہت سخت ہے، معلوم نہیں کہ کب اللہ تعالیٰ کی قہاریت اور غضب کا ظہور ہو جاوے، اس لئے اللہ والوں نے قارون کی ظاہری آرائش کی طرف راغب ہونے والے طبقہ کو مخاطب کر کے یہ فرمایا کہ وَیْلَکُمْ ثَوَابُ اللّٰہِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ (اے نادانو!) ہلاکت ہو تم پر اللہ کے گھر کا ثواب ہزار درجہ بہتر ہے جو ایمان والوں کو اور نیک عمل والوں کو ملتا ہے، مغضوب علیہ شخص پر لالچ کی نگاہ ڈالتے ہو۔ یہ کہنے والے کون لوگ تھے قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ یہ اہل علم کی جماعت

تھی، یہ عنوان بتاتا ہے کہ صفت علم کا مقتضا یہی تھا جو انہوں نے کہا اور کس عنوان سے کہا وَ یْلَکُمْ ناس ہو تمہارا، یہ عنوان بتاتا ہے کہ علم کا اثر اور نور ان کے دلوں میں ایسا پیوست اور راسخ تھا جس نے قارون کی ترقی کو ان کے دلوں میں نافرمانیِ حق کے سبب مبغوض کر دیا تھا۔

جب قارون پر خدا کا قہر نازل ہوا اور وہ مع اپنے خزانہ کے زمین میں دھنسا دیا گیا، اس وقت جس ترقی پسند طبقہ نے اس کے مال پر رال ٹپکائی تھی اس کو اپنی جہالت کا علم ہوا اور علم دین کی نعمت کی قدر معلوم ہوئی۔ پس معلوم ہوا کہ جو عالم علم کی نعمت کو دنیا کی نعمتوں کے عوض میں فروخت کرتا پھرے اس کو حقیقی علم نہیں عطا ہوا ہے۔

مقرّب اور اجرت دار کا فرق

سچا عالم مقرب بارگاہ ہوتا ہے، مقرب پر ایک واقعہ یاد آیا، ایک بار میں نے حضرت مرشدیؒ سے عرض کیا کہ حضرت ایک بار درود شریف پڑھنے کی فضیلت میں وارد ہے کہ دس نیکیاں ملتی ہیں، دس گناہ معاف ہوتے ہیں، دس درجے بلند ہوتے ہیں، اور تلاوت قرآن شریف کے متعلق اس قدر فضائل وارد نہیں ہیں، تو عجیب جواب ارشاد فرمایا۔ فرمایا کہ ایک اجرت دار ہوتا ہے ایک مقرب بادشاہ ہوتا ہے۔ مقرب کی تنخواہ تو کچھ نہیں ہوتی، مگر بڑے بڑے تنخواہ دار حتی کہ گورنر اور وزراء تک مقرب سے کانپتے

ہیں اور اپنے اہم امور میں مقرّب بادشاہ سے سفارش کراتے ہیں، درود شریف کے جس قدر فضائل ہیں وہ سب اجرت کے تحت وارد ہیں، اور قرآن شریف کی تلاوت کا صرف ایک ثمرہ انعام قُرب تمام فضائل پر فوقیت رکھتا ہے (انتہی)

قربت اور اجرت کا فرق فرعون مردود بھی سمجھتا تھا، جب اس نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور حضرت ہارون علیہ السّلام کے مقابلہ کے لئے اپنے بڑے بڑے جادوگروں کو بلایا، تو انہوں نے فرعون سے یہ کہا ءَاِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ اگر ہم لوگ حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور حضرت ہارون علیہ السّلام کے مقابلہ میں غالب آگئے تو کیا ہم کو کچھ اجر ملے گا، فرعون نے جواب دیا نعم ہاں اِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ. بیشک تم لوگ اس وقت میرے مقرّب لوگوں میں سے ہو جاؤ گے، چونکہ سلطان کا مقرب ہونا بہت بڑا انعام ہے، اس وجہ سے فرعون مردود نے جادوگروں کو انعام عظیم کا لالچ دلایا کوئی خزانہ یا سلطنت کا کوئی حصہ لکھنے کا وعدہ نہیں کیا، کیونکہ انعام قرب سے یہ گھٹیا درجہ کی چیزیں تھیں، اور اس وقت فرعون کی آبرو اور جان اور سلطنت سب خطرہ میں تھیں، اس لئے اس کے ذہن میں سب سے بڑا انعام جو تھا جھٹ اس کا وعدہ کرلیا، اگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ بحیات طیّبہ تشریف فرما ہوتے اور اجرت و قربت کا جو فرق حضرت والا نے بیان فرمایا ہے اگر اسی مضمون کے ساتھ میں یہ آیت پڑھ دیتا قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ ءَاِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ قَالَ

نَعَمْ إِنَّكُمْ إِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝ تو حضرت والا بہت ہی خوش ہوتے، کیونکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس مضمون کی اس آیت کریمہ سے تائید ہو جاتی ہے۔

تنخواہ دار سے بھید کی باتیں نہیں کی جاتیں، مقرب سے کی جاتی ہیں۔ مقرب رازداں اور رازدارِ سلطنت ہوتا ہے حضرت عارفؒ فرماتے ہیں ؎

ہاں وہاں ایں دلق پوشانِ من اند
صد ہزار اندر ہزاراں یک تن اند

ہاں ہاں یہ گدڑی پوش میرے خاص بندے ہیں، لاکھوں انسانوں میں ان کا ایک تن میرے تعلق خاص کی برکت سے ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔

سچے عالِم تو اشراف نفس سے بھی بچتے ہیں، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو چیز اشرافِ نفس یعنی انتظارِ نفس کے بعد ملے اللہ اس میں برکت نہ دے۔

اشراف نفس کی تعریف

اشرافِ نفس کی حقیقت ہمارے حضرت مولانا تھانویؒ یہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ کسی کی چیز پر نظر کا اس طرح گڑ جانا کہ اس کے نہ ملنے پر دل میں ناگواری پیدا ہو، اور اگر دل راغب ہوا لیکن اس کے نہ ملنے پر کوئی ناگواری نہ ہوئی تو یہ اشرافِ نفس نہیں ہے بزرگوں نے ایسی چیزوں سے سخت اہتمام کے ساتھ پرہیز کیا ہے،

کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا جس چیز میں شامل ہو، وہ ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔

ایک بزرگ کی حکایت

ایک بزرگ کا واقعہ یاد آیا، وہ ایک روز فاقہ سے تھے، چہرہ متغیر ہو رہا تھا، ایک شاگرد سبق پڑھنے کے لئے حاضر ہوئے، چہرے کا رنگ دیکھ کر سمجھ گئے، عذر کر دیا کہ آج سبق نہ پڑھوں گا، اور استاد کے لئے کھانا لینے کے لئے واپس ہوئے، ان بزرگ کے دل میں انتظار پیدا ہو گیا کہ یہ میرے لئے کھانا لائے گا، چنانچہ شاگرد جب کھانا لے کر حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ بھائی میں اس کھانے کو نہ کھاؤں گا، کیونکہ مجھے انتظارِ نفس ہو گیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چیز کے لئے بد دعا فرمائی ہے، شاگرد بہت فہیم تھے، فوراً کھانا لے کر نظر سے غائب ہو گئے، اور چند منٹ کے بعد پھر کھانا لے کر حاضر ہوئے، اور عرض کیا حضرت اب تو انتظار ختم ہو گیا، اب کھا لیجئے، آپ نے فرمایا بے شک اب مجھے انتظار نہ رہا تھا، اور کھانا کھا لیا۔

استاد اور شاگرد دونوں ہی اللہ والے تھے، آج کل صحیح خبریں معلوم ہوتی رہتی ہیں کہ لوگ اپنے معتقد کی دکان پر پہنچے اور پوچھنا شروع کیا، بھائی یہ تھان کس حساب سے بکتا ہے، اس معتقد نے عرض کیا، حضرت یہ تھان آپ کی نذر ہے، اور اُن کی نظر تو پہلے ہی سے اس پر تھی، صرف ایک حرف کا فرق تھا، ان کی طرف

سے نظر میں ظاہر تھا اور معتقد کی طرف سے نذر میں ڈالی تھا۔ یہ نفس کی مکاریاں ہیں، یہ باطنی گناہ ہیں، اللہ تعالیٰ سینوں کی مخفی باتوں سے باخبر ہیں۔ ع

باخدا تزویر و حیلہ کے رواست

اللہ کے ساتھ یہ حیلہ سازی اور مکر جائز نہیں ہے

خدا کے ساتھ حیلہ سازی کا انجام

حضرت مولانا عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ خدا کے ساتھ حیلہ سازی کے انجام کے بارے میں فرماتے ہیں ؎

آنکہ سازد در دلت حیلہ و قیاس
آتشے داند زدن اندر پلاس

ترجمہ: "اے وہ شخص کہ تو اللہ کی دی ہوئی جس قوت اور اختیار سے اللہ تعالیٰ ہی کے خلاف حیلہ سازی اور باطل قیاس آرائیاں کرتا ہے تو وہ صاحبِ قدرت ذات اس مکر و فریب کے ٹاٹ میں آگ لگا دینا بھی جانتی ہے ؎

مکر حق سرچشمۂ ایں مکر ہاست
قلب بین الاصبعین کبریاست

تدبیر حق ان سب حیلوں کا سرچشمہ ہے (کما قال اللہ تعالیٰ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ) اور قلب حضرت کبریا تعالیٰ شانہٗ کی دو انگشت کے درمیان میں ہے، پس اس ذکاوت اور زیرکی کے پلان سے وہ ذات پاک پوری طرح باخبر ہے، جب تک چاہے گی تیری

ستاری اور عیب پوشی کرے گی، اور جب چاہے گی تجھ کو رسوا کر دے گی ؎

حِلمِ حق با تو مواسا ہا کند
چوں تو از حد بگذری رسوا کند

مولانا فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ کا حِلم و کرم بندوں کے عیوب کی ستاری کرتا رہتا ہے لیکن جب بندہ حد سے گزر جاتا ہے تو اس کو اپنی صفت قہاریت سے مبتلائے قہر فرما کر رسوا فرما دیتے ہیں۔

الغرض عارفین کارہائے دنیا سے اس لئے کاہل ہوتے ہیں کہ ان کے مقاصد توکّل کی برکت سے بدون اختیارِ اسباب پورے ہو جاتے ہیں، جس کی تفصیلی تقریر بیان ہو چکی، اب آگے مولانا عارفین کی ایک شان اور بیان فرماتے ہیں، جس سے ان کی عالی ہمتی اور چستیِ محمود کا ثبوت ہوتا ہے۔

امورِ آخرت میں عارفین کی عالی ہمتی

کار دنیا را زکل کاہل تراند
در رہِ عقبیٰ زمہ گومی برند

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عارفین دنیا کے کاموں میں تو سب سے زیادہ کاہل ہوتے ہیں۔ لیکن آخرت کے کاموں میں چاند سے بھی زیادہ تیز رفتاری میں سبقت لے جاتے ہیں۔ جس کو مولانا نے دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا ہے ؎

عقل ابرالاں چو پرِ جبرئیل
می پرد تا ظلِ سدرہ میل میل

یعنی اولیاء اللہ کی عقل مثل پرِ جبرئیل کے ہے جو کہ سایۂ سدرۃ المنتہیٰ تک درجہ بدرجہ اڑتی ہے ؎

ظل او اندر زمیں چو کوہ قاف
رُوحِ او سیمرغ بس عالی طواف

مولانا فرماتے ہیں کہ یہ حضرات عارفین اولیاء اللہ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے اجسام تو زمین پر چلتے پھرتے نظر آتے ہیں مگر ان کی رُوح مثل سیمرغ کے عرشِ عظیم کا طواف کرتی ہے، مراد اس سے مولانا کی یہ ہے کہ ان کی روحوں کو عالمِ قدس سے ایک خاص اتصال ہوتا ہے عوام اس اتصال سے بے خبر ہوتے ہیں ؎

ماہیان قعرِ دریائے جلال
بحر شاں آموختہ سحرِ حلال

یعنی عارفین قعر دریائے جلال کی مچھلیاں ہیں، یعنی رازداں اور رازدار بارگاہِ حق ہیں اس بحرِ جلال نے ان کو سحرِ حلال سکھادیا ہے، یعنی اُن کی باتوں میں ایسے انوار ہوتے ہیں جو دوسروں کو متاثر کردیتے ہیں۔

قلبِ عارف اور حق تعالیٰ کے درمیان مخفی راہ

درمیانِ شمس و دیں روزن رہی
ہست روزنہا نشد زاں آگہی

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ اس آفتاب حقیقی اور ان کے قلوب

کے درمیان ایک مخفی راستہ ہوتا ہے، جس سے حق تعالیٰ شانہٗ کے نفحاتِ کرم پے در پے آتے رہتے ہیں، دوسرے لوگ اس دریچۂ باطنی سے آگاہ نہیں ہیں۔

ہمارے خواجہ صاحبؒ نے خوب کہا ہے ؎

شاید کوئی اس رمز سے آگاہ نہیں ہے
باتیں تو ہیں ہر دم مگر آواز نہیں ہے

یہی وجہ ہے کہ ان عارفین کے ساتھ جو لوگ تعلق پیدا کرتے ہیں، اور جو ان کی صحبتوں کو اختیار کرتے ہیں وہ بھی عارف باللہ ہوجاتے ہیں، اور علائق فانیہ سے ان کی روحوں کو خلاصی مل جاتی ہے۔

عارفین کا مرتبۂ روح میں چاہِ دنیا سے خارج ہونا

کیونکہ عارفین مرتبۂ رُوح میں علائقِ فانیہ سے آزاد ہوچکے ہیں، اور مرتبۂ جسم میں یہ عام انسانوں کے ساتھ چلتے پھرتے ہیں، اگر ان کی رُوح دنیا کے قیدخانہ سے آزاد نہ ہوتی، تو دوسرے قیدیوں کو کس طرح آزاد کرسکتے تھے، ایک قیدی دوسرے قیدی کو کب آزاد کرسکتا ہے۔

کے دھد زندانئے دراقتناص
مرد زندانئے دیگر را خلاص

یعنی ایک زندانی جو خود شکار کردگی میں ہے دوسرے زندانی شخص کو کب رہائی دے سکتا ہے۔

جز مگر نادرے کہ فرد انئے
تن بزنداں رُوحِ او کیوانئے

یعنی بجز نادر کسی یکتا مرد کامل کے جس کا تن تو زنداں میں ہو، یعنی دنیا میں ہو مگر رُوح عالی عالمِ غیب سے تعلق رکھتی ہو، کیونکہ جو شخص خود کنویں کے اندر ہو وہ دوسرے کو کنویں سے نہیں نکال سکتا۔۔، اسی طرح جو شخص خود تعلقات ماسوٰی اللہ میں آلودہ ہو اس کی تعلیم و تربیت اور صحبت میں عادۃً یہ اثر نہیں ہوتا کہ دوسرے کے یہ تعلقات قطع ہو جائیں۔ اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ عارف کو بھی تو ہم کنویں کے اندر یعنی چاہِ دنیا میں دیکھتے ہیں، پس جب یہ خود چاہ میں ہو تو دوسروں کو کس طرح نکالے گا، حضرت عارف رومیؒ نے اس اشکال کو حل فرمایا ہے، مولانا فرماتے ہیں کہ عارف باعتبار اپنے مرتبۂ رُوح کے اس چاہ دنیا سے خارج ہو اور باعتبار مرتبۂ جسم کے اس چاہ دنیا میں موجود ہے، اور اس کا یہی جسم دوسرے کے لئے آلۂ اخراج ہے، جس طرح کہ ڈول کنویں کے اندر ہوتا ہے، مگر اس میں محبوس اور مقید نہیں ہوتا ۔۔۔، بلکہ اگر کسی محبوس کو نکالتے ہیں تو اس کا ذریعہ یہی ڈول ہوتا ہے، پس اسی طرح عارفین اپنے جسم سے یہاں ہیں تاکہ تم کو اپنے اندر لے کر پھر تم کو اپنی رُوح کے افعال سے نکال لیں ورنہ اگر وہ جسم سے بھی تمہارے ساتھ نہ ہوتے تو تمہاری خلاصی کی کوئی صورت نہ ہوتی، یا اگر عارفین میں رُوح کا مرتبہ چاہ دنیا سے خارج نہ ہوتا تب بھی تمہارے اخراج کے لئے وہ کافی نہ تھے، جیسے فرض کرو ڈول سمیت

کنوئیں کے اندر آگرے وہ دوسرے کو نہیں نکال سکتا۔

لیکن واضح رہے کہ یہ ڈول دوسروں کو اسی وقت تک نکال سکتا ہے جب تک کہ اس ڈول کا تعلق رسی کے ذریعہ کنوئیں کے اوپر نکالنے والے کے ہاتھ سے قائم ہو، اسی طرح عارف کے جسم کی صحبت و خدمت و تعلق اسی وقت تک مفید ہے جب تک اس جسم کا علاقہ رُوح سے قائم ہے، ورنہ بعد انتقال ہوجانے کے جب روح کا تعلق جسمِ عارف سے الگ ہوگیا تو اب جسمِ عارف سے طالبین کی تربیت اور تعلیم نہیں ہوسکتی جیساکہ عابدینِ[ع] قبر نادانیوں میں مبتلا رہتے ہیں، پھر مولانا فرماتے ہیں کہ عارفین کے اجسام میں اور عوام کے اجسام میں فرق عظیم ہے۔ عوام کے اجسام چاہ دنیا میں لذات دنیویہ کے طالب ہیں، اور عارفین کے اجسام لوگوں کو اس چاہ سے نکالنے میں مشغول ہیں، عوام کے اجسام کا تمامتر تعلق عالمِ عناصر سے ہے، اور اس عارف کے جسم کا معتدبہ تعلق حق تعالیٰ سے ہے کَمَا وَرَدَ فی الحدیث، کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ، اور حقیقت یہ ہے کہ عارفین کے مراتب قرب اور اُن کی جلالتِ شان کے لائق دنیا میں کوئی مثال نہیں ہے، یہ تمام تمثیلاتِ مذکورہ محض توضیح کی غرض سے لائی گئی ہیں۔ ان مثالوں سے مماثلت من کل الوجوہ نہ سمجھنا چاہئے۔ اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے، خصوص رُوحِ

ع قبر کی پرستش کرنے والے۔

عارف کہ اصل عارف ہے وہ خود غیر محسوس ہے، خصوص جب اس میں نسبت مع اللہ کا لحاظ کیا جاوے، پس غیر اشرف میں اشرف کا مماثل اور محسوسات میں غیر محسوس کا مماثل اور متعلقات بماسوی اللہ میں متعلق مع اللہ کا مماثل کہاں پایا جاسکتا ہے۔

(مستفاد من کلید مثنوی)

عارف باللہ کی شان:

عارف باللہ کی تنہا ذات لاکھوں انسانوں میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے، مولانا ارشاد فرماتے ہیں ؎

ہاں و ہاں این دلق پوشان من اند
صد ہزار اندر ہزاراں یک تن اند

یعنی اے لوگو! خوب غور سے سُن لو کہ یہ گدڑی پوش ہمارے خاص بندے ہیں میرے تعلق خاص کی برکت سے ان کا ایک تن لاکھوں انسانوں میں ایک خاص امتیازی شان رکھتا ہے۔

صد ہزاراں مرد پنہاں در یکے
صد کمان و تیر در جعبہ ناوکے

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ دنیا میں اس کی مثال موجود ہے کہ جب آدمی کسی خاص ادا پر فریفتہ ہوجاتا ہے تو اس معشوق کی جنبشِ مژگاں میں اس عاشق کو تو کمان اور تو تیر معلوم ہوتے ہیں عشق بھی عجیب چیز ہے۔

مجنوں کی طرف سے مولانا فرماتے ہیں ؎

مجنوں کا احترامِ عشق

آں سگے کو باشد اندر کوئے او
من بشیراں کے دہم یک موئے او
آں سگے کو گشت در کویش مقیم
خاک پائش بہ ز شیرانِ عظیم

مجنوں کہتا ہے کہ وہ کتا جو لیلیٰ کی گلی میں رہتا ہے میرے دل میں اس کی اس قدر عظمت ہے کہ میں شیروں کو اس کتے کا ایک بال بھی دینے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا، اور وہ کتا جو لیلیٰ کی گلی میں مقیم ہے اس کے پیر کی خاک شیرانِ عظیم سے بہتر ہے۔

نسبتِ خود بسگت کردم وبس منفعلم
زانکہ نسبت بہ سگے کوئے تو شد بے ادبی

ایک عاشق کہتا ہے کہ اے محبوب میں نے ادبِ عشق سے اپنی نسبت آپ کے کتے کی طرف کی، لیکن پھر بھی مجھے اس انتساب سے شرمندگی ہے، کیونکہ آپ کی گلی کے کتے کی طرف بھی نسبت کرنا طریقِ عشق میں بے ادبی ہے، عشق کا راستہ بہت ادب کا راستہ ہوتا ہے طُرُقُ الْعِشْقِ کُلُّھَا اَدَبٌ، یعنی عشق کا ہر ایک راستہ سرتا پا ادب کا راستہ ہے۔

ایک مردار لیلیٰ کے عشق میں مجنوں نادان کا یہ حال ہوگیا تھا، یعنی کس درجہ ادب کا غلبہ ہوگیا، تو پھر عشقِ مولیٰ تو عجیب و غریب چیز ہے ؎

عشقِ مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود
گوئے گشتن بہر او اولے بود

اللہ کا عشق جس پر اثر کر جائے اس کا کیا حال ہوگا، وہ اللہ جس نے لیلےٰ کو لیلےٰ بنایا تھا اور لاکھوں کو لیلیٰ بناتا ہے اور پھر خاک میں ملا دیتا ہے، اس کی محبّت لیلیٰ کی محبّت سے کب کم ہو سکتی ہے۔

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند
صاف گر نہ باشد ندانم چوں کند

عاشق اللہ تعالیٰ کے راستہ کو بہت جلد قطع کر لیتا ہے، کیونکہ عشق کامل معرفت کاملہ سے پیدا ہوتا ہے۔

معرفت سے محبّت پیدا ہونے کی ایک عجیب مثال!

معرفت الٰہیہ کے لئے محبت الٰہیہ لازم ہے، اور محبت موقوف ہے معرفت پر۔ میں اس کی ایک مثال سے توضیح کرتا ہوں، اور یہ مثال ایسی ہے جس سے اکثر سابقہ بھی پڑتا رہتا ہے۔ کسی جگہ دو شخص گفتگو کر رہے ہیں، ایک دوسرے کو پہچانتا نہیں ہے، ایک تیسرا شخص آتا ہے وہ دونوں میں تعارف کرا دیتا ہے، اب یہ دونوں اس جان پہچان کے بعد یک بیک کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کو سینے سے لگا لیتے ہیں، اور ان دونوں میں

؎ (ترجمہ) مولیٰ کا عشق لیلیٰ سے کب کم ہو سکتا ہے کہ لیلیٰ فانی اور مخلوق ہے اور مولیٰ باقی اور خالق ہے پس ان کے لئے سرتاپا تابعدار ہو جانا نہایت بہتر ہے۔

جس درجہ کا تعلق ہوتا ہے اسی درجہ محبت کی ایک عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے، اس تعارف کرانے والے کو مُعَرِّف کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اور بندوں میں جان پہچان کرانے کے لئے انبیاء علیہم السّلام معرّف بناکر بھیجے جاتے ہیں، پھر اُن کے سچے متبعین اور نائبین سے یہی کام حق تعالیٰ لیتے ہیں۔

طریق زہد اور طریق عشق

طریق زُہد اور طریق عِشق یہ دو طریق وصول الی اللہ کے ہیں۔ طریق زہد میں بہت دیر لگتی ہے اور طریق عشق بہت جلد مقصود تک پہنچا دیتا ہے۔

ہمارے حضرت مرشد مولانا تھانویؒ اس کو یوں سمجھایا کرتے تھے کہ ایک زمین ہے جس میں کھیتی کرنا ہے، اور یہ زمین یوں تو غیر مزروعہ ہے، لیکن خاردار درختوں سے پُر ہے، اب اس زمین کو قابل زراعت بنانے کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ ایک ایک خاردار درخت کو کاٹ کاٹ کر باہر پھینک دیں، اور اس طرح کرتے کرتے عرصۂ دراز کے بعد یہ زمین ایک نہ ایک دن صاف ہو کر قابل کاشت ہو جاوے گی، دوسری صورت یہ ہے کہ تمام درختوں پر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دیں اور سب جل کر راکھ کا ڈھیر ہو جاویں۔

عشق آں شعلہ است کو چوں برفروخت
ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

یعنی عشق وہ شعلہ ہے کہ جب روشن ہو جاتا ہے تو معشوق کے علاوہ تمام غیر ضروری تعلّقات کو سوختہ کر دیتا ہے۔

بس یہی دوسرا طریقہ طریق عشق ہے، اور پہلا طریقہ طریق زہد ہے، قلب میں جس قدر اخلاق رزیلہ اور علائق فانیہ اپنی جڑ پکڑے ہوئے ہیں، ان کو ایک ایک کر کے الگ کرنے میں ایک عمر چاہئے، اور اس زمانہ میں یونہی اوسطاً لوگوں کی عمر زیادہ سے زیادہ صرف ساٹھ یا ستّر سال کی ہوتی ہے، اور اللہ کی محبت کی آگ تمام غیر حق کے تعلقات کو سوختہ کر دیتی ہے، اسی کو ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

صنمارہِ قلندر سزاوار بمن نمائی
کہ دراز دور دیدم رہ ورسم پارسائی

صنم سے مراد شیخ کامل ہے، یعنی اے محبوب شیخ اگر میرے لئے آپ مناسب سمجھیں تو طریق عشق سے میرا راستہ قطع کرا دیجئے، کیونکہ طریق زہد کا راستہ بہت لمبا ہے۔

فرق سیر زاھد و سیر عارف

اسی کو حضرت عارفؒ فرماتے ہیں ؎

سیر زاھد ہر مہے یک روزہ را
سیر عارف ہر دمے تا تخت شاہ

کہ زاہد طریق زہد سے ایک ماہ میں ایک روز کی مسافت طے کرتا ہے اور عارف کی سیر ہر سانس میں تخت شاہ تک ہوتی رہتی ہے

مذاقِ قلندری کی تحقیق

حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ "رہِ قلندر" ایک خاص اصطلاح ہے۔ "قلندریہ" ایک طبقہ اولیاء اللہ میں ہوتا ہے، جو ایک خاص مذاق اور ایک مخصوص رنگ نسبت سے مشرف ہوتا ہے، جن اولیاء اللہ کو ہر وقت حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ ایک خاص کیفیت استحضاری نصیب ہو جاتی ہے، اور ان کے سر پر ہر وقت نسبت کا گویا ایک پہاڑ رکھا ہوتا ہے، ایسے حضرات اگرچہ بظاہر تکثیر نوافل اور تکثیرِ وظائف میں مشغول نظر نہیں آتے ہیں، لیکن ان کے باطن پر کسی وقت غفلت اور ذہول نہیں طاری ہوتا ہے، یہ حضرات تکثیرِ اوراد اور وظائف سے زیادہ اس امر کا اہتمام رکھتے ہیں کہ قلب ایک لمحہ کو بھی حق تعالیٰ شانہٗ سے غافل نہ ہو، اسی مذاق کا نام مذاق قلندری ہے۔

حضرات صحابہؓ کی شانِ محبت

طریقِ عشق میں بڑی برکت ہوتی ہے، محبت تمام تلخیوں کو آسان کر دیتی ہے، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے سب طریق عشق سے راستہ قطع کرنے والے تھے، وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (الآیہ)۔ اللہ تعالیٰ حضرات صحابہؓ کی شان میں ارشاد فرماتے ہیں، کہ اور جو لوگ میری ذات پاک پر ایمان لائے ہیں یہ اپنے اللہ کی محبت میں نہایت سرگرم ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی شدتِ محبت

کی شہادت دے رہے ہیں، اور اس شدّتِ محبت کے ثبوت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے رسول پاکؐ کی معیت کے فیض سے ہمیں پہچان گئے ہیں، اور ہماری معرفتِ کاملہ کے صدقہ میں ہماری محبّت کاملہ سے مشرف ہوگئے ہیں، اور اس قدر گہرا تعلق میری ذات پاک کے ساتھ ان جانوں کو ہوگیا ہے کہ یہ میری رضا اور خوشی کے لئے اپنی جانوں کو قربان کرنے کے لئے ؏

سرِ میدان کفن بر دوش دارم

کا نعرۂ عشق بلند کر رہے ہیں، شدّتِ محبّت کے دو پہلو ہوتے ہیں، ایک تو یہ کہ محبوب کا محبوب بھی محبوب ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ محبوب کی گلی کا ایک ادنیٰ کتا بھی محبوب ہو جاتا ہے۔

مجنوں کی حکایت

واقعہ ہے کہ ایک بار مجنوں ایک کتے کو گود میں لے کر اس کے پیر کی خاک چوم رہا تھا، مخلوق نے کہا، اے مجنوں یہ تو کیا کر رہا ہے، مجنوں نے جواب دیا کہ ؎

کایں طلسمِ بستۂ مولیٰ ست ایں　　پاسباں کوچۂ لیلیٰ ست ایں

یعنی یہ کتا لیلیٰ کی گلی کا چوکیدار ہے، اس کا حسین نقشہ حق تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے ؎

آں سگے کو گشت در کویش مقیم
خاک پایش بہ ز شیرانِ عظیم

وہ کتا جو لیلیٰ کی گلی میں قیام کرتا ہے اس کے پیر کی خاک بڑے بڑے شیروں سے بہتر ہے ؎

آں سگے کو باشد اندر کوئے او
من بشیراں کے دہم یک موئے او

وہ کتا جو لیلیٰ کی گلی میں رہتا ہے میں اس کا ایک بال شیروں کو کب دے سکتا ہوں ۔۔

اے کہ شیراں مر سگانش را غلام
گفتن امکاں نیست خامش والسلام

محبت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ محبوب کا دشمن مبغوض ہو جاوے یہاں تک کہ مبغوضین کی خاص وضع اور ان کے طرز و اطوار خاصہ اور ان کے خصوصی شعار سے بھی نفرت ہو جاوے ، یہ محبت کا ایک ذاتی خاصہ ہے ۔

اور محبت کا ایک تیسرا پہلو یہ بھی ہے جو ان دونوں پہلوؤں کی رُوح ہے ، وہ محبوب کی اطاعت اور اس کی یاد ہے ، اور یہ بھی محبت کی ایک ذاتی صفت ہے ، اسی کو صاحب قصیدۂ بردہ فرماتے ہیں ؎

اَیَحْسَبُ الصَّبُّ اَنَّ الْحُبَّ مُنْکَتِمٌ
مَا بَیْنَ مُنْسَجِمٍ مِّنْہُ وَ مُضْطَرِمٍ

محبّت کے دو گواہ

(ترجمہ) کیا عاشق اس بات کا گمان کرتا ہے کہ اس کی محبت پوشیدہ رہ سکتی ہے درانحالیکہ اس عاشق کی آنکھیں محبوب کی یاد میں رونے والی ہیں، اور قلب حرارت عشق سے مشتعل ہو رہا ہے، ان دو گواہوں کی شہادت کے بعد اس کا عشق کب چھپ سکتا ہے۔

حضراتِ صحابہؓ کی شدّتِ محبّت کا ایک رُخ

حق سبحانہٗ تعالیٰ نے حضراتِ صحابہؓ کی تعریف میں اس مقام پر محبّت کی ان تینوں صفتوں کو بیان فرمایا ہے۔

ایک تو یہ کہ میری محبت کی وجہ سے میرے منکرین سے اور میری شان سے گستاخی کرنے والوں سے یہ لوگ جان ستانی اور جانبازی کا معاملہ کرنے والے ہیں ؎

حُسن جب مقتل کی جانب تیغِ بّراں لے چلا
عشق اپنے مجرموں کو پابجولاں لے چلا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری محبت میں جان دینے کے لئے اور جان لینے کے لئے میدانِ جہاد میں اس طرح باہمت کھڑے ہوتے ہیں کہ گویا یہ ایک عمارت ہیں جس کے اندر سیسہ پگھلا کر ڈال دیا گیا ہے۔

مولانا عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

بر سرِ مقطوع اگر صد خندق ست ❊ پیشِ دردِ او مزاحِ مطلق ست

یعنی جو سر عشق سے مقطوع ہو اس کے سامنے اگرچہ سو خندق ہوں، لیکن سر بریدہ عشق کے درد کے سامنے یہ صدہا خندق محض ایک مزاح کی حیثیت رکھتے ہیں ؎

عشق خونی چوں کند برزہ کماں
صد ہزاراں سر بپولے از زماں

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ عشق خونی جب چلہ کمان پر چڑھا لیتا ہے تو ہزاروں سر اس وقت میں ایک پیسہ میں بک جاتے ہیں۔

اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کی صفت کو حق تعالیٰ نے رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کی صفت پر مقدم فرمایا ہے، اس میں عجیب راز ہے جس کو مولانا رومؒ حل فرماتے ہیں ؎

عشق از اوّل چرا خونی بود
تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

مولانا فرماتے ہیں کہ عشق کا منظر اوّل وہلہ میں بہت خونی معلوم ہوتا ہے تاکہ غیر عاشق نہ داخل ہو سکے، کیونکہ دربارِ عشق دربار خاص ہے، یہاں تو صرف سراپردۂ جلال ہے، یہاں اس کا گزر کب ہو سکتا ہے جس کے دل میں نفاق اور ملال ہو ؎

نماند سراپردہ اِلّا جلال
بدرد یقیں پردہ ہائے خیال[ع]

اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ میں چونکہ جانبازی کا معاملہ تھا اور

ع ترجمہ:۔ سوا سراپردۂ جلال کے اور کوئی پردہ باقی نہ رہا، یقین کا نور تمام پردہ ہائے خیال کو پھاڑ دیتا ہے، سراپردہ اس آخری پردہ کو کہتے ہیں جو بادشاہ کے سامنے پڑا ہوتا ہے۔

جانبازی ہی عشق کا خاص جھنڈا ہے، جو سلطنت عشق کو دوسری سلطنتوں سے ممتاز کردیتا ہے ؎

من علم انگوں بصحرا می زنم
یا سر اندازی و یا روئے صنم

مولانا رومیؒ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں میدان میں اب اپنی محبّت کا جھنڈا گاڑوں گا یا تو سر دیدوں گا یا محبوب کی زیارت کروں گا، یعنی عاشقین صادقین کو محبوب کے لئے جان دے دینا آسان ہوتا ہے۔

پس اس آیت میں حق تعالیٰ شانہٗ نے اوّلاً حضرات صحابہؓ کی جانبازی کے تمام جہادی کارناموں کا ایک ایسا اجمال رکھ دیا ہے جو تمام تفصیل کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے، موقعِ جہاد میں ایسے بھی مواقع حضرات صحابہؓ کو پیش آئے ہیں کہ باپ صحابی ہو اور مقابلہ میں بیٹا کافر ہے، اللہ کی محبّت کی سرگرمی کا مظاہرہ اس وقت قابلِ دید تھا، اس سرزمین کا ہر ذرّہ مست ہوگیا ہوگا کہ میرے اوپر اللہ کی محبت میں یہ رجال اللہ یعنی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ کارزار میں آج اپنی اس محبّت کا حق ادا کر رہے ہیں۔

ساقیِ اَلَسْتُ کا اِنعام

جو اِن کو ساقیِ اَلَسْتُ نے روزِ میثاق عالمِ ارواح میں پلادی تھی ؎

جُرعہ مے ریخت ساقیِ اَلَسْتُ
بر سرایں خاک شد ہر ذرہ مست

مولاناؒ فرماتے ہیں ساقیِ الست نے مے معرفت اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کا ایک جُرعہ اس خاک پر ڈال دیا تھا جس کے فیض سے اس خاک کا ہر ذرّہ مست ہو گیا، عالم ارواح سے ہم کو انہی کارنامہ ہائے محبت کے لئے الگ کیا گیا ہے، کیونکہ عالمِ ارواح میں جانبازی اور سراندازی کے آلات نہ تھے، اس عالم پاک میں مادّیات کا گذر نہیں ہو سکتا ہے، اور یہ آلات ہاتھ، پاؤں، سر، دل، دماغ سب مادی ہیں، اور حق تعالیٰ کو اپنے بندوں کا اپنی راہ میں گرم بازاریِ عشق کا مظاہرہ دیکھنا منظور تھا، اس لئے عالم ارواح سے اس عالم ناسوت میں ایک مدّت معیّنہ کے لئے آلاتِ محبّت دے کر یعنی اجسام کا خلعت انعام فرما کر بھیج دیا ہے جسم تو ہمارا خاکی ہے لیکن رُوح عالم امر سے کٹ کر آئی ہے۔

بشنو از نے چوں حکایت می کند
کز جدائیہا شکایت می کند

یعنی بانسری کی آواز سنو، کہ جس وقت وہ حکایت بیان کرتی ہے یعنی جب وہ اپنی جدائی کا غم بیان کرتی ہے ؎

کز نیستاں تا امرا ببریدہ اند
از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

یعنی بانسری کا نالۂ نے بزبان حال یہ کہتا ہے کہ مجھ کو نیستاں یعنی میرے اصل مرکز سے مجھ کو جُدا کر دیا ہے، اسی جدائی کے غم سے آج میرے نالوں سے تمام مرد و زن نالاں ہیں، یعنی میری آواز دردناک سننے والوں پر گریہ طاری ہو جاتا ہے ؎

ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش
باز جوید روزگار اصل خویش

یعنی مولانا قاعدہ کلیہ بیان فرماتے ہیں کہ ہر شخص جو اپنے اصل مرکز سے دور ہوگا تو پھر وہ اپنے زمانۂ وصل کا طلب گار ہوگا۔

مولانا رومؒ نے رُوح کو بانسری سے تشبیہ دی ہے، اور یہ تشبیہ محض سمجھانے کے لئے ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ رُوح کا عالَم عالَمِ امر ہے اور بانسری عالمِ ناسوت کی چیز ہے، چہ نسبت خاک را با عالَمِ پاک، یہاں تشبیہ من کل الوجوہ نہیں ہے، بلکہ صرف اس جہت سے تشبیہ دی ہے کہ بانسری کو اس کے اصل مرکز سے کاٹ کر جدا کرتے ہیں، اور اس بانسری میں رونے کی سی آواز جو نکلتی ہے اس کو نالۂ غمِ جدائی از اصل سے تشبیہ دی ہے۔ پس اسی طرح روح کو اس کے اصل مرکز سے یعنی قربِ خاص عالَمِ امر سے جدا کر کے ایفاءِ عہدِ الست کے لئے دنیا میں بھیجا ہے۔

اسی کو حضرت رومیؒ فرماتے ہیں ؎

ناف بر ما مہر خود ببریدہ اند
عشق خود در جانِ ما کاریدہ اند

(اصل شعر میں "برمہراد" اور "عشق او" ہے، ضرورت کے لئے ترمیم کرلی گئی ہے) یعنی حق تعالیٰ نے پیدائش کے وقت میری ناف کو ایفاءِ عہدِ وفا اور محبت کی شرط پر کاٹا ہے، مراد یہ ہے کہ عالَمِ امر سے بشرطِ ایفاءِ عہدِ الست جدا فرمایا ہے، اور اپنی محبت کو اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ فرما کر ہماری جان میں بو دیا ہے، محبت کا بیج

وہیں سے رکھ دیا ہے، دنیا میں اس کے پھل پھول پیدا ہوں گے، اسی کو ہمارے خواجہ صاحب مجذوبؒ فرماتے ہیں ؎

دل ازل سے ہے کوئی آج کا شیدائی ہے
تھی جو اک چوٹ پرانی وہ ابھر آئی ہے

الحمدللہ! آیت مذکورۃ الصدر پر میری ایک الہامی تقریر ہے، اگر آج میرے مرشد حضرت تھانوی قدس سرہ العزیز بحیات طیبہ تشریف فرما ہوتے تو اس تقریر کو سُن کر بہت خوش ہوتے، اور یہ سب انہی کی غلامی کا صدقہ ہے، واللہ میں کچھ نہیں ہوں، جو لوگ مجھ سے اعتقاد ظاہر کرتے ہیں تو مجھے اپنے اوپر ہنسی معلوم ہوتی ہے کہ اس خالی خولی بندہ سے کیوں ایسی عقیدت رکھتے ہیں، درحقیقت اچھے اچھے بندے جب اٹھ جاتے ہیں تو بقول شخصے گندم اگر بہم نہ رسد بھُس غنیمت است، یعنی جب گیہوں نہیں ملتا ہے تو لوگ گیہوں کی بھُوسی ہی کو غنیمت سمجھنے لگتے ہیں، وہی حال میرا ہے۔

حضرت حاجی صاحب مہاجر مکیؒ دادا پیر قدس سرہٗ کا ارشاد ہے ؎

جو تھے نوری وہ گئے افلاک پر
مثل تلچھٹ رہ گیا میں خاک پر

حضرت حاجی صاحب علیہ الرحمۃ کا دوسرا ارشاد ہے ؎

بلبلوں نے گھر کیا گلشن میں جا
بُوم ویرانے میں ٹکر اتا رہا

حضرت مرشدی تھانویؒ کے نام پاک کی طرف جو ایک نام کا انتساب ہے آج اسی کا یہ بیچارے لحاظ کرتے ہیں، میں سچ کہتا ہوں کہ قیامت کے دن جب حق تعالیٰ مجھ سے دریافت فرمائیں گے کہ میں نے تجھ کو ایسا پیر دیا تھا جو اپنے وقت کا غوثِ زمان اور مجدّدِ زماں تھا، اور روئے زمین پر اجلۂ آیات کبریٰ میں سے ایک ممتاز فرد تھا، ہائے جن کی شان میں رمزی اٹاوی نے خوب لکھا ہے ؎

کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ میخانہ

تو تُو نے میری اس نعمتِ عظمیٰ اور آیتِ کبریٰ کا کیا حق ادا کیا؟ تو میں اس وقت حق تعالیٰ شانہٗ کے سامنے اس سوال سے شرمندہ ہو جاؤں گا اور یہی عرض کروں گا کہ اے اللہ مجھ سے کچھ حق ادا نہ ہوا۔

تقریر اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ

وہ تقریر اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے روزِ میثاق عالمِ ارواح سے ایک معاہدہ لیا، ارشاد فرماتے ہیں، وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَاَشْھَدَھُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ ج اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی ج شَھِدْنَا۔ (ترجمہ) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں "اور جب کہ آپ کے ربّ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا، اور ان سے انہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا

ربّ نہیں ہوں، سب نے کہا کیوں نہیں، ہم سب گواہ بنتے ہیں"۔
جب حق تعالیٰ نے ارواح سے یہ سوال فرمایا کہ کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں تو اس سوال کے اندر ربوبیت کے انوار موجود تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک نور ہے ان کا کلام نور ہے، اس سوال کے ساتھ ساتھ انوار ربوبیت ارواح پر پھیل گئے، اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں، یہاں یہ نہیں فرمایا کہ کیا میں تمہارا اللہ نہیں ہوں، ربّ فرما کر اپنی ربوبیّت کی تجلّی دکھلا دی، اسی سوال میں ارواح نے اپنے رب کو دیکھا اور رب کی ربوبیت کو دیکھا اور دیکھ کر کہا بَلٰی، کیوں نہیں، یعنی بے شک آپ ہمارے رب ہیں، نور کی شان ظاھر لنفسہ اور مظہر لغیرہ ہے یعنی نور خود ظاہر ہوتا ہے اور اپنے غیر کو بھی ظاہر کر دیتا ہے، پس حق تعالیٰ شانہٗ کی صفت ربوبیت کی جب ارواح پر تجلّی ہوئی تو ارواح پر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا تفصیلی کمال اور اپنی تفصیلی احتیاج و فقر کا انکشاف ہوگیا، اور دیکھ کر اقرار کیا کہ بے شک آپ ہمارے رب ہیں، جس وقت اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ فرمایا تو اسم پاک ربّ کے انوار نے ارواح کو مست کر دیا، ہمارے خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

یہ کون آیا کہ دھیمی پڑ گئی لَو شمعِ محفل کی
پتنگوں کے عوض اڑنے لگیں چنگاریاں دل کی
کہیں کون و مکاں میں جو نہ رکھی جا سکی آجؔ دل
غضب دیکھا وہ چنگاری مری مٹی میں شامل کی

حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

جرعۂ مے ریخت ساقی اَلَسْت
بر سر ایں خاک شد ہر ذرّہ مست

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ ساقیِ الست بربکم نے عالم ارواح میں اپنی محبت کی شراب کا جو جرعہ خاک پر ڈال دیا تھا، اس کے فیض سے ہر ذرّہ خاک کا مست ہو گیا، اور اسی دیوانگی اور محبت میں اس خاکی پُتلے نے اس امانت کا بار اٹھالیا جس کے بار سے ہفت آسمان اور زمین کانپ اٹھے تھے، فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا، مگر یہ انکار سرکشی کے سبب نہ تھا، وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا سے اس شبہ کو رفع فرما دیا، یعنی ڈر کے مارے انکار کیا تھا اور انسان نے اس امانت کو اٹھالیا۔

اِطاعت کی صحیح تعریف

محبت عجیب چیز ہے، احکام الٰہیہ کے بار کو محبت نے بار نہیں سمجھا، محبت اطاعت کو آسان کر دیتی ہے، اور اطاعت بھی درحقیقت وہی ہے جو محبت کے ساتھ ہو، کیوں کہ اطاعت طَوْعٌ سے ہے اور طَوْعٌ کراہت کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اِئْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْهًا قَالَتَا اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ (ترجمہ) "سو اس نے آسمان اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی سے، دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں"۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے سامنے زمین اور آسمان مثل زندوں کے غلام ہیں اور ان کی ایک مخصوص حیات ہے ۔ اسی کو حضرت عارف رومیؒ نے فرمایا ہے ؎

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند
با من و تو مُردہ با حق زندہ اند

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ مٹی ، ہوا ، پانی ، آگ سب حق تعالیٰ کے سامنے دست بستہ غلام ہیں ، ہمارے تمہارے سامنے بظاہر مُردہ ہیں ، مگر حق تعالیٰ کے ساتھ ہر ایک کا زندوں جیسا تعلق ہے ۔

اور اس آیت میں طَوْعٌ کو کراہت کے مقابلہ میں استعمال فرمانا بتاتا ہے اس امر کو کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت خوشی خوشی محبّت کے ساتھ مطلوب ہے ، یعنی عقلاً اور اعتقاداً کسل اور کراہت نہ ہونا چاہئے ، رہا طبعی کسل اور کاہلی ، یہ امور غیر اختیاریہ ہیں ، جن کا بندہ مکلّف نہیں ہے ، ہمارے مُرشد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کسل طبعی مضر نہیں ہے ، کسل اعتقادی مضر ہے ، کسل طبعی کبھی صحت کی خرابی سے بھی لاحق ہو جاتی ہے ، بعض لوگ نادانی سے احکامِ شرعیہ کو بار سمجھتے ہیں اور یہ شعر حیلہ سازی کے لئے پڑھتے ہیں ؎

ایک مشہور شعر سے غلط فہمی اور اس کا جواب :

درمیان قعرِ دریا تختہ بندم کردۂ
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

تو درحقیقت اس شعر کو حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف خطاب کرنا سخت گستاخی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا اللہ تعالیٰ کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ بار نہیں رکھتے ہیں۔

ہم لوگ علائق غیر ضروریہ سے اپنے قلب کو مقید کر کے ذکر اللہ سے اپنے کو غافل کر دیتے ہیں، پھر یہ شکایت کرتے ہیں کہ معمولات میں سستی اور ناغہ ہو جاتا ہے اور ہمارا دل ہمیں مخاطب کر کے کہتا ہے "او نادان"

در میانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردۂ
باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

ہمارا دل مستحق ہے اس بات کا کہ وہ ہمیں اس شعر سے خطاب کرے، اس شعر کا اصلی مصداق ہمارا نفس ہے، ہم خود ایسے اسباب غفلت میں اپنے کو گھیر لیتے ہیں جو ہمیں ذکر اللہ کے لئے فرصت نہیں دیتے، یہی راز ہے جو حق تعالیٰ نے وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ کو خشوع فی الصلوٰۃ کی آیت کے بعد ارشاد فرمایا ہے، یعنی نماز میں خشوع انہی لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جو لوگ تمام لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔

نماز میں خشوع کی تعریف

خشوع کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی عظمت کا ایسا دھیان غالب ہو جائے جس سے بندہ دب جائے، نماز میں کھڑا ہے تو

اللہ کی عظمت کے سامنے دبا ہوا کھڑا ہے، رکوع میں ہے عظمتِ الٰہیہ کے سامنے دبا ہوا جھکا ہوا ہے، سجدہ میں ہے عظمتِ الٰہیہ کے سامنے دبا ہوا پڑا ہے، تو یہ کیفیت انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو لغو باتوں سے بچتے ہیں، اپنے تمام اعضاء کو نافرمانیوں کی گندگی سے بچاتے ہیں، جو خارج نماز میں اپنی شان غلامی کا حق ادا کرتا ہے وہ داخلِ نماز میں بھی غلامی کا تاج سر پر رکھتا ہے، پنجگانہ نمازوں کے درمیانی وقفات اور اوقات میں بھی بندہ غلام ہے، نماز کے بعد آزاد نہیں ہو جاتا ہے کہ اب جو جی چاہے کریں، خواہ جھوٹ بولیں یا کسی عورت پر بدنگاہی کریں، یا دل کو ذکر اللہ سے غافل کر کے اسباب معاش میں حلال و حرام کی تمیز چھوڑ بیٹھیں، بندہ تو ہر وقت بندہ ہے، خارجِ نماز میں بندہ ہے، غلام کی ہر سانس غلام ہوتی ہے۔

حصول خشوع فی الصلوٰۃ کا طریقہ

جو شخص خارج نماز میں اپنے اعضاء کی جس قدر حفاظت کرتا ہے اور گناہوں کی گندگی سے پاک رکھتا ہے اسی قدر داخلِ نماز میں اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص حضوری اور خشوع میسر ہوتا ہے، یہی وہ بندے ہیں کہ نماز میں بھی غلامی کا تاج سروں پر ہے اور خارج نماز میں بھی غلامی کا تاج سروں پر ہے ؎

غلام نرگسِ مستِ تو تاجدار انند
خراب بادۂ لعلِ تو ہوشیار انند

؎ پیرِ ما سرِّ عالمِ مستی
با دلِ ہوشیار میگوید

امانت الٰہیہ کا بار کس نے اٹھایا

الغرض انسان نے روزِ میثاق اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے سوال میں جو انوار اور تجلیات ربوبیت کے دیکھے تھے اس کی لذت اور کیفیت نے اس امانت الٰہیہ کو یعنی احکام شرعیہ کے بار کو اٹھانے پر آمادہ کر دیا اور خوشی خوشی بزبان حال ارواح نے کہا ؎

رو رو اے جاں زود زنجیرے بیار

یعنی اے جان جا، اور جلد اس محبت کی زنجیر کو ہاتھ میں لے لے۔

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے انوارِ ربوبیت میں میاں نے اپنے کو دکھا دیا، اور ارواح نے دیکھ کر کہا بے شک آپ ہمارے رب ہیں، لفظ بَلٰی نفی توڑنے کے لئے استعمال ہوتا ہے (لانتقاضِ النفی) قَالُوْا بَلٰی کا عنوان بتاتا ہے کہ ارواح نے دیکھ کر کہا کہ کیوں نہیں، بدون دیکھے ہوئے ایسا عنوان نکل ہی نہیں سکتا ہے، اور اس آیت سے متصلاً شَہِدْنَا فرمانا اس کی اور تائید کرتا ہے، قَالُوْا بَلٰی ج شَہِدْنَا ہم سب گواہ بنتے ہیں، یہ گواہی بتاتی ہے کہ ارواح نے انوار ربوبیت کو دیکھا اور دیکھ کر گواہی دی کہ ہم سب آپ کی ربوبیت

؎ ہمارا پیر عالمِ مستی کا بھید ہوشیار دل سے بیان کرتا ہے۔

کے گواہ ہیں، شہدنا سے اس تقریر کی اور بھی تائید ہو جاتی ہے، کیونکہ شہادت تو دیکھ کر ہی معتبر ہوتی ہے، پیدا فرما کر اپنی تربیت میں رکھ کر تب فرمایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، تھے تو اس وقت چیونٹی جیسے، مگر بیج ہی میں تو پورا درخت ہوتا ہے، ارواح نے اپنے وجود کو اور اپنے وجود پر تربیت کے آثار کو دیکھ کر عرض کیا بیشک آپ ہمارے ربّ ہیں، اُوپر بیتی ہوئی ربوبیت کا اقرار کیا تھا۔

اس تقریر کے بعد میں نے جب حضرت مرشدی قدس سرہٗ کی تفسیر بیان القرآن میں اس مقام کو دیکھا تو بیحد خوشی ہوئی، کیونکہ حضرتؒ نے بین القوسین جو عبارت تحریر فرمائی ہے اس میں میری تقریر کی تائید موجود ہے، حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ سے پہلے بین القوسین یہ عبارت تحریر فرمائی ہے اور (ان کو سمجھ عطا فرما کر) ان سے انہی کے متعلق اقرار لیا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے (اُس عقل خداداد سے حقیقتِ امر سمجھ کر) جواب دیا کہ کیوں نہیں (واقعی آپ ہمارے ربّ ہیں، حق تعالیٰ نے وہاں جتنے ملائکہ اور مخلوقات حاضر تھے سب کو گواہ کر کے سب کی طرف سے فرمایا) ہم سب اس واقعہ کے گواہ بنتے ہیں، صاحبِ رُوح المعانی نے حضرت ذوالنون مصریؒ کا قول نقل کیا ہے کَاَنَّہُ الْاٰنَ فِیْ اُذُنِیْ، کسی نے آپ سے سوال کیا تھا کہ کیا آپ کو روزِ میثاق کا وہ سوال اللہ تعالیٰ کا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ اور وہ جواب ارواح کا بَلٰی کہنا یاد ہے؟ تو آپ نے فرمایا مجھے اس طرح یاد ہے کہ گویا میرے کان میں اس وقت بھی وہ

آواز گونج رہی ہے۔ (از تفسیر بیان القرآن)

اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ میں ذکر صفتِ رُبُوبِیَّت کی حکمت

حق تعالیٰ شانہٗ نے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے سوال سے ارواح میں اپنی ربوبیت کی معرفت کی ایک خاص استعداد عطا فرمادی، اور اس سوال سے یہ بتادیا کہ ہماری پہچان ہماری صفتِ ربوبیت سے ہوگی، ہماری شانِ ربوبیت ہماری جملہ صفات کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے، پس ربوبیت کے باب سے ہماری جملہ صفات کی معرفت ہوجاوے گی، اللہ تعالیٰ کی صفتِ ربوبیت کو معرفت میں بڑا دخل ہے، کیونکہ سارے عالم میں ان کی ربوبیت کا کارخانہ پھیلا ہوا ہے جس کو دن رات ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، آسمان، زمین، سورج، چاند، ستارے، پردا، پچھوا، گرم سرد ہوائیں، دریا، پہاڑ، رات دن کا آنا جانا، موسموں کے تغیرات، ہر درخت، ہر ایک پھول، ہر ایک پتی اور پتیوں کے باریک رگ و ریشہ میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ہمارے مشاہدات میں ہے، ہر ذرہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور معیت کا لگاؤ ہے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں فَذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ دیکھتے نہیں ہو یہ کیا ہے تمہارا اللہ تمہارے سامنے ہے، جو تمہاری تربیت فرمارہا ہے اور سارے عالم کا پروردگار ہے فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ، پھر حق کے بعد اور کیا رہ گیا بجز گمراہی کے پھر کہاں

تم پھرے جاتے ہو۔

تمام مصنوعات اور مخلوقات میں تربیت کے سارے تصرفات اللہ تعالیٰ ہی کے دستِ قدرت سے ہو رہے ہیں، اللہ کی ربوبیت اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کو بالکل سامنے کر دیتی ہے، ارشاد فرماتے ہیں:۔

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝

اور یقین لانیوالوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں اور خود تمہاری ذات میں بھی تو کیا تم کو دکھائی نہیں دیتا۔

تقدیم صفت شدّت علی الکفار کی حکمت

حق تعالیٰ نے حضرات صحابہؓ کی شان میں اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ کی صفت کو مقدم فرما کر منافقین کا قلع قمع فرمادیا کیونکہ جان دینا منافق کا کام نہیں ہے ؎

کارِ مرداں روشنی و گرمی است
کارِ دوناں حیلہ و بے شرمی است

یعنی مَردوں کا کام روشنی و گرمی ہے اور کمینوں کا کام حیلہ سازی اور بے حیائی ہے، اس صفت کی تقدیم میں بڑے علوم رکھ دیئے ہیں ؎

عشق اوّل از چرا خونی بود
تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ عشق کا دروازہ اوّلاً خونی کیوں نظر آتا ہے تاکہ بیرونی لوگ یعنی غیر مخلصین بھاگ جائیں اور جو اپنے محبِّ خاص ہیں وہ داخل ہو جائیں۔

در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطر ہاست بجاں
شرط اوّل قدم آنست کہ مجنوں باشی

ہمارے حضرت مرشد مولانا تھانویؒ اپنے وعظ میں عجیب وجد کے ساتھ یہ شعر ارشاد فرمایا کرتے تھے ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

عاشق صادق کہتا ہے کہ اے محبوب دشمن کو یہ نصیب نہ ہو کہ وہ تیری تیغ سے سربریدہ ہو ہم دوستوں کا سر سلامت رہے کہ تو ہمارے سروں پر خنجر آزمائی کیا کرے۔ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ یہ شعر بھی اکثر اس موقع پر پڑھتے تھے ؎

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی ÷ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اللہ تعالیٰ نے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ میں حضرات صحابہؓ کی جس شدّتِ محبت کی شہادت دی ہے اس کے لئے پہلا ثبوت ان کی یہی جانبازیاں ہیں جو میدان کارزار میں انہوں نے کر کے دکھا دیا۔

عدمِ اعتبارِ شجاعت قبل جنگ

یوں دعویٰ کرنا محبت میں جاں دہی کا آسان ہے لیکن کر کے دکھانا امر مشکل ہے ؎

گفت پیغمبر سپہدار غیوب
لاشجاعۃ یافتیٰ قبل الحروب (عارف رومیؒ)

یہ شعر حدیث لَا شَجَاعَۃَ قَبلَ الحَرب کا ترجمہ ہے، یعنی شجاعت کا اعتبار قبل موقع امتحان جنگ نہیں ہوتا، اور حضرات صحابہؓ نے میدان کارزار میں دکھا دیا کہ مومن باپ کی تلوار کافر بیٹے کی گردن پر اللہ کی محبت میں بے دریغ چل جاتی تھی، اولاد کی محبت اللہ کی محبت کے سامنے ان کو استقامت علی الایمان سے ہٹنے نہ دیتی تھی، اللہ تعالیٰ اس امر کی شہادت میں ارشاد فرماتے ہیں:-

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ

(پ — ۲۸)

"حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخص سے دوستی رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول کے برخلاف ہیں گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہو، ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور ان کو اپنے فیض سے قوت دی ہے؟

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد
فدائے یک تنِ بیگانہ کاشنا باشد

یعنی ہزار اپنا ہو لیکن اگر خدا سے بیگانہ ہے تو اس سے کیا محبت

ہو سکتی ہے، اور ایک بیگانہ ہو لیکن اللہ والا ہو تو میں اس پر قربان ہوں، اسی کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

مہر پاکان در میان جاں نشاں
دل مدہ الّا بہر دل خوشاں

مولانا فرماتے ہیں کہ پاک بندوں کی محبت کو جان میں پیوست کرلو اور دل ہرگز کسی کو نہ دو مگر ان کو جن کے دل اللہ کی محبت سے اچھے ہو گئے ہیں، اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ، وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ میں حضرات صحابہؓ کی ایسی جامع تعریف موجود ہے جو ہر صحابی کے تمام کارنامۂ محبت کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

حضرات صحابہؓ کی شدتِ محبت کا دوسرا رُخ

محبتِ حق میں ان کی سرگرمی کی ایک شان تو اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ میں بیان فرمائی گئی اور دوسری شان رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ میں بیان فرمائی گئی ہے، جس طرح یہ اللہ کی خوشنودی کے لئے اللہ کے دشمنوں پر سخت تھے، اسی طرح اللہ کی خوشنودی کے لئے اللہ کے دوستوں پر نرم اور رحمدل تھے، جس طرح اپنے ظاہری اور باطنی اعضاء کو پابندِ محبت کر دیا تھا، یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت میں لگا دیا تھا، اسی طرح اپنے جذبات اور کیفیات کو اللہ تعالیٰ کی بندگی سکھا دی تھی، اب عداوت اور بغض اگر کسی سے ہے تو محض اللہ

؎ مگر وہ شخص جو اللہ کے پاس قلبِ سلیم (بھلا چنگا دل) لے کر حاضر ہو

کے لئے ہے" اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ " کے سچے مصداق بن گئے تھے، یہ محبت کی دوسری ذاتی صفت ہے کہ محبوب کے دوستوں کے ساتھ محبت ہو جائے۔

اللہ کی خوشنودی کے لئے ایمان والوں کے ساتھ ایسی اخوت اور رحمت کا تعلق تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی تعریف میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۔

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ (ان کی رحمت و محبت کا یہ عالم ہے کہ) جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں، اور مہاجرین کو جو کچھ مالِ غنیمت وغیرہ سے ملتا ہے اس سے یہ انصار بوجہ محبت کے اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر محبت کرتے ہیں، کہ طعام وغیرہ میں ان کو مقدم رکھتے ہیں، اگرچہ اُن پر فاقہ ہی ہو، یعنی بسا اوقات فاقہ سے بیٹھ رہتے ہیں اور مہاجرین کو کھلا دیتے ہیں۔" (پ ۲۸، تفسیر بیان القرآن۔ سورۂ حشر)

حدیث شریف میں ہے کہ ایک صحابی کے یہاں ایک صحابی مہمان ہوئے، کھانا کم تھا جو کچھ تھا حاضر کر دیا، اور چراغ کو گل کر دیا خود بھی ساتھ بیٹھ گئے، اور یوں ہی مُنہ کو کھانے والوں کی طرح حرکت دیتے رہے۔ تاکہ مہمان کو یہ علم نہ ہو کہ میزبان کھانا کم ہونے کے

عہ کسی سے محبت ہو تو خاص اللہ کے لئے ہو اور کسی سے بغض ہو تو اللہ کے لئے ہو۔

سبب نہیں کھا رہا ہے، اور اسی مصلحت سے چراغ گل کر دیا تھا کہ مہمان کو اس خوش حیلہ کا علم نہ ہو سکے، میدان کارزار میں تیر اور تلوار سے زخم کھائے ہوئے صحابہ العطش العطش یعنی پیاس پیاس کی آواز لگا رہے تھے، ایک شخص پانی لے کر جاتا ہے، ایک زخمی صحابی کو پانی پیش کرتا ہے قریب سے آواز دوسرے مجروح صحابی کی آتی ہے العطش یعنی پیاس فوراً لب تشنہ کو پانی سے ہٹا لیتے ہیں، اور فرما لیتے ہیں میرے اس بھائی کو دو جس کی آواز العطش کی آئی ہے، جب یہ پانی ان کے پاس لے جاتے ہیں تو تیسرے زخمی صحابی کی آواز آتی ہے العطش، اس آواز کو سنتے ہی خود پینے سے انکار کر دیتے ہیں اور حکم دیتے ہیں میرے اس پیاسے بھائی کو پلا دو جس نے ابھی آواز دی ہے، العطش، یعنی پیاس۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہر صحابی اپنی پیاس پر اپنے بھائی کی پیاس کو ترجیح دیتا رہا حتیٰ کہ سب کے سب شہید ہو گئے، اور پانی پیالہ میں باقی ہی رہ گیا، یہ موقعۂ جنگ کا واقعہ ہے۔ ایک طرف شدّت علی الکفار کی موج اٹھتی تھی، تو دوسری طرف رُحَمَاءُ بَیْنَہُمْ کی لہر اٹھتی تھی۔

حضرات صحابہؓ کی شدّتِ محبّت کا تیسرا رُخ

تیسری صفت جو محبّت کی دونوں شانوں کی رُوح ہے وہ مالک اور معبود حقیقی کی یاد ہے

اے خوشا چشمے کہ آں گریان اوست
اے ہمایوں دل کہ آں بریان اوست

مولانا عارف رومیؒ فرماتے ہیں کہ بڑی مبارک وہ آنکھیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں رونے والی ہیں، اللہ تعالیٰ کی یاد میں جو آنسو گرتے ہیں حق تعالیٰ کے نزدیک ان اشکِ محبت کی قدر شہیدوں کے خون کے برابر ہے۔

اسی کو حضرت عارف رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

کہ برابر می کند شاہِ مجید اشک را در وزن با خونِ شہید[۱]

اور وہ دل بہت مبارک ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں سوختہ ہو۔

حضرات صحابہؓ کی شدتِ محبت کی اس شان کو حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۔ یہ ہمارے سرگرم محبت ہمارے دشمنوں پر ایسے سخت ہیں کہ یا تو جان لے لیتے ہیں یا جان دیدیتے ہیں، اور ہمارے دوستوں کے ساتھ بڑے مہربان اور رحمدل ہیں، اور ہماری یاد تو ان کی اصلی غذا ہے، کبھی ہمارے سامنے ہماری محبت میں کبھی رکوع میں جھکے ہوئے ہیں اور کبھی سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں، قیام کو اس لئے نہیں فرمایا کہ رکوع کی حالت قیام کے بعد ہی پیدا ہوتی ہے، پس قیام کا ثبوت اس کے اندر خود مندرج ہے، اپنی بندگی اور غلامی کی شان کا اظہار کر رہے ہیں، رکوع کے بعد سجدہ میں اپنے کو مٹا رہے ہیں۔

انسان کی پیدائش میں وحدانیت کی دلیل

انہوں نے اپنی حقیقت کو سمجھ لیا تھا، اور اللہ کی عظمت

---

[۱] کہ شاہ مجید یعنی حق تعالیٰ اپنے محبین کے آنسوؤں کو خونِ شہید کے برابر وزن میں شمار فرماتے ہیں۔

کو پہچان لیا تھا، اپنی حقیقت کو یہ سمجھ لیا تھا کہ ہم ایک قطرۂ مَنی تھے، پھر اس پانی پر میرے اللہ نے میری کیسی صورتگری فرمائی ہے ؎

کہ کردست برآب صورت گری
دہد نطفہ را صورتے چوں پری

یعنی یہ ہاتھ پاؤں، آنکھ، ناک، کان، اور ان کے اندر پکڑنے، چلنے، دیکھنے، سونگھنے اور سننے کے خزانے بخشے، زبان کو گویائی بخشی، دماغ میں عقل کا خزانہ ودیعت فرمایا، ماں باپ کا ظاہری تعلق ضرور ہوا، لیکن وہ صرف اس امانت الٰہیہ کو جو حضرت آدم علیہ السّلام سے منتقل ہوتی آرہی تھی رحمِ ماں میں سپرد کرنے کے لئے تھا، باپ کو صرف اتنا ہی دخل ہوا کہ جس نطفہ میں ہمارے ذرّات آفرینش کو حق تعالیٰ نے غذاؤں کے ذریعہ اقصاء عالم سے سمیٹ کر جمع فرمادیا تھا، اس امانت کو ماں کے شکم میں پہنچا دے، اور ماں باپ میں ایسی خواہشات رکھ دیں کہ ان کو اس امانت کے سپرد کرنے میں کچھ مجاہدہ نہ کرنا پڑا، بلکہ ایک خاص لطف اور لذت کے ساتھ ان کی رحمت بے پایاں، ان امانات کو اصلابِ[عہ] آباء اور بطونِ امّہات[عہ] سے نسلاً بعد نسلٍ منتقل کرتی رہتی ہے۔

اب ماں کے شکم میں جب پہنچے تو اس وقت ہم کیا تھے ایک نجس پانی جس کو حق تعالیٰ شانہٗ نے ماءِ مہین سے تعبیر فرمایا ہے (ماءِ مہین کا ترجمہ ذلیل پانی ہے)

عہ باپوں کی پشتوں عہ ماؤں کے شکموں۔

یہی ہماری کل پونجی اور ہماری بنیاد تھی، پھر اس محسن حقیقی نے اس ذلیل قطرۂ منی کو آنکھ، کان، ناک، ہاتھ، پاؤں، زبان بخشے، اور ان کے اندر تمام خزانے بینائی، شنوائی وغیرہ کے رکھ دیئے، اور ماں باپ کو اس میں کچھ بھی تو دخل نہیں ہے، ماں باپ کو تو خبر بھی نہیں ہے کہ اس نطفہ کے اندر کیا سنجیہ گری ہو رہی تھی، بہت بڑی عبرت کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے محبت تمام فرمادی، کیونکہ ماں اپنے پیٹ میں بچے کو لئے ہوئے چلتی پھرتی ہے، لیکن اس کو خبر نہیں کہ پیٹ کے اندر کیا ہو رہا ہے، اس خدائی کارخانہ میں ماں باپ کا ہاتھ لگنے نہیں دیا، ورنہ بعض نادان ماں باپ ہی کو اپنا خالق سمجھ بیٹھتے، ماں باپ کو نو مہینے تک بالکل بے خبر رکھتے ہیں، تاکہ ان کی اس بے خبری سے ہمارے بندے عبرت حاصل کرلیں، کہ ماں باپ اگر خالق ہوتے تو ان کو علم بھی ہماری خلقت کا ہوتا، خالق اپنی مخلوق ہی سے جاہل اور بے خبر ہو، یہ عقلاً محال ہے۔ پس اپنے مشاہدہ کے مطابق یقین کرلیں کہ ہم کو ماں باپ نے پیدا نہیں کیا ہے، ماں کے شکم میں کوئی اور ہاتھ تھا، وہی ہمارا اللہ ہے، صرف ان کا ہاتھ نہیں دکھائی دیا، باقی اس ہاتھ کی سنجیہ گری جو اس قطرۂ منی پر ہوئی ہے اس کو ہم نو مہینے کے بعد عالمِ وجود میں مشاہدہ کرلیتے ہیں، کیا کوئی دعویٰ کرسکتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں میرا ہاتھ تھا، نہ ماں دعویٰ کرسکتی ہے نہ باپ دعویٰ کرسکتا ہے، تو دوسرا کون دعویٰ کرسکتا ہے، اسی کو حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ

اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ط اور خود تمہاری ذات میں ہماری نشانیاں موجود ہیں، تو کیا تم کو سجھائی نہیں دیتا۔ اسی کا نام اپنی حقیقت کو سمجھ لینا ہے جس کی ابتداء ایک ناپاک قطرۂ منی سے ہو، وہ اپنے کو بڑا سمجھے، تف ہے اس بے غیرتی پر۔

حضرات صحابہؓ نے معیتِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار میں اپنی حقیقت سمجھ لی اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور برتری پہچان لی، اپنا بندہ ہونا سمجھ گئے، اللہ کا معبود ہونا سمجھ گئے، اپنا سراپا محتاج ہونا اور اللہ تعالیٰ کا اپنا محسن اور پروردگار ہونا سمجھ گئے۔

حق تعالیٰ کے احسانات کا استحضار محبت پیدا کرتا ہے

اس معرفت کاملہ نے ان کو محبت الٰہیہ میں سرگرم کر دیا، احسان سے آدمی عقلاً اور طبعاً دب جاتا ہے، بشرطیکہ عقلِ سلیم اور طبیعت سلیمہ ہو، ایک گلاس پانی کسی پیاسے کو کوئی پلا دیتا ہے، یا کسی مسکین کو ایک وقت کا کھانا شدت بھوک میں کھلا دیتا ہے، یا کسی ننگے کو کپڑا پہنا دیتا ہے تو اس محسن کی طرف سے اس پیاسے اور بھوکے پر کیا کیفیت گذرتی ہے، دنیا میں دن رات اس کے مشاہدات موجود ہیں۔

شدتِ پیاس میں ایک گلاس پانی، شدتِ بھوک میں ایک وقت کا کھانا انسان کو عمر بھر کے لئے دبا دیتا ہے، اب اگر یہ غریب

بھوکا پیاسا بادشاہ بھی ہو جائے لیکن جب کبھی اپنے محسن کو دیکھے گا تو اس احسان کو یاد کر کے اس کے سامنے دب جائے گا، اور اس محسن کے شکر میں اس پر ایک عجیب احسانی کیفیت طاری ہو جائے گی۔

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند
صاف گر باشد ندانم چوں کند

ہم موجود نہ تھے، نہ ہماری طرف سے کوئی درخواست گزری تھی مگر حق تعالیٰ نے بے مانگے ہم کو وجود انسانی بخشا، اسی کو حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

ما نبودیم و تقاضا ما نبود
لطفِ تو ناگفتہ ما می شنود

اللہ تعالیٰ کے احسانات کو تو ہم شمار ہی نہیں کر سکتے۔

عدم قدرت بر احصاء نعم الٰہیہ

ارشاد فرماتے ہیں وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم ان کا شمار نہیں کر سکتے ہو، اور ارشاد ہوتا ہے هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا اس لَكُمْ میں جو لام ہے وہ نفع کے لئے استعمال کیا گیا ہے، اور مَا فِی الْاَرْض میں لفظ مَا تمام روئے زمین کی نعمتوں کو احاطہ کئے ہوتے ہے، اس کے بعد جَمِیْعًا سے اور تاکید فرما دی۔

(اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اور وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے فائدہ کے لئے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے سب کا سب) خواہ کسی قسم کا فائدہ ہو، کھانے کا، پینے کا پہننے کا، نگاہ کو تازگی بخشنے کا، نفس یا روح کو حظ دینے کا، کسی چیز کو دیکھ کر توحید کے علم صحیح حاصل ہو جانے کا۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

اور اس پر کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ پھر سب چیزیں حلال ہونی چاہئیں، کیونکہ سب میں کچھ نہ کچھ تو فائدہ ہے ہی، بات یہ ہے کہ صرف کوئی سا فائدہ ہونے سے اس چیز کا قابل استعمال ہونا لازم نہیں آتا، کیا سمیات قاتلہ میں بھی کچھ نہ کچھ نفع نہیں ہوتا، پھر اطباء ان کے استعمال سے کیوں روکتے ہیں، فقط اسی واسطے کہ گو اس میں نفع ضرور ہے مگر غالب ضرر ہے، اسی طرح محرمات شرعیہ کو سمجھئے کہ گو ان میں کچھ نفع بھی سہی مگر چونکہ غالب ضرر تھا (جس کے لئے اللہ تعالیٰ کا جاننا کافی ہے، ہمارے جاننے کی ضرورت نہیں، جس طرح وہاں طبیب کا جاننا کافی ہے عوام کا آگاہ ہونا ضروری نہیں) اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو ممنوع الاستعمال ٹھیرا دیا۔ (پ الم، بیان القرآن)

ایک اعتراض اور اس کا حل

کوئی اعتراض کر سکتا ہے کہ جب تمام زمین کی چیزیں اللہ تعالیٰ

نے ہمارے نفع کے لئے پیدا فرمائی ہیں تو سانپ اور بچھو اور سنکھیا کے زہر تو بجائے نفع پہنچانے کے انسان کے لئے سخت ضرر اور تکلیف کے موجب ہوتے ہیں اور بعض اوقات تو ان چیزوں سے ہلاکت کی نوبت آجاتی ہے، پھر اس آیت کا مطلب کیا ہے ؟

اس اعتراض کو ہمارے مرشد حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر بیان القرآن میں حل فرمادیا ہے ، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سانپ، بچھو اور سنکھیا سے اطباء انسان کے بعض امراض کے لئے نہایت مفید دوا تیار کرتے ہیں ، سنکھیا کا جب کُشتہ بنا لیتے ہیں تو یہ بے مثل اور بے نظیر دوا ہوجاتی ہے ، اسی طرح بچھو کا بھی کشتہ بنا لیتے ہیں جو کشتہ عقرب کے نام سے گُردہ کی پتھری میں استعمال کرتے ہیں ، سانپ کے زہر سے بھی دوائیں بنتی ہیں، حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں اور حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ہر گھاس بولتی تھی کہ میں فلاں مرض کی دوا ہوں میرے اندر فلاں خاصیت ہے ۔

رُبوبیّتِ الٰہیّہ کی تفصیل

اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت کے سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے بندوں کے لئے ایک دوا تیار کرنی چاہی اور اس دوا کا نام شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ یعنی شہد ہے، اور یہ دوا ایسے اجزاء سے بنے گی جن کا حاصل کرنا آسان نہیں ہے، یہ ہمارا ہی کام ہے اور کسی کے بس میں نہیں ، لیکن ہم چاہیں گے تو ایک معمولی مخلوق سے کام لے لیں گے ، عجیب اُن کی رحمت ہے ، کہ بندوں کے لئے تمام پھولوں کی اور پھلوں کی لطیف شیرینی سے دوا تیار فرمارہے ہیں تاکہ کمزور بندے

اس کے استعمال سے آرام اور نفع حاصل کریں، اور اس دوا کے لئے شہد کی مکھی کے جی میں الہام فرمایا کہ اس دوا کے اجزاء تلاش کر، اور تلاش میں خواہ کتنا ہی دور تک جانا پڑے بے فکری سے جاکر حاصل کر ہم راستہ سے تجھے بھٹکنے نہ دیں گے، اور اس دوا کو رکھنے کے لئے پہلے گھر بنالے اور وہ گھر بھی کیا انوکھا گھر ہے، شہد کے الگ خانے ہیں اور مکھیوں کے فضلات کے الگ خانے ہیں۔

شہد کی مکھیوں سے اللہ تعالیٰ نے وہ کام لیا جو بڑی بڑی قوت والوں سے نہیں لیا۔ ارشاد فرماتے ہیں:۔

وَ اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ (پ ۱۴، سورۃ نحل)

ترجمہ۔ "آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے جی میں یہ بات ڈالی کہ تو پہاڑوں میں گھر (یعنی چھتہ) بنالے اور درختوں میں بھی اور لوگ جو عمارتیں بناتے ہیں ان میں بھی چھتہ لگالے۔ (چنانچہ ان سب موقعوں پر وہ چھتہ لگاتی ہے) پھر ہر قسم کے مختلف پھلوں سے جو تجھ کو مرغوب ہوں چوستی پھر، پھر چوس کر چھتہ کی طرف واپس آنے کے لئے اپنے رب کے راستوں پر چل جو تیرے لئے باعتبار چلنے کے اور یاد رہنے کے آسان ہیں، چنانچہ بڑی بڑی دور سے بے رستہ بھولے ہوئے اپنے چھتہ کو لوٹ آتی ہے، پھر جب چوس کر اپنے چھتہ کی طرف

لوٹتی ہے تو اس کے پیٹ میں سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے (یعنی شہد) جس کی رنگتیں مختلف ہوتی ہیں، اس میں لوگوں کی بہت سی بیماریوں کے لئے شفاء ہے، اس میں بھی ان لوگوں کے لئے توحید کی اور خدا کے منعم ہونے کی بڑی دلیل ہے جو سوچتے ہیں" (از بیان القرآن)

شہد کی مکھیوں کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کا کتنا بڑا کارخانہ الہام فرمایا ہے، اور کیسا کام لیا ہے، پھولوں کی پنکھڑیوں میں سے کسی انسان کا ہاتھ اس رس کو نہیں نکال سکتا، اس کی انگلی بھی وہاں نہیں داخل ہو سکتی تھی جہاں سے اس کی باریک سوئی داخل ہو کر رس کو چوس لیتی ہے۔ اپنے بندوں کے لئے کیا کیا انتظامات فرمائے ہیں، ان مکھیوں سے میاں کی قدرت نے کیا کام لیا ہے، بس انسان سوچتا ہی رہ جائے اور اپنے اللہ کے احسان پر قربان ہو جائے۔

اور ارشاد فرماتے ہیں:۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ

(پ ۱۴، س نحل)

ترجمہ:۔" اور تمہارے لئے تمہارے مواشی میں غور درکار ہے، دیکھو ان کے پیٹ میں جو گوبر اور خون کا مادہ ہے اس کے درمیان میں سے دودھ کا مادہ کہ وہ ایک حصہ خون کا ہے جس کو بعد ہضم کے جدا کر کے تھن کے مزاج سے اس کا رنگ بدل کر اس کو صاف اور گلے سے آسانی سے اترنے والا دودھ بنا کر ہم تم کو پینے کو دیتے ہیں"

اس آیت سے یہ مراد نہیں کہ پیٹ میں ایک طرف گوبر ہوتا ہے اور ایک طرف خون اور دونوں کے درمیان میں دودھ رہتا ہے، بلکہ پیٹ میں جو غذا ہوتی ہے اس میں وہ اجزاء جو آگے چل کر دودھ بنیں گے اور وہ اجزاء جو گوبر بن جائیں گے سب مخلوط ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جُدا جُدا کرتے ہیں، کچھ گوبر بن کر دفع ہو جاتا ہے، اور کچھ ہضم کبدی میں اخلاط بنتے ہیں، جن میں خون بھی ہے۔ پھر اس خون میں وہ حصہ جو آگے چل کر دودھ بنے گا اور وہ حصہ جو دودھ نہ بنے گا، یہ دونوں مخلوط ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ایک حصہ جدا کر کے پستان تک پہنچا دیتا ہے اور وہاں پہنچ کر وہ دودھ بن جاتا ہے، جیسا کہ اثمین میں خاصیت رکھی ہے کہ خون وہاں پہنچ کر مادہ منویہ بن جاتا ہے۔ پس اجزائے دمویہ خاصہ جو آخر میں مستحیل الی اللبن ہوتے ہیں یعنی جو اجزاء خون کے آخر میں جا کر دودھ ہوتے ہیں وہ ایک بار تو اُن اجزاء سے جدا کئے گئے جو گوبر بنتے ہیں، اور دوسری بار اُن اجزاء سے جُدا کئے گئے ہیں جو صرف خون رہنے والے تھے، اور دودھ نہیں بننے والے تھے۔

اور شہد کی مکھی جو ایک زہریلا جانور ہے، چنانچہ اس کے کاٹنے سے شدید درد ہوتا ہے، اس کے اندر سے شہد کا پیدا فرمانا جو تریاق اور شفاء ہے یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت عجیبہ ہے۔ (از بیان القرآن)

ظہور شان ربوبیت سے توحید پر استدلال

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ ۝ یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّیْتُوْنَ

وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

ترجمہ۔ " اور وہ ذات پاک اللہ تعالیٰ ایسے صاحب قدرت ہیں جنہوں نے تمہارے واسطے آسمان سے پانی برسایا، جس سے تم کو پینے کو ملتا ہے، اور جس سے درخت پیدا ہوتے ہیں، جن میں تم اپنے مویشی کو چرنے چھوڑ دیتے ہو اور اس پانی سے تمہارے فائدہ کے لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل زمین سے اگاتے ہیں۔ بیشک اس مذکور میں سوچنے والوں کے لئے توحید کی دلیل موجود ہے۔"

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

ترجمہ۔ " اور اُس اللہ نے تمہارے لئے رات اور دن اور سورج اور چاند کو مسخر بنایا، اور ستارے اس کے حکم سے مسخر ہیں۔ بیشک اس میں عقلمند لوگوں کے لئے توحید کی چند دلیلیں موجود ہیں۔"

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝

ترجمہ۔ " اور اسی طرح اُن چیزوں کو بھی مسخرِ قدرت بنایا جن کو تمہارے فائدے کے لئے اس طور پر پیدا کیا ہے کہ ان کے اقسام یعنی اجناس و انواع و اصناف مختلف ہیں (اس میں تمام حیوانات و نباتات و جمادات، بسائط و مرکبات داخل ہو گئے) بے شک اس مذکور

میں سمجھدار لوگوں کے لئے توحید کی دلیل موجود ہے۔" (از بیان القرآن)

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ وَعَلَامَاتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ۝ أَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ۗ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

(تفسیر و ترجمہ از بیان القرآن) "اور وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے دریا کو بھی مسخر قدرت بنایا، تاکہ تم اس میں سے تازہ تازہ گوشت یعنی مچھلی نکال نکال کر کھاؤ، اور تاکہ اس میں سے موتیوں کا گہنا نکالو، جس کو تم مرد و عورت سب پہنتے ہو، اور اے مخاطب اس دریا کا ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ تو کشتیوں کو خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی ہوں جیسے جہاز تو انکو دیکھتا ہے کہ اس دریا میں اس کا پانی چیرتی ہوئی چلی جارہی ہیں اور نیز اس لئے دریا کو مسخر قدرت بنایا تاکہ تم اس میں مال تجارت لے کر سفر کرو، اور اس کے ذریعہ سے خدا کی روزی تلاش کرو اور تاکہ ان سب فائدوں کو دیکھ کر اس کا شکر ادا کرو۔ اور اس نے زمین میں پہاڑ رکھ دیئے تاکہ وہ زمین تم کو لے کر ڈگمگانے اور ہلنے نہ لگے۔ اور اس نے چھوٹی چھوٹی نہریں اور رستے بنائے تاکہ ان رستوں کے ذریعہ سے اپنے منزل مقصود تک پہنچ سکو، اور ان راستوں کی پہچان کے لئے بہت سی نشانیاں بنائیں، جیسے پہاڑ، درخت وغیرہ جن سے راستہ پہچانا جاتا ہے، ورنہ اگر تمام زمین کی سطح یکساں حالت پر ہوتی تو راستہ ہرگز نہ پہچانا جاتا، اور ستاروں

سے بھی لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں، چنانچہ ظاہر و معلوم ہے۔ سو جب اللہ تعالیٰ کا خالقِ اشیاء مذکورہ ہونا اور اس میں اس کا منفرد ہونا ثابت ہو چکا تو کیا جو پیدا کرتا ہو یعنی اللہ تعالیٰ وہ اس جیسا ہو جاوے گا جو پیدا نہیں کر سکتا، کہ تم دونوں کو معبود سمجھنے لگے، تو اس میں اللہ تعالیٰ کی اہانت ہے، کہ اس کو بتوں کے برابر کر دیا۔ پھر کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اوپر دلائل توحید میں اپنی نعمتیں بتلائی ہیں اُن پر کیا حصر ہے، وہ تو اس کثرت سے ہیں کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی اُن نعمتوں کو گننے لگو تو کبھی نہ گن سکو گے۔ مگر مشرکین شکر اور قدر نہیں کرتے اور یہ جرم اتنا عظیم تھا کہ نہ معاف کرانے سے معاف ہوتا، اور نہ اس جرم پر اصرار کے باوجود یہ نعمتیں ملتیں۔ لیکن واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے اور بڑی رحمت والے ہیں کہ کوئی شرک سے توبہ کرے تو مغفرت ہو جاتی ہے۔ اور نہ کرے جب بھی تمام نعمتیں حیات تک منقطع نہیں ہوتیں۔ اور یہاں دنیا کی نعمتوں کے فائض ہونے سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ کافروں کو کبھی سزا نہ ہوگی"۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝

(ترجمہ و تفسیر از بیان القرآن) کیوں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے پوشیدہ اور ظاہری احوال سب جانتے ہیں پس ان کے موافق سزا دیں گے، یہ تو حق تعالیٰ کے

خالق اور منعم ہونے کا بیان تھا، اور جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود ہی مخلوق ہیں، اور اوپر قاعدہ کلیہ گزر چکا ہے کہ غیر خالق اور خالق مساوی نہیں ہو سکتے ہیں۔ پس خالق کے علاوہ دوسرے یہ معبودین کیسے مستحقِ عبادت ہو سکتے ہیں، اور یہ معبودین، مردہ اور بے جان ہیں (خواہ دواماً جیسے بُت یا فی الحال جیسے جو مر چکے، اور یا فی الحال جو مریں گے مثلاً فرشتے اور جن اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام وغیرہم) زندہ رہنے والے نہیں ہیں۔ پس خالق تو کیا ہوتے۔ اور ان معبودین کو اتنی بھی خبر نہیں کہ قیامت میں مُردے کب اٹھائے جائیں گے (یعنی بعض کو علم نہیں اور بعض کو بالتعیین معلوم نہیں، اور معبود کے لئے علم تو محیط چاہئے خصوصاً بعث بعد الموت کا کہ اس پر جزا ہو گی عبادت اور عدم عبادت کی۔ تو اس کا علم تو معبود کے لئے بہت ہی مناسب ہوا، پس خدا کے برابر تو علم میں کیا ہوں گے۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ) تمہارا معبود برحق ایک ہی ہے۔ تو اس ایضاحِ حق پر بھی جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے، اور اسی لئے ان کو ڈر نہیں کہ توحید قبول کریں، معلوم ہوا کہ ان کے دل ہی ایسے نا قابل ہیں کہ معقول بات کے منکر ہو رہے ہیں، اور معلوم ہوا کہ وہ قبول حق سے تکبّر کرتے ہیں۔ (از بیان القرآن)

ایک اشکال اور اس کا حل

اب کوئی یہ اشکال پیش کر سکتا ہے کہ مشرکین اور کفار جب قبولِ حق سے تکبّر کرتے ہیں تو ان دشمنوں کے اوپر دنیا ہی میں ان کی زندگی کو حق تعالیٰ تلخ فرما دیتے اور تنگیِ معیشت اور تکلیف دہ امراض میں مبتلا

فرمادیتے ، حالانکہ حال اس کے برعکس ہے ۔ چنانچہ کفار اکثر بڑے بڑے عیش و راحت کے سامان میں چین کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ تو اس اشکال کو ہمارے حضرت مرشد تھانویؒ نے ایک عجیب مثال سے حل فرمایا ہے ۔ فرمایا کہ جج جب قتل کے ملزم کو پھانسی کی سزا سنادیتا ہے تو بطور مراحم خسروانہ سپاہیوں کو حکم کرتا ہے کہ اس ملزم کی جو خواہش ہو اس کو پوری کردو ۔ خوب مٹھائیاں اور پوریاں کھلادو ، بال بچوں کو دیکھنا چاہے تو دکھادو ، تو کیا جج کی اس عنایت کو کوئی دوسرا شخص دیکھ کر اس راحت و عیش کی تمنا کرسکتا ہے ۔ ہرگز نہیں ۔ پس یہی حال کفار و مشرکین کا ہے ۔ حق تعالیٰ نے اپنے علم میں ان کے لئے چونکہ ابدالآباد تک کے لئے جہنم کی سزا کو تجویز کرلیا ہے ، اس لئے چند دن کے لئے متاعِ قلیل کو ان کے سپرد فرمادیا ہے ۔ اسی کو حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :۔

كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝

اللہ تعالیٰ کافروں کو خطاب فرماتے ہیں کہ تم تھوڑے دن اور کھالو ۔ اور چند روزہ حیاتِ دنیویہ کو برت لو ، عنقریب کم بختی آنے والی ہے ، تم بے شک مجرم ہو ، اس روز حق کے جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے ۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر دنیا کی قدر اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پَر برابر بھی ہوتی تو کافروں کو ایک گھونٹ پانی نہ دیتے ، اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

اِنَّ الدُّنْيَا جِيْفَةٌ وَمَا يُبْوُهَا كِلَابٌ

"دنیا ایک مردار چیز ہے ، اور اس کے چاہنے والے کتے ہیں"

اور حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر ہم چاہتے تو کافروں کے مکانات سب سونے چاندی کے بنا دیتے، لیکن ہمارے بندے فتنہ میں مبتلا ہو جاتے۔ یعنی سب کے سب کافر ہو جاتے۔ واضح رہے کہ نافرمان بندے باوجود سامانِ عیش و راحت کے تلخ زندگی میں رہتے ہیں۔

از بروں چوں گور کافر پُر حلل واندروں قہر خدائے عزّ و جل

مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ باہر سے کافر کی قبر پر خوب پھولوں کے ہار ہیں، اور بینڈ باجے ہیں اور اندر قبر کے خدائے عزّ و جل کا قہر ہو رہا ہے، دنیا میں بھی نافرمانوں کا یہی حال ہے، کہ ان کے قلوب ہزاروں عیش کے ہوتے ہوئے بھی بے چین اور پریشان رہتے ہیں۔ کیوں کہ قلب کی راحت کا مدار اللہ تعالیٰ کی یاد پر ہے۔ غافل قلب کو اطمینان میسّر نہیں ہو سکتا۔ بعض لوگ اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ جب دل کو فلاں فلاں کاموں سے اطمینان ہو جائے تو ذکر شروع کریں۔ پھر جب وہ کام پورے ہو جاتے ہیں تو دوسرے کام پیش آجاتے ہیں۔ اسی طرح ساری زندگی انتظارِ اطمینان میں بے ذکر کے گزر جاتی ہے۔ ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ ذکر کے لئے جمعیتِ خاطر کا انتظار نہ چاہیئے، جس حال میں ہو بس ذکر کی پابندی شروع کر دو، ذکر ہی سے اطمینان بھی میسّر ہوگا۔ اطمینان خود موقوف ہے ذکر پر، ذکر کے لئے اطمینان کا کہاں سے انتظار کرتے ہو۔

ایک حکایت

ایک واقعہ یاد آیا، حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ نے وعظ میں فرمایا تھا کہ ایک شخص کو حضرت خضر علیہ السّلام سے ملنے کا بہت شوق

تھا۔ اتفاق سے کہیں ملاقات ہوگئی۔ تو اس شخص نے دعا کی درخواست کی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا بھائی کس بات کی دعا کریں۔ عرض کیا کہ اطمینانِ قلب میسّر ہونے کی دعا کردیں۔ فرمایا جس شخص کو تم بڑے چین اور اطمینان میں پاتے ہو اس جیسا تمہیں ہو جانے کی دعا کردوں، اور تم کو اس کے لئے چھ ماہ کی مہلت دیتا ہوں، اتنی مدت میں تم تلاش کرلو کہ کون آدمی بڑے عیش و راحت سے اپنی زندگی گزارتا ہے۔

چھ مہینے تک یہ شخص تلاش کرتا رہا۔ بالآخر ایک جوہری پر اس کی نظرِ انتخاب پڑی، وہ جوہری بڑے درجہ کا رئیس تھا، اس کے نوکر چاکر، مال و دولت اور عالیشان مکان کو دیکھ کر اس کو حرص ہوئی کہ اس جیسا بننے کی دعا کراؤں گا، لیکن دل میں خیال گزرا کہ ذرا اس سے معلوم بھی کرلیں کہ بھائی تمہاری زندگی کیسی گزرتی ہے۔ چنانچہ اس شخص نے جوہری سے دریافت کیا اور اس سے اپنا سب قصہ بھی کہہ سنایا۔ اس جوہری نے رو کر کہا کہ بھائی خدا کے لئے مجھ جیسا ہونے کی دعا مت کرانا، بڑی تلخ زندگی ہے میری، بڑا غمزدہ میرا حال ہے۔ پھر اس جوہری نے اپنا سب قصہ سُنایا کہ میری ایک حسین بیوی تھی جس پر میں عاشق تھا، ایک بار وہ قضاء الٰہی سے بیمار ہوئی، تو اس نے کہا کہ تمہارا عشق سب زبانی ہے، میرے مرنے کے بعد تم دوسری شادی کرلوگے۔ بس غلبۂ محبت میں مجھے ایسا جوش آیا کہ میں نے اپنا عضو مخصوص ہی کاٹ دیا تاکہ عشق کا اس کو یقین ہو جائے اور میں نامرد ہوگیا۔ مشیت ایزدی کہ وہ اچھی ہوگئی، اب میں نامرد ہوں، اور اس نے میرے نوکروں سے بُرا تعلق کر رکھا ہے۔ مجھے اس امر کی اطلاع ہر وقت خودکشی کے لئے آمادہ کرتی ہے، ایک ایک

لمحہ میری زندگی کا مشکل سے کٹتا ہے۔ اسی کو حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

راہِ لذّت از دروں و داں و زبروں
ابلہی دان جُستنِ قصر و حصوں
آں یکے در کنجِ مسجد مست و شاد
واں یکے در باغ ترش و بے مراد

مولانا فرماتے ہیں کہ لذّت کا راستہ داخل سے جان نہ کہ خارج سے۔

اطمینان اور لذّت کا مدار اسبابِ خارجیہ پر نہیں ہے

یعنی لذت کا مدار اسباب خارجیہ پر نہیں ہے بلکہ اس کا مدار قلب پر ہے۔ اس میں چین ہوتا ہے تو اسبابِ ظاہرہ اگرچہ خلاف طبع ہی کیوں نہ ہوں اطمینان میسّر رہتا ہے۔ اور اطمینانِ قلب بدون ذکر اللہ کے میسّر نہیں ہوتا۔ کیونکہ دل کے خالق نے اس کی غذا صرف اپنی یاد رکھی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں، اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الآیہ) خوب غور سے سُن لو کہ دلوں کو اطمینان صرف میری ہی یاد سے میسّر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک شخص گوشۂ مسجد میں مست اور شاد ہے اور بظاہر مسجد میں کوئی سامانِ عیش موجود نہیں۔ اور ایک شخص باغ میں ترش رو اور نامراد و غمگین بیٹھا ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ پہلے شخص کے قلب میں کوئی خوشی کا خیال ہے۔ اور دوسرے شخص کے قلب میں کسی غم کا خیال ہے۔ بڑے بڑے سلاطین کو افکارِ سلطنت سے نیند نہیں آتی، اس

مقصد کے لئے تنخواہ دار قصہ گو رکھتے ہیں، تاکہ قصوں سے خیالات یکسو ہوں اور نیند آجائے۔ اور ایک بوریہ نشین اللہ والا چین اور اطمینان کے ساتھ پاکیزہ زندگی گزارتا ہے۔ کیونکہ اللہ والا صرف اللہ کی محبت کا لذیذ غم اپنے دل میں رکھتا ہے، اور زبانِ حال سے یہ کہتا ہے ؎

فکرِ این و آں نے جب مجھ کو پریشاں کردیا
میں نے سر نذرِ جنونِ فتنہ ساماں کردیا

اب تو میں ہوں اور شغل یادِ دوست
سارے جھگڑوں سے فراغت ہوگئی (از خواجہ عزیز الحسن)

اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ جو شخص ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ اختیار کرتا ہے اس کو ہم ایک ستھری زندگی عطا فرماتے ہیں۔

حیاتِ طیبہ کی تعریف

ستھری زندگی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پلاؤ قورمہ کھانے کو ملتا رہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ میری مرضی کے مطابق زندگی گزرتی ہے، اور میری یاد سے اس کا دل چین میں رہتا ہے۔ اگرچہ بظاہر اسباب تکلیف ہی کے کیوں نہ ہوں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جب اپنے ساتھی سے قید خانہ میں یاری چاہی تھی کہ جب تم بادشاہ کے روبرو جاؤ تو میرا بھی ذکر کرنا تاکہ مجھے بھی اس حبس سے خلاصی مل جائے۔ اسی کو حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ

اور جس شخص پر رہائی کا گمان تھا، اس سے یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنے آقا کے سامنے میرا بھی تذکرہ کرنا۔ لیکن شیطان نے اس کو اس بات

کی نقل سے بھلا دیا اور آپ سات برس تک قید میں رہے اور اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کے درجات کو اسی طرح بلند فرماتے ہیں۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام خلیفۃ اللہ فی الارض علم الٰہی میں تو پہلے ہی سے تھے، لیکن وہ خلافت ملے گی کب، جب رلائیں گے تب، رلا کر سر پر خلافت کا تاج رکھا، صاحب سبحۃ المرجان نے اپنی کتاب سبحۃ المرجان میں تحریر کیا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی گریہ وزاری

کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی لغزش پر اس قدر روئے ہیں کہ آپ کے آنسوؤں سے چھوٹے چھوٹے چشمے پیدا ہو گئے اور اسی پانی سے حق تعالیٰ نے خوشبودار پھول پیدا فرمائے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی ندامت اور گریہ و زاری سے آپ کی عبدیت کو پختہ فرما کر اس درجہ پر پہنچا دیا جس درجہ عبدیت پر کہ تاج خلافت عطا ہونا علم الٰہی میں تجویز ہوا تھا۔

قصہ حضرت یوسف علیہ السلام

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس قیدی سے اپنی خلاصی کے متعلق جو بات کہی تھی، اس پر حق تعالیٰ نے آپ کو ادب سکھلایا کہ یہ استعانت اگرچہ ناجائز نہیں، لیکن آپ کے شایان شان نہ تھی۔ آپ کی شانِ نبوت کا مقتضا یہ تھا کہ فاضل کو چھوڑ کر افضل کو اختیار فرماتے، یعنی صرف مجھ سے درخواست کرتے، چنانچہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اس شانِ عتاب کو حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے بایں انداز بیان فرماتے ہیں ؎

کہ چہ تقصیر آمد از خورشید داد تا تو چوں خفاش افتی در سواد

ترجمہ: "کونسی کمی ہوئی تھی خورشید عطا کی طرف سے جس سے تم خفاش کی طرح ظلمتِ شب میں پڑ جاؤ"

ہیں چہ تقصیر آمد از بحر و سحاب ✤ تا تو یاری خواہی از ریگ و سراب

ترجمہ: "ہاں کونسی کمی تھی بحر و سحاب کی طرف سے جس سے تم ریگ اور سراب سے یاری چاہنے لگو"

عام اگر خفاش طبعند و مجاز ✤ یوسفداری تو آخر چشم باز

ترجمہ: "عوام اگرچہ خفاش طبع اور مجاز پرست ہیں، مگر اے یوسف آخر تم تو چشم کشادہ رکھتے تھے"

گر خفاشے رفت در کور و کبود ✤ باز سلطاں دیدہ را بارے چہ بود

ترجمہ: "اگر کوئی خفاش کوری و کبودی میں چلا گیا تو تعجب نہیں، مگر اس باز کو جو سلطان کو دیکھتے ہوئے آخر کیا ہو گیا"

پس ادب کردش بدیں جرم اوستاد ✤ کہ مساز از چوب بوسیدہ عماد

ترجمہ: "پس اس لغزش پر اُن کو مُصلحِ حقیقی نے تادیب فرمائی کہ آئندہ کو چوب بوسیدہ سے ستون مت بنانا"

لیک یوسف را بخود مشغول کرد ✤ تا نیاید دردلش زاں حبس درد

ترجمہ: "لیکن چونکہ اس حالت میں بھی یوسف علیہ السلام مقبول و محبوب تھے اس لئے عین اس عتاب میں یہ عنایت بھی فرمائی کہ یوسف علی نبینا و علیہ السلام کو اپنے میں مشغول فرمالیا، یعنی تجلیاتِ خاصہ میں مستغرق فرمادیا کہ ان کے دل میں اُس حبس سے کلفت نہ پیدا ہو"

آں چنانش انس و مستی داد حق ✤ کہ نہ زنداں یادش آمد نہ غسق

ترجمہ: "یعنی ان کو حق تعالیٰ نے ایسا اُنس اور سُکر عطا فرمایا کہ ان کو نہ زنداں کا خیال نہ تاریکی کا جو زنداں میں"

قصّہ حضرت ایّوب علیہ السّلام

حق تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السّلام کو جب طویل بیماری میں مبتلا فرمایا تو جسم میں جو کیڑے پڑ گئے تھے ان کی محبت آپ کے دل میں ایسی ڈال دی کہ اولاد کی طرح کیڑوں کو چاہتے تھے۔ ان کی محبّت اس درجہ تھی کہ اگر کوئی کیڑا جسم سے باہر نکلتا تو آپ اس کو پکڑ کر اپنے جسم میں رکھ لیتے۔ اسی کو حضرت عارف باللہ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

دادہ من ایوب را مہرِ پدر بہر مہمانیِ کرماں بے ضرر

یعنی میں نے ایوب علیہ السّلام کے قلب میں کیڑوں کی مہمانی کے لئے باپ کی سی محبّت دی تھی، یعنی اولاد کی طرح سے کیڑوں پر اُن کو شفقت عطا فرمائی۔ پھر جب حضرت ایوب علیہ السّلام کے ابتلاء اور امتحان کا زمانہ ختم ہوا تو آپ فرمایا کرتے تھے نعمتِ صحت پر اللہ تعالیٰ کا شکر گذار ہوں۔ لیکن حق تعالیٰ کی اُس مزاج پُرسی کی لذّت یاد آتی ہے جو صبح و شام دریافت حال فرمانے کے لئے ارشاد فرماتے تھے، کہ اے ایّوب کیسا مزاج ہے، صبح کی ہمکلامی شام تک ایک خاص حالتِ سُکر میں رکھتی تھی اور شام کی ہمکلامی صبح تک اسی کیف میں مستغرق رکھتی تھی، اب وہ لذّت میاں کی ہمکلامی اور مزاج پُرسی کی نہ رہی۔ اکبر الٰہ آبادی نے خوب کہا ہے کہ ؎

عیادت کو آئے شفا ہو گئی
علالت ہماری دوا ہو گئی
تماشائے مقتل کو آئے جو وہ
تڑپنے کی لذّت سوا ہو گئی

قصہ حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ

شیخ ابوالحسن خرقانی کی بیوی بڑی تند مزاج تھیں۔ شیخ کی زندگی کو اپنی بدخلقیوں سے تلخ کر رکھا تھا، ایک بار ایک مرید حضرت شیخ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے، شیخ جنگل تشریف لے جاچکے تھے، مرید نے دروازے پر آواز دی، شیخ کی اہلیہ نے کہا کہ کیوں آئے ہو؟ مرید نے بصد احترام حضرت شیخ کا نام لیا اور عرض کیا کہ زیارت کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ بیوی نے شیخ کا نام سنتے ہی سینکڑوں شکائتیں شیخ کی بیان کرکے کہا کہ احمق ہوئے ہو، کیوں عمر ضائع کرنے کے لئے اتنا طویل سفر کیا، مجھ سے زیادہ شیخ کی حقیقت سے کون آگاہ ہوسکتا ہے۔ مرید بہت آزردہ خاطر ہوا، اور روتا ہوا جنگل کی طرف گذرا، دیکھتا ہے کہ وہ مظہرِ عشق اور محبوب حق شیر پر بیٹھے ہوئے لکڑی کا ایک گٹھا بھی شیر پر لادے ہوئے اور سانپ کا کوڑا ہاتھ میں لئے ہوئے تشریف لا رہے ہیں، حضرت شیخ نے مرید کی افسردگی سے سمجھ لیا کہ یہ بے چارہ گھر میں کا تنگ کیا ہوا ہے، آپ نے فرمایا کچھ غم نہ کرو حق تعالےٰ نے بیوی ہی کی بدمزاجی پر صبر سے مجھے یہ درجہ عطا فرمایا ہے۔

گر نہ صبرم می کشیدے بارِ زن
کے کشیدے شیرِ نر بیگارِ من

ترجمہ: "اگر بیوی کا بار میرا صبر نہ کھینچتا تو یہ شیرِ نر کب میری بیگار اٹھاتا"

قصہ حضرت حاجی صاحبؒ

ہمارے دادا پیر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی

رحمۃ اللہ علیہ جب غدر کے زمانہ میں عرب ہجرت کر گئے تو وہاں آپ کا کوئی اس وقت شناسا نہ تھا، چالیس روز تک فاقے ہوتے رہے، یہاں تک کہ فرض نماز کھڑے ہو کر ادا کرنے کی طاقت نہ باقی رہی، ایک روز سجدے میں رو کر عرض کیا کہ اے اللہ یہ امداد اللہ آپ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کے در پر سوال نہیں کر سکتا۔ اسی رات آپ نے خواب میں ایک ہاتفِ غیبی سے سنا کہ یہ خزانہ کی کنجی لے لو، آپ نے عرض کیا کہ میں خزانہ نہیں چاہتا ہوں، بس یہ چاہتا ہوں کہ صرف اللہ کا محتاج رہوں، کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔ اس کے بعد پھر آپ کو کبھی فاقہ کی تکلیف نہ ہوئی، اور فتوحاتِ غیبیہ کھل گئیں، اور کچھ دن بعد تو جوق در جوق طالبین آنے لگے، اور آپ شیخ العرب والعجم ہو گئے۔ لیکن حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانۂ تنگی اور فاقہ زدگی میں حق تعالیٰ کی طرف سے جو انوار اور فیوض اور نفحاتِ کرم قلب پر وارد ہوتے تھے اس لطف کو اب دل ترستا ہے۔

اللہ والوں کا اپنی گدڑی میں اطمینان

اللہ والے اپنے پیوندی لباس اور بوریہ نشینی میں جس چین اور محبت الٰہیہ کی لذت میں رہتے ہیں، اگر سلاطین کو ان کی اس باطنی لذت کی خبر ہو جائے تو تلواریں لے کر چڑھائی کر دیں۔ لیکن یہ نعمت تلواروں سے نہیں ملتی ہے، یہ نعمت تو کسی اللہ والے کی جوتی سیدھی کرنے ہی سے ملتی ہے، اور وہ اللہ والا اپنی اس شکستہ حالی میں بزبانِ حال یہ کہتا ہے کہ:

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم ❊ مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

اگرچہ ہم قلاش اور دیوانے ہیں لیکن دنیا سے مردار کے طالب نہیں ہیں، اس ساقیِ ازل اور اس پیمانے کے مست ہیں جس نے روزِ ازل اپنے دستِ کرم سے ہمیں پلایا تھا۔

انسان کے خمیر میں حق تعالیٰ کی محبت

؎ جرعۂ می ریخت ساقیِ الست
بر سرِ ایں خاک شد ہر ذرّہ مست

اس ساقی ازل نے ایک جرعۂ محبت ارواح پر ڈالا تھا، آج ہر ذرہ اس خاک کا مست اور سرشار ہے، یعنی اس خاکی انسان میں حق تعالیٰ کی محبت وہیں سے رکھ دی گئی تھی، لیکن وہ علائق فانیہ اور رذائل نفسانیہ سے دبی ہوتی ہے، جو لوگ کسی اہل دل سے یعنی اللہ والے سے اپنی اصلاحِ نفس کی فکر میں لگ جاتے ہیں، اور اللہ اللہ کرنے لگتے ہیں ان کی وہ چنگاری دبی ہوئی روشن ہونے لگتی ہے۔ اور محبت کا جو بیج ارواح میں حق تعالیٰ نے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ فرما کر بو دیا تھا وہ نشو و نما پانے لگتا ہے، اور رفتہ رفتہ معرفت اور محبتِ الٰہیہ کے اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جہاں تک اس بندۂ عارف کو پہنچانا علم الٰہی میں تجویز ہوتا ہے۔ معرفت اور محبت کا کھیل مجاہدہ پر موقوف ہے ؎

برسائیں گے جب خونِ دل اور خونِ جگر ہم
دیکھیں گے تب ہی نخلِ محبت میں ثمر ہم

کامیابی تو کام سے ہوگی نہ کہ حسنِ کلام سے ہوگی
ذکر کے التزام سے ہوگی فکر کے اہتمام سے ہوگی

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا، فرماتے ہیں کہ جو بندے ہماری راہ میں کوششیں کرتے ہیں ہم ان کے لئے اپنی راہیں کھول دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جن بندوں کو اپنی محبت سے نوازا ہے ان سے پوچھو کہ ان کی محبت میں کیا لطف ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں اَلرَّحْمٰنُ فَاسْئَلْ بِهٖ خَبِیْرًا ط مرشدی حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کا عجیب ترجمہ فرمایا ہے " رحمٰن کی شان کو کسی باخبر سے پوچھو" سبحان اللہ قابلِ وجد ترجمہ فرمایا ہے۔

پیرِ ما سرِّ عالم مستی — بادلِ ہوشیار میگوید
کہ بچشمانِ دل ببین جز دوست — ہر چہ بینی بدانکہ مظہرِ اوست

لیلیٰ کی محبت میں مجنوں کی نادانی

مجنوں نادان تھا جو لیلیٰ کی محبت میں اُلجھ کر محبوبِ حقیقی سے دور رہا، کیونکہ مخلوقات کا حُسن عکس اور پَرتو ہے، اور قاعدۂ کلیہ ہے کہ جو شخص عکس کی طرف متوجہ ہوتا ہے وہ اصل سے محروم ہوجاتا ہے۔ کسی باخبر سے اس کو پالا نہ پڑا تھا، ورنہ وہ اسے آگاہ کرتا کہ او نادان لیلیٰ کو کس نے لیلیٰ بنایا تھا، اور وہ عارف باللہ مشتی نام لیلیٰ کو مشتِ نام مولیٰ سے تبدیل کردیتا۔ اسی کو حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں:۔

لہ ہمارا پیر عالمِ مستی کا بھید ہوشیار قلب سے بیان کرتا ہے۔

لہ کہ دل کی آنکھوں سے بجز دوست کے کچھ مت دیکھ، اور دوست کے علاوہ تمام مخلوقات کو دوست کا مظہر سمجھ۔

عشقِ مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود گوئے گشتن بہرِ او اولیٰ بود

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ کا عشق، عشقِ لیلیٰ سے کیونکر کم ہو سکتا ہے جب کہ وہ خالقِ لیلیٰ ہیں۔ پس مولیٰ کی محبت میں گیند ہو جانا ہی اولیٰ ہے، یعنی گیند کو جس طرف چاہتے ہیں قدم کی ضرب سے حرکت دیتے رہتے ہیں، اسی طرح حق تعالیٰ کے ہاتھ میں اپنے کو سپرد کر دو ؎

عشق را با حیّ و با قیوم دار عشق با مردہ نباشد پائیدار

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ عشق حقیقی زندہ اور حقیقی سنبھالنے والے سے یعنی حق تعالیٰ سے کرنا چاہئے اور جو ایک دن مرنے والے ہیں ان کی محبت پائیدار نہیں ہے ؎

از شراب قہر چوں مستی دہد نیستہا را صورتِ ہستی دہد

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کی محبت میں اہل دنیا جو سرمست نظر آتے ہیں یہ مستی شرابِ قہر کی مستی ہے، ایک دن خدا کا عذاب اس مستی کو ختم کرنے والا ہے، پھر دار الجزاء میں پہنچ کر ندامت اور پچھتانے سے کچھ بھی نتیجہ مرتب نہ ہوگا۔ چنانچہ کفار عذاب آخرت کا مشاہدہ کر کے تمنا کریں گے کہ کاش ہم مٹی ہو جاتے۔ وَيَقُوْلُ الْكَافِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرَابًا اور کافر قیامت کے دن کہے گا کاش کہ میں مٹی ہو جاتا۔

اور اللہ والوں کو اپنے پروردگار کی محبت میں جو لذت ملی ہے اس لذت کے سامنے انہوں نے دنیا سے رخ پھیر لیا، کیونکہ اللہ کی محبت کے اور معرفت کے نور میں دنیا کی حقیقت ان پر منکشف ہو گئی۔ ہمارے خواجہ صاحبؒ نے خوب فرمایا ہے ؎

رنگ رلیوں پہ زمانے کے نہ جانا اے دل یہ خزاں ہے جو بانداز بہار آئی ہے

دنیا کی ہر لذت فانی ہے اور ایک خواب و افسانہ ہے، خواجہ صاحبؒ نے کیا خوب کہا ہے ؎

جہاں دراصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی
بس اتنی سی حقیقت ہے فریب خواب ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ بن جائے

اَلَا یَا سَاکِنَ الْقَصْرِ الْمُعَلّٰی ستُدْفَنُ عَنْقَرِیْبٍ فِی التُّرَابِ
قَلِیْلٌ عُمْرُنَا فِیْ دَارِ دُنْیَا فَمَرْجِعُنَا اِلٰی بَیْتِ التُّرَابِ

ترجمہ: "اے اونچے اونچے محلوں کے ساکنین عنقریب تم لوگ مٹی میں دفن کئے جاؤ گے، ہماری عمر دنیا کے اس گھر میں بہت قلیل ہے، عنقریب مٹی کے گھر کی طرف یعنی قبر کی طرف ہماری واپسی ہے۔"

اللہ والے دنیا میں کس طرح رہتے ہیں؟

اللہ والے بھی دنیائے بے ثبات کو برتتے ہیں، مگر اس سے دل نہیں لگاتے۔ ضرورت پوری کرنا اور بات ہے جی لگانا اور بات ہے، دونوں باتوں میں فرق ہے۔ پائخانے میں آدمی رفع ضرورت کے لئے بیٹھتا ہے، مگر پائخانہ میں دل نہیں لگاتا ہے۔ دنیا اس وقت مذموم ہے جب اللہ تعالیٰ سے غفلت میں مبتلا کردے۔ جس طرح سے کہ کشتی کے لئے پانی اس وقت ہلاکت کا سبب ہے جب کشتی کے اندر داخل ہو جائے اور کشتی کے باہر کشتی کے لئے مفید اور معین ہے بلکہ ضروری ہے، اسی طرح بقدر ضرورت دنیا ضروری ہے۔

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ "ضرورت کی تعریف

کم لوگ سمجھتے ہیں اکثر غیر ضروری کاموں کو بھی ضروری سمجھا جاتا ہے" پھر فرمایا کہ" وہ کام ہے کہ جس کے نہ کرنے سے ضرر ہو"

بحان اللہ ضرورت کا مفہوم حضرتؒ نے خوب حل فرمادیا، البتہ وہ بندے مستثنیٰ ہیں جن پر جذب طاری ہوگیا، اور وہ غلبۂ حال میں دنیا کو لات مار کر بالکل اللہ کے ہوگئے

تابِ زنجیر ندارد دل دیوانہ ما

اللہ کی محبت میں ایسے دیوانے ہوگئے کہ اپنا وطن اور ملک اور سلطنت سب کچھ اُن پر سرد ہوگیا، اکبر الٰہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے ؎

اے جانِ جہاں حور نہ اچھی نہ پری خوب
ہے میری نگاہوں میں تری جلوہ گری خوب

جذب کی تعریف

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اَللّٰہُ یَجْتَبِیْ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ (ترجمہ) اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اس کو اپنے تک رسائی دیتے ہیں، اسی کھینچ لینے کا نام جذب ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظہورِ نبوّت سے قبل غارِ حرا تشریف لے جاتے اور کئی کئی دن عبادت میں مصروف رہتے ارشاد فرماتے ہیں حُبِّبَ اِلَیَّ الْخَلَاءُ، حضور فرماتے ہیں کہ جب ظہورِ نبوّت کا زمانہ قریب ہوا تو مجھے خلوت محبوب کرادی گئی۔

ھ ترجمہ" ہمارا دیوانہ دل اب زنجیر کی قید برداشت نہیں کرسکتا"

حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ پر جب اللہ تعالیٰ کی محبّت نے اثر کیا تو تخت و تاج کو خیر باد کہہ کر نیشاپور کے جنگل میں دس برس تک مصروفِ عبادت رہے، دنیا سے دل اچاٹ ہو جانا اللہ کی طرف راستہ کا اوّل قدم ہے۔

جس کو حق تعالیٰ اپنا بناتے ہیں اُس کو دُنیا سے بے رَغبت فرما دیتے ہیں

جس کو حق تعالیٰ اپنا بنانا چاہتے ہیں تو اس پر دنیا تے فانی اور اس کی لذّت فانیہ کی صحیح حقیقت منکشف فرما دیتے ہیں جس کے اثر سے اس کا دل دنیا سے متوحش ہو جاتا ہے، اسی کا نام زہد ہے۔

زُھد کا مفہوم

زہد کا مفہوم دنیا سے بے رغبت ہو جانا ہے، ہمارے حضرت مُرشد مولانا تھانویؒ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ زہد اس راہ کا اوّل قدم ہے ؎

تا بدانی ہر کرا یزداں بخواند
از ہمہ کارِ جہاں بیکار ماند

جس کو حق تعالیٰ نے اپنے لئے چُن لیا وہ دنیا کے سارے کاموں سے بے کار ہو گیا، یعنی اس کا دل بجز یادِ حق کے کسی چیز سے اُنس نہیں پکڑتا۔

قصہ حضرت ابراہیم ادہمؒ

چنانچہ حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ پر جب عشق حقیقی نے اثر کیا تو سلطنتِ بلخ سے دل اچاٹ ہوگیا، اور اس جذب کی صورت یہ ہوئی تھی کہ ایک رات بالا خانے پر سو رہے تھے، حق تعالیٰ نے چند فرشتوں کو انسان کی صورت میں ان کے پاس بھیجا، حضرت ابراہیم ادہمؒ ان حضرات کے آنے کی آہٹ پاکر دل میں سوچنے لگے کہ محلِ شاہی میں رات کے وقت کسی انسان کی ایسی ہمت اور جرأت نہیں ہوسکتی ہے، یہ شاید جن ہیں، دریافت فرمایا آپ لوگ کیسے تشریف لائے ہیں، اُن وارِدینِ کرام نے فرمایا کہ ہم لوگ اپنے اونٹوں کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ حضرت ابراہیم ادہمؒ نے فرمایا کہ اونٹ بالاخانے پر کیسے جست کرکے آسکتا ہے، پس ان واردینِ غیب نے فرمایا کہ بیشک اونٹ بالاخانہ پر نہیں آسکتا، لیکن تو تختِ شاہی پر پھر خدا کی تلاش کیوں کرتا ہے ؎

فکر آں باشد کہ بکشاید رہے
راہ آں باشد کہ پیش آید شہے

حضرت عارف رُومیؒ فرماتے ہیں کہ اصلی فکر وہ ہے جو راستہ کھول دے اور راستہ اصلی وہ ہے جو شہنشاہِ حقیقی تک پہنچادے۔

حضرت ابراہیم ادہمؒ کے سامنے سے یہ وارِدینِ غیب یہ کہہ کر اسی وقت نظر سے غائب ہوگئے اور ادھر حضرت ابراہیم ادہمؒ کے دل پر ایک چوٹ لگ گئی اور اللہ کی محبت میں سلطنت، تخت، تاج سب کچھ تج دیا ؎

شاہی و شہزادگی در باختہ از پئے او در غریبی ساختہ

شاہی اور شہزادگی سب کچھ چھوڑ دیا اور اللہ کے لئے غربت کے ساتھ موافقت کر لی ؎

بندگیِ او چناں در خون شُد کہ شہی اندر دلِ او سرد شُد

اللہ کی غلامی میں ان کو ایسا لطف آیا کہ شاہی اُن کے دل میں سرد ہو گئی ؎

بندگیِ او بہ از سلطانی است کہ اَنَا خَیرٌ دمِ شیطانی است

اللہ تعالیٰ کی بندگی سلطانی سے بہتر ہے کیونکہ اَنَا خَیرٌ کہنا شیطانی مقولہ ہے ؎

کشتنی بہ از صد ہزاراں زندگی سلطنتہا مردۂ ایں بندگی

اپنے اللہ پر جو ہمارا محبوب حقیقی ہے جان کو قربان کر دینا ہزاروں زندگیوں سے بہتر ہے ؎

جان دی، دی ہوئی انہی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ہزاروں سلطنتیں ان کی غلامی پر قربان ہیں ؎

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد
آنچہ در ہمت نیاید آں دہد

مجاہدہ میں حق تعالیٰ آدھی جان لیتے ہیں اور اس کے عوض میں سو جان عطا فرماتے ہیں اور ایسی ایسی نعمتیں عطا فرماتے ہیں کہ جو تیرے گمان میں بھی نہیں آسکتیں ۔

حضرت ابراہیم اَدہمؒ نے سلطنت چھوڑ دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی کیا قدر فرمائی ، پہلے صرف ایک محمود سلطنت کے مالک تھے اب خشکی اور تری پر حکومت نصیب ہو گئی ۔

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

ایک روز ابراہیم ادہمؒ دریا کے کنارے گدڑی سی رہے تھے کہ اچانک سلطنتِ بلخ کا ایک وزیر اس راہ سے گذرا۔ وزیر نے بادشاہ کو اسی غربت میں گدڑی سیتے ہوئے جب دیکھا تو دل میں سوچا کہ انہوں نے ملک ہفت اقلیم ضائع کر کے گدڑی سینا شروع کر دیا ہے، ایسی سلطنت پر اس گدائی کو ترجیح دی ہے نہ معلوم یہ کونسی عقلمندی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وزیر کے اس خیال باطل کو حضرت ابراہیم ادہمؒ پر منکشف فرمایا پس حضرت ابراہیم ادہمؒ نے اپنی سوئی دریا میں پھینک دی اور حکم دیا کہ اے مچھلیو! میری سوئی لاؤ، اس حکم کا سُننا تھا کہ سو ہزار مچھلیاں سونے کی ایک ایک سوئی اپنے اپنے لبوں میں دبائے ہوئے دریا کے کنارے حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں کہ حضرت سوئی حاضر ہے۔ اسی کو حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

صد ہزاراں ماہیے اللّٰہیے سوزنِ زریں بہر ماہیے
سر برآور دند از دریائے حق کہ بگیر اے شیخ سوزنہائے حق

حضرت ابراہیم ادہمؒ نے عرض کیا کہ اے اللہ میں اپنی سوئی چاہتا ہوں بس ایک مچھلی وہ خاص سوئی جس کو شیخ نے دریا میں پھینکا تھا لے کر حاضر ہوئی۔ اس وقت حضرت ابراہیم ادہمؒ نے اس وزیر سے فرمایا کہ "ملک دل بہ یا چنیں ملک حقیر" دل کی سلطنت بہتر ہے یا ملک حقیر۔ وزیر کا اتنا سننا تھا کہ وزیر نے ایک آہ کھینچی اور کہا افسوس کہ مچھلیاں تو اس اللہ والے کو پہچانتی ہیں اور میں اس شیخ اور قطبِ زماں سے بے خبر ہوں میں

؎ (ترجمہ) سیکڑوں ہزاروں مچھلیاں اللہ والی سونے کی سوئی اپنے اپنے لبوں سے دبائے ہوئے دریائے حق سے اپنے سروں کو ظاہر کر کے عرض کرنے لگیں کہ اے شیخ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی سوئیاں لے لے۔

انسان ہو کر بدبخت ہوں اور یہ مچھلیاں اس دولت معرفت کے سبب مجھ سے سعید ہیں۔ پس وزیر نے اس شاہِ دین شیخ بلخ کے سامنے سراپا ادب بن کر سلام کیا اور روتا ہوا دولت عشق حقیقی سے کامیاب واپس ہوا۔

مولانا رومیؒ اس مقام پر ایک نصیحت فرماتے ہیں ؎

پس تو اے ناشستہ رُو در چیستی
در نزاع و در حسد با کیستی
با دمِ شیرے تو بازی میکنی
بر ملائک ترکتازی میکنی
اولیاء راہست قدرت از الٰہ
تیر جستہ باز گرداند ز راہ

پس اے بے دُھلا ہوا چہرہ رکھنے والے یعنی نامعقول اور نالائق توکس، گمان میں ہے یہ حسد اور جنگ کن مقدس اور پاکیزہ نفوس سے کرتا ہے، شیرانِ طریق حق سے تو مقابلہ کرتا ہے فرشتوں سے دوڑ میں سبقت کرتا ہے، یعنی اللہ والوں سے بدگمانی اور حسد نہ کرنا چاہیئے، کیونکہ اولیاء کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور کرامت کے ایسی طاقت عطا ہوتی ہے کہ تیر جستہ کو واپس کر لیتے ہیں ؎

دستِ پیر از غائباں کوتاہ نیست
دستِ او جز قبضۂ اللہ نیست

پیر کا ہاتھ طالبین غائبین سے کوتاہ نہیں ہے، اُس کا ہاتھ گویا کہ اللہ کا ہاتھ ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرات صحابہؓ کو بیعت فرما رہے تھے تو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ

اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کو حق تعالیٰ نے اپنا ہاتھ فرمایا جو کس قدر جلالت شانِ رسالت اور حرمتِ معاہدہ پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ قاز ایک چڑیا ہے جو انڈے دے کر اڑ جاتی ہے اور کوسوں دور رہ کر توجہ سے انڈوں کو حرارت پہنچاتی ہے، اور اس حرارت سے بچہ نکل آتا ہے، جب ادنیٰ مخلوق کی توجہ میں یہ اثر حق تعالیٰ نے رکھا ہے تو اولیاء اللہ میں ایسے اثرات کے متعلق کیا تعجب ہے۔

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد
تا دلے صاحب دلے نامد بدرد۔

اللہ تعالیٰ کسی قوم کو رسوا نہیں فرماتے ہیں جب تک کہ وہ قوم کسی صاحب دل کو اذیت نہیں پہنچاتی ہے۔ ملائک سے سبقت کرنے کو اس لئے فرمایا کہ خواص اولیاء اللہ فرشتوں کے خواص سے افضل اور اشرف ہوتے ہیں، اور عوام مؤمنین فرشتوں کے عوام سے افضل ہوتے ہیں، یہ تحقیق ہمارے مرشد مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔

اللہ والوں کی مخالفت اور ایذا رسانی کا انجام

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ والوں سے بدگمانی کبھی نہ کرنا چاہئے اور نہ اُن کے ساتھ کوئی تکلیف دہ معاملہ کرنا چاہئے، اللہ والوں کو تکلیف دینے والا آدمی بہت جلد مبتلائے قہر ہو جاتا ہے،

اور حضرت مرشدیؒ اس حدیث سے استدلال فرماتے تھے کہ ایک بار حضرات صحابہؓ میں اس امر کے متعلق اختلاف ہوا کہ آپ کو دوا پلائی جائے یا نہیں، جب کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر عالمِ نزع طاری تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوا پینے سے انکار فرما دیا تھا، اور پھر غشی طاری ہو گئی تھی۔ بعض اصحابؓ نے یہ اجتہاد کیا کہ یہ انکار ایسا ہی ہے جیسا کہ مرض کی شدّت میں ہر انسان غیر ارادی طور پر غفلت اور بیہوشی میں دوا پینے سے انکار کر دیتا ہے۔ اور بعض اصحابؓ نے یہ اجتہاد کیا کہ نہیں آپؐ نے جو حکم فرمایا ہے اسی کی تعمیل ہونی چاہئے، عام طبائع پر آپ کو قیاس کرنا مناسب نہیں ہے۔

الغرض غلبۂ محبّت اور خیر خواہی میں دوا پلا دینے کی رائے پر عمل کیا کیا گیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو افاقہ ہوا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کو فوراً بلاؤ جنھوں نے ہمیں دوا پلائی تھی، اور آپؐ ارشاد فرمایا کہ فوراً وہی دوا ان لوگوں کو پلاؤ ورنہ اندیشہ ہے کہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کسی سزا میں مبتلا فرما دیں۔

حضرت والا نے فرمایا کہ حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کو بہ نیت خیر خواہی بھی اگر کسی نے تکلیف پہنچا دی تو اس کے لئے بھی یہ خطرناک صورت ہے۔ اور ارشاد فرمایا کہ ایک بار امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص بے تمیز اور بے ادب حاضر ہوا اور اس نے آپ کے حِلم اور تحمل کا امتحان کرنے کے لئے یہ سوال کیا کہ آپ اپنی والدہ کا جو ایسی صورت کی ہیں میرے ساتھ نکاح کر دیں، آپ نے فرمایا اچھا میں اندر جا کر والدہ سے دریافت کر کے جواب دیتا ہوں۔

آپ اندر تشریف لے گئے اور جب باہر آئے تو وہ شخص مرا ہوا پڑا ہوا تھا، فوراً اللہ تعالیٰ نے اس پر قہر نازل فرمایا۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہاتھی کو چھیڑنا مگر ہاتھی کے بچہ کو نہ چھیڑنا، کیونکہ ہاتھی اپنی ذاتی تکلیف تو برداشت کرسکتا ہے، لیکن بچہ کی تکلیف کا تحمل نہیں کرسکتا، اور اس پر ایک واقعہ بیان فرمایا کہ :-

ایک عجیب حکایت

ایک بارات جنگل میں پڑی تھی، بارات والوں میں سے ایک شخص جنگل میں گیا، دیکھتا ہے کہ ہاتھی کا ایک بچہ سو رہا ہے بس اس نے تلوار سے اس کو قتل کردیا اور خود بارات والوں کے درمیان جاکر سو رہا، ہاتھی نے جب اپنے مقتول بچہ کی لاش دیکھی تو اس کا غضب جوش میں آگیا، اور قاتل کی تلاش میں بارات والوں کے پاس پہنچا، اور ہر شخص کے جسم کو سونگھتا ہوا قاتل کے پاس پہنچا، اور قاتل کو سونگھ کر اس کی گردن میں سونڈ لپیٹ کر کھینچا اور اس کے بدن کو چیر کر پھینک دیا۔

اس حکایت سے مولاناؒ نصیحت فرماتے ہیں کہ اللہ والے اہل اللہ ہیں، یہ اللہ کے اہل وعیال ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات پاک حلیم ہے، لاکھوں کفر اور شرک کے باوجود ان کی رحمت عامہ کفار اور مشرکین کو رزق پہنچاتی ہے۔ لیکن جب ان کے اولیاء کو کوئی اذیت پہنچاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا غضب فوراً جوش میں آجاتا ہے، اور اس کو فوراً رسوا فرمادیتے ہیں۔

حدیث شریف میں وارد ہے مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ "جو میرے ولی سے عداوت رکھے میں اُس کے ساتھ اعلان جنگ کرتا ہوں"

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

حضرت عارفؒ فرماتے ہیں کہ بے ادب تنہا خود کو تباہ نہیں کرتا ہے، بلکہ سارے عالم میں تباہی کی آگ لگا دیتا ہے ؎

از خدا جوئیم توفیق ادب
بے ادب محروم گشت از لطفِ رب

ہم خدا سے ادب کی توفیق چاہتے ہیں، کیونکہ بے ادب لطفِ رب سے محروم ہو گیا۔

بدگمانی اور اعتراض کا منشا قلّتِ عشق ہے

اکثر بدگمانی اور اعتراض کا منشا تکبّر ہوا کرتا ہے، ہمارے حضرت مرشد مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اعتراض قلّتِ عشق سے ناشی ہے، یعنی محبّت کی کمی سے اعتراض پیدا ہوتا ہے، اور عاشق کی شان یہ ہوتی ہے ؎

نہ گیختن علت از کار تو　　زباں تازہ کردن باقرار تو

عاشق صادق کہتا ہے کہ اے محبوب حقیقی ہمیں تیرے کام کی علت سے کچھ مطلب نہیں ہے، ہمیں تو آپ کے نام کی رٹ سے اپنی زبان تازہ کرنا ہے، محبت اطاعت سکھاتی ہے، کیونکہ محبّت سے عقل خام پختہ ہو جاتی ہے۔ اور

عقل اور عشق

عقل ناقص تکبر سکھاتی ہے، اور چون وچرا میں مبتلا کر کے شیطان کی طرح راندۂ درگاہ کرتی ہے، حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ شیطان سالکِ محض تھا مجذوب نہ تھا۔ نری عقل کا راستہ خطرناک ہوتا ہے، قصور شیطان سے بھی ہوا اور حضرت آدم علیہ السلام سے بھی ہوا، لیکن شیطان نے چون وچرا اور اعتراض کا سلسلہ شروع کیا، کہ آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا فرمایا اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے، اور دوسرا مقدمہ اس کے دل میں مخفی تھا، یعنی آگ افضل ہے مٹی سے، پس فاضل سے مفضول کے لئے ایسا ادب کیوں تجویز کیا گیا۔ اس نالائق کو یہ نہ سوجھی کہ امر الٰہی کا ادب کیا ہے، بندے کا کام بندگی اور سرافگندگی ہے، نہ کہ سرکشی اور روگردانی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے قصور کی کوئی تاویل تک نہ کی کہ مثلاً شیطان نے مجھے دھوکہ دیا یا میں آپ کے حکم کو بھول گیا۔ بس عتاب ہونا تھا کہ ندامت سے گڑگڑائے، اور فوراً عرض کیا کہ اے ہمارے رب ہم سے قصور ہوگیا، اگر آپ ہمیں نہ بخشیں گے اور ہمارے اوپر رحم نہ فرمائیں گے تو ہم بڑے ٹوٹے میں پڑ جاویں گے۔ اسی کو حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں کہ عبدیت اور محبت نیک بخت لوگوں کو عطا ہوتی ہے،

داند آں کو نیک بخت و محرم است
زیرکی زابلیس و عشق از آدم است

عقل ناقص کا ظہور ابلیس سے ہوا اور عقل کامل یعنی عقل مع المحبت

کا ظہور حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا ؎

رَبَّنَا اِنَّا ظَلَمْنَا گفت و آہ یعنی آمد ظلمت و گم گشت راہ

حضرت آدم علیہ السلام نے رَبَّنَا ظَلَمْنَا عرض کیا اور آہ کھینچی کہ ظلمت آئی اور راستہ گم ہوا پھر حق تعالیٰ نے آپ کی ندامت یعنی توبہ قبول فرمائی۔ اور آپ کو تاجِ خلافت سے نوازا، اور ابلیس لعین ہمیشہ کے لئے مردود ہوا۔

اور جو اللہ کے خاص بندے ہیں وہ اپنے باپ آدم علیہ السلام کے طریقہ پر اب بھی کاربند ہیں، یعنی ہر خطا پر ندامت کے آنسو لے کر بارگاہِ صمدیت میں حاضر ہو جاتے ہیں۔ اسی کو مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

آنکہ فرزندانِ خاصِ آدم اند نفحۂ اِنَّا ظَلَمْنَا امیدمند

وہ لوگ جو فرزندانِ خاص حضرت آدم علیہ السلام کے ہیں وہ رَبَّنَا ظَلَمْنَا سے اپنی خطاؤں کا تدارک کرتے رہتے ہیں، محبت سب ادب سکھا دیتی ہے۔ عاشق کی شان ہی اور ہوتی ہے۔

ع عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن

ترجمہ: "عاشقی کیا ہے کہدو کہ محبوب کا غلام ہو جانا"

ہمارے خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

میں ہوں اور حشر تک اس در کی جبیں سائی ہے
سرِ زاہد نہیں یہ سر سرِ سودائی ہے

اور محبت سے بندہ کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتا ہے اس راہ کے اندر محبت والا بہت جلد بن جاتا ہے۔

محبت کے ثمرات

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

جسم خاک از عشق بر افلاک شد
کوہ در رقص آمد و چالاک شد

؎ اللہ اللہ عشق کا فیض و کرم
خاک کا افلاک پر جانے قدم (اذہر تب)

عشقِ حقیقی کی برکت سے جسم خاکی نے ماورائے افلاک کی سیر کی اور کوہِ طور وجد میں آگیا، اور بے جان شے یعنی از قسم جمادات ہونے کے باوجود ہوشیار ہوگیا، اور اس ہوشیاری کی تفصیل کو دوسرے مقام پر مولاناؒ بیان فرماتے ہیں ؎

بر برونِ کہسہ چو زد نورِ صمد
پارہ شد تا در درونش ہم زند

طور پہاڑ کی ظاہر سطح پر جب نورِ صمد نے تجلی فرمائی تو وہ پارہ پارہ ہوگیا تاکہ اس کے باطن میں بھی نور داخل ہو جائے ؎

گرسنہ چوں بر کفش زد قرصِ نان
واشگافد از ہوس چشم و دہان

جیسے گرسنہ یعنی بھوکے کے ہاتھ پر جب قرصِ نان یعنی روٹی لگتی ہے تو وہ ہوس سے آنکھ اور منہ بھی پھاڑ دیتا ہے۔ یہی حالت طور کی ہوگئی کہ گویا منہ پھاڑ دیا، کہ غذائے نو جس طرح اس کے ہاتھ یعنی ظاہر پر رکھی گئی ہے اسی طرح اس کے منہ یعنی باطن میں بھی پہنچا دی جائے۔

صد ہزاراں پارہ گشتن از زدیں
از میانِ چرخ برخیز اے زمیں

پس جس طرح طور نے حصولِ نور فی الباطن کے لئے اپنے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، یعنی فنا صورت کو گوارا کر لیا، تو بھی اپنے جسم کی پرواہ نہ کر، اور اس نورِ حقیقی کو حاصل کرنیکے لئے اس کو فنا کر دے، پس اے زمین آسمان کے بیچ سے اٹھ جا، تاکہ نورِ آسمان مثلاً نورِ آفتاب سایہ سوز ہو جائے یعنی خلاء میں نور ہی نور رہ جائے ؎

تاکہ نورِ چرخ گردد سایہ سوز
شب ز سایہ تست اے باغیِ روز۔

اہلِ ہیئت کی تحقیق ہے کہ شب کی حقیقت سایہ ہے زمین کا، آفتاب جس وقت ہمارے اعتبار سے زمین کی دوسری طرف ہوتا ہے، تو زمین کا سایہ جوّ میں پڑتا ہے وہ شب ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح مثلاً زمین کے اٹھ جانے سے ہر وقت جوّ میں نور ہی نور رہا کرے، اسی طرح اگر جسم فنا ہو جاوے تو روح پر نورِ حق متجلی رہا کرے، پس جب فنا کی یہ خاصیت ہے تو اس میں پس و پیش کیوں کیا جاوے (کلید مثنوی صفحہ ۵۴۶) فنا جسم سے مراد اپنی مرضیات اور خواہشات کو مرضیاتِ الٰہیہ کے تابع کر دینا ہے جو عادتاً موقوف ہے کسی اللہ والے کی صحبت میں باقاعدہ تزکیہ اور اصلاحِ نفس کرانے پر۔

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

خانۂ پر نقش و تصویر و خیال
دیں صور چوں پردہ بر گنجِ وصال

فصر چیزے نیست ویراں کن بدن
گنج در ویرانی است اے میرِ من
ایں نمی بینی کہ در بزمِ شراب
مست آنگہ خوش شود کو شد خراب

کہ یہ خانۂ پرنقش اور یہ خیالات و تصورات یہ سب کے سب گنجِ وصال پر مثل حجاب کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے راستہ میں یہ تمہاری خواہشات نفسانیہ وصول الی اللہ کے لئے مثل حجاب کے ہیں۔

بندوں کا عشق نا تمام ہوتا نہیں ہے آہ تام
نفس کی مرضیات کا جب تک کہ خوں ہوتا نہیں

فنائے نفس کے موانع اور ان کے ازالہ کی تدبیر

مگر ان خواہشات نفسانیہ کو مرضیاتِ الٰہیہ کے تابع کرنے کی ہمت اس لئے نہیں ہوتی کہ یہ خواہشات کا گھر نقش و نگار سے بھرا ہوا معلوم ہوتا ہے، اور آدمی سوچتا ہے کہ اگر اس پُرنقش گھر کو ویران کر دیں گے تو یہ نقش و نگار سب مٹ جائیں گے، لیکن درحقیقت یہ خیال غلط ہے، واقع میں یہ ویرانی نہیں ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی گھر کے اندر بنیاد کے نیچے خزانہ مدفون ہے جو بدون نکالے ہوئے حاصل نہ ہو اور پھر اس خزانے سے پہلے سے بھی اچھا گھر بنا دیا جائے تو اس ویرانی کو کون مضر کہے گا۔

اسی طرح جب کسی اللہ والے سے تعلق قائم کر کے جن بُرے اخلاق و مقتضیات مذمومہ کو زائل کرو گے اس سے اچھے اخلاق

و ملکات میسّر ہوں گے جس سے آخرت میں تو خیرٌ وّ اَبقیٰ ملے گا ہی، باقی دنیا میں بھی ایسی حیاتِ طیبہ میسّر ہوگی جس پر سلاطین بھی غبطہ کریں گے۔ اس لئے یہ ویرانی سبب زیادہ آبادی کا ہوگئی۔ اس سے تو ویرانی مذکور کا مضر نہ ہونا بلکہ انفع ہونا ثابت ہوا، پس خواہشاتِ نفسانیہ کے قصر کی حفاظت کوئی چیز نہیں، اس کو ویران کر دے، کیونکہ اے میرے امیر خزانہ ویرانی ہی میں ملتا ہے، یعنی ان خواہشات مذمومہ شہوت و غضب کو جب مجاہدہ سے مغلوب کر دو گے تو نفس صفاتِ حمیدہ سے متصف ہو کر مورد تجلیات بن جائے گا اور تعلق مع اللہ کی دولت باطن میں میسّر ہو جائے گی۔

تیسرے شعر میں مولانا فرماتے ہیں کہ کیا تو نہیں دیکھتا کہ بزمِ شراب میں مست اس وقت خوش ہوتا ہے جب وہ باعتبار حواسِ بدنیہ کے خراب اور ویران ہو جائے، یعنی اس کے حواس معطل ہو جاویں مراد اس سے کامل نشہ ہے۔

غلبۂ مستیِ حق اور اس کا ثمرہ

اسی طرح جب تیرے اندر مستیِ حق ان ادراکات کے خاص افعال اور آثار پر کہ توجہ الی غیر الحق و انہماک فی اللذات ہے غالب ہو جاوے، جب فرح حقیقی حاصل ہوگی، اور اس وقت بزبانِ حال یہ کہو گے ؎

بادہ در جوشش گدائے جوشِ ماست
چرخ در گردش اسیرِ ہوشِ ماست
بادہ از ما مست شد نے ما ازو

قالب از ما ہست شد نے ما ازو

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ بادہ اپنی مستی میں ہماری مستی کا گدا ہے اور فلک اپنی گردش میں ہمارے ہوش کا قیدی ہے۔

اسی کو ہمارے خواجہ صاحب نے فرمایا ہے ؎

عجب کیا گر مجھے عالم بایں وسعت بھی زنداں تھا
میں وحشی بھی تو وہ ہوں لامکاں جس کا بیاباں تھا

دوسرے شعر میں مولاناؒ فرماتے ہیں کہ "بادہ مجھ سے مست ہے نہ کہ میں اس سے مست ہوں، قالب کا وجود میرے سبب سے ہے نہ کہ ہمارا وجود اس کے سبب سے" مولاناؒ نے اپنے کو صرف مرتبۂ روح میں لاکر قطع نظر اس جسد عنصری کے یہ اشعار کہے ہیں، اور یہ امر ظاہر ہے کہ اگر روح کا علاقہ اس جسد خاکی سے منقطع ہو جاوے تو پھر شراب کا نشہ اسی وقت کافور ہو جاوے اور رُوح میں عشق حق سے جو مستی ہے اس کو ہر وقت تازگی ہے کبھی زوال نہیں، خواہ جسد عنصری کا تعلق باقی رہے یا منقطع ہو جاوے، اسی کو فرماتے ہیں ؎

جامہ پوشاں را نظر بر گاز است
رُوح عُریاں را تجلّی زیور است

جامہ پوشوں کی نظر دھوبی پر رہتی ہے، اور روح عریاں کا زیور تجلّیِ حق ہے۔

رنگِ صدق و رنگِ تقویٰ و یقیں
تا ابد باقی بود بر عابدیں

صدق اور تقویٰ اور یقین کا رنگ عابدین کی روحوں پر تا ابد باقی رہتا ہے۔

زیں سبب ہنگامہا شد کل ہدر
باشد ایں ہنگامہ ہر دم گرم تر

اسی سبب سے جسم خاکی کے ہنگامے یعنی دنیا کے علائق اور لذات فانیہ سب ایک دن فنا ہو جائیں گے اور رُوح کے اندر جو تعلق مع اللہ کی مستی ہوتی ہے اس کا ہنگامہ ہر دم گرم رہتا ہے ؎

خود قوی تر می شود خمرے کہن
خاصہ آں خمرے کہ باشد من لدُن

شراب میں جس قدر کہنگی بڑھتی جاتی ہے، اس کا نشہ تیز ہو جاتا ہے، خصوصاً وہ شراب جو کہ اس ساقیِ ازل نے پلائی ہو ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

جن کے دل اللہ کے عشق سے زندہ ہو گئے وہ کبھی نہیں مرتے ہیں، اس جسم خاکی سے تعلق منقطع ہونے کے باوجود رُوح کے اندر جو عشق مع الحق ہوتا ہے، اس کی حیاتِ دوامی صفحۂ تاریخ عالم پر مثلِ نقش غیر فانی کے ہوتی ہے۔

دُنیا کی بے ثباتی پر ایک عجیب تمثیل

اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک قلعہ ہے، اور زمانۂ امن میں اس قلعہ کے اندر بہت سی نہریں لذات اور خواہشات کی باہر سے آتی ہوں۔ تو زمانۂ امن میں اہل قلعہ ان نہروں سے لذات حاصل کر کے مست و شاداں ہوں گے، لیکن جب دشمن کی فوج اس قلعہ

کا محاصرہ کر کے نہروں کے راستوں کو باہر سے بند کر دے اس وقت ایک قطرہ پانی کے لئے اہل قلعہ ترس جائیں گے۔

اگر عاقبت اندیشی سے اہلِ قلعہ نے زمانۂ امن میں ایک کھاری چشمہ بھی قلعہ کے اندر کھود لیا ہوتا تو اس وقت ہلاکت سے بچ جاتے، مولانا فرماتے ہیں ؎

آں زماں یک چاہ شورے از درول
بہ ز صد جیحونِ شیریں از بروں

کہ اس وقت میں یہ چشمۂ شور جو قلعہ کے اندر ہوتا سینکڑوں اُن جیحون شیرین جیسے دریا سے بہتر ہوتا جن کا تعلق قلعہ کے باہر سے ہے۔

حضرت عارف رومیؒ نے اس تمثیل کے بعد انسان کے جسم کو ایک قلعہ سے تشبیہ دی ہے اور آنکھ، ناک، کان، زبان سے دیکھنے، سونگھنے، سننے اور چکھنے کے ذریعہ جو لذتیں باطن تک محسوس ہوتی ہیں، ان کو نہروں سے تشبیہ دی ہے جو اس قلعہ کے باہر سے اندر داخل ہو رہی تھیں، اور دشمن کی جبر فوج نے قلعہ کا محاصرہ کر کے بیرونی نہروں کا راستہ کاٹ دیا تھا وہ موت ہے۔

پس انسان کا یہ جسم جو بمشابہ ایک قلعہ کے ہے زمانۂ امن میں یعنی موت سے قبل آنکھ، ناک، کان اور زبان کے ذریعہ ہر وقت خواہشاتِ نفسانیہ کے مطابق فانی لذتوں سے انتفاع میں مست اور بے فکر ہے، جب موت آنکھ، ناک، کان اور زبان کے ذریعہ آنے والی لذتوں کے راستوں کو کاٹ دے گی، تو اس وقت اس کی رُوح سخت اضطراب میں مبتلا ہو گی، کیونکہ اس نے زندگی میں اپنے وطن کے اندر کوئی چشمہ

تعلق مع اللہ کا نہیں قائم کیا تھا کہ جس سے رُوح کو اس وقت میں اُس اور سکون حاصل ہوتا، اگر طاعات میں اس نے کچھ بھی کوشش کی ہوتی، تو آج وہ کوشش بیہودہ بھی جو کہ بوجہ نقصانِ عبدیت مثل چشمہ شور کے ہے اس وقت میں ان سینکڑوں جیحونِ شیریں یعنی لذاتِ فانیہ سے جو بذریعہ حواس خمسہ اندر داخل ہو رہی تھیں بہتر ہوتی ؎

کوشش بیہودہ بہ از خفتگی
دوست دارد دوست ایں آشفتگی

اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

قاطع الاسباب لشکرہائے مرگ
ہمچوں دے آید بقطع شاخ دبرگ

ایک دن موت کے سپاہی تمام اسبابِ لذت کو قطع کرنے والے ہیں اور مثل دیو کے شاخ اور برگ کو قطع کر کے بہارِ ہستی کو خزاں سے بدلنے والے ہیں، خوب بیان فرمایا ہے ہمارے خواجہ صاحبؒ نے ؎

رنگ رلیوں پہ زمانے کے نہ جانا اے دل
یہ خزاں ہے جو باندازِ بہار آئی ہے!

دُنیا کا گھر دھوکہ کا گھر کیوں ہے؟

؎ زاں لقب شد خاک را دار الغرور
کو کشد پا را سپیں یوم العبور

اسی سبب سے حق تعالیٰ نے اس عالمِ خاک کا لقب دار الغرور فرمایا ہے، ارشاد فرماتے ہیں وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ

" اور دنیاوی زندگانی محض ایک دھوکہ کا سامان ہے "

اور سورۂ لقمان میں ارشاد فرماتے ہیں۔ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا قف وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ

" کہ یقیناً اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے، سو تم کو دنیاوی زندگانی دھوکہ میں نہ ڈال دے اور نہ تم کو دھوکہ باز شیطان اللہ سے دھوکہ میں ڈالدے "

اسی کو مولاناؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اس عالمِ خاک کا لقب اسی لئے دار الغرور فرمایا ہے، کہ شیطان جو ہر وقت خواہشاتِ نفسانیہ میں تم کو بھلاوے دے رہا تھا وہ انتقال کے وقت تمہاری یاری اور اعانت سے مدد کا ہاتھ کھینچ لے گا، اور مرنے سے پہلے ہر وقت تیرے آگے پیچھے تیری مدد کے لئے بڑے بڑے وعدے کیا کرتا تھا۔

مَوت کے وقت انسان کی بے کسی

الغرض موت کے وقت ہر قسم کی دنیاوی بہار ختم ہو جاتی ہے بجز اس بہار کے جس نے رُوح میں حق تعالیٰ کی یاد اور اطاعت سے بہار لازوال پیدا کر لی تھی۔ موت کے وقت جہان میں کسی بہار سے مدد نہیں مل سکتی، کیونکہ موت کے وقت حسین سے حسین صورت سامنے کھڑی ہے لیکن آنکھیں دیکھنے سے مجبور ہیں، ناک پر گلاب کا پھول رکھا ہوا ہے مگر خوشبو سونگھنے سے مجبور ہے، محبوب ترین دوست کان میں باتیں کر رہا ہے لیکن کان اب سننے سے مجبور ہے، پلاؤ قورمہ کا لقمہ زبان پر رکھا ہوا ہے لیکن زبان اس کی لذت حاصل کرنے سے مجبور ہے۔ حسین ترین بیوی آکر گلے سے لگ جائے لیکن جسم احساسِ لذت سے قاصر ہے، اکبر الٰہ آبادی کا یہ شعر ہے ؎

قضا کے سامنے بیکار ہوتے ہیں حواس اکبر
کھلی ہوتی ہیں گو آنکھیں مگر بینا نہیں ہوتیں

موت کے وقت کس بہار سے سکون ملتا ہے؟

اب اس وقت دنیا کی کوئی بہار کارآمد نہیں ہو سکتی، بجز ایک بہار کے جو رُوح کے اندر طاعات اور عبادات سے حاصل ہوتی ہے، اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

در جہاں نبود مدد و شاں از بہار
جز مگر در جان بہارِ روئے یار

موت کے وقت جہان میں مرنے والے کے لئے کوئی بہار نہیں بجز اس بہار کے کہ جان میں محبوب حقیقی کا تعلق نصیب ہو۔

اسی کو حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

اے نفس اگر بدیدۂ تحقیق بنگری
درویشی اختیار کنی بر تونگری

ترجمہ: "اے نفس اگر تو تحقیقی نظر سے کام لے تو امیری پر درویشی کو ترجیح دے"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا کی تمام لذات اور بہاروں کی صحیح حقیقت منکشف تھی اس لئے امت کو تعلیم فرماتے ہیں:۔

حدیث کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ کی تقریر

کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ وَعُدَّ نَفْسَکَ مِنْ اَھْلِ الْقُبُوْرِ۔ اس حدیث پاک کے اندر پورا سلوک از ابتداء

تا انتہاء موجود ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے شانوں کو ہلا کر ارشاد فرماتے ہیں :-

" یا ابن عمر! اے چودہ پیوند لگانے والے باپ کے بیٹے! باپ کی پاکیزہ زندگی کے نقشِ قدم کو مت بھولنا، تمہارا ایک زمانہ آنے والا ہے، یعنی جب باپ تمہارا خلیفۃ المومنین ہوگا اور طرح طرح کے ہدایا و تحائف آئیں گے اس وقت مزاج عبدیت سنبھالنا مشکل ہوگا۔ پس ابھی سے میری نصیحت سُن لو، اور اس کو یاد رکھو كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ دنیا میں تم ایسے رہنا جیسے کہ کوئی مسافر ہوتا ہے،.. مسافر کی شان کیا ہوتی ہے، سبکسار مردم سبکترروند، ہلکا پھلکا مسافر خوب سفر کرتا ہے، سفر میں عاقل آدمی بہت مختصر اسباب رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ سلاطین بھی جب سفر کرتے ہیں، تو شاہی محل اور شاہی محل کے تمام اسباب راحت و آرائش کو چھوڑنا ہی پڑتا ہے، دنیا میں ہر بندہ آخرت کا مسافر ہے خواہ مؤمن ہو یا کافر ہو۔ ہر ایک ہر سانس میں اس راستہ کو قطع کرتے کرتے ایک دن موت کے پُل سے گزر کر دار آخرت میں قدم رکھ دیتا ہے، اور وہی اس کا اصلی وطن ہوگا، اور وطن کی راحت موقوف ہے پردیس کی کمائی پر، ہر انسان اپنے عقائد اور اعمال کے مطابق آخرت میں دو صفوں کے اندر تقسیم کر دیا جائے گا :-

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ

" نیکوں کی صف جنت میں اور بُروں کی صف جہنم میں ٹھکانا پائے گی "

* * * * * * * * * *

طریقِ عشق

اسی کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ میں طریقِ عشق کی بھی تعلیم ہے۔ کیونکہ محبت تمام تکلفات اور آرائش کو چھڑا دیتی ہے، اور مقامِ عشق ان لوگوں کا حصہ ہوتا ہے جو محض ذاتِ حق سے محبت رکھتے ہیں، اور بندگی اس لئے کرتے ہیں کہ میاں خوش ہو جائیں۔

واقعہ حضرت ابن فارضؒ

حضرت ابن فارض رحمۃ اللہ علیہ جلیل القدر بزرگ گزرے ہیں ان کو وصال کے وقت جب جنت دکھائی گئی تو انھوں نے یہ شعر پڑھا ؎

لَوْ کَانَ مَنْزِلَتِیْ فِی الْحُبِّ عِنْدَکُمُ

مَا قَدْ رَأَیْتُ فَقَدْ ضَیَّعْتُ اَیَّامِیْ

اے اللہ اگر میری محبت کا صلہ آپ کے نزدیک یہی جنت ہے تو میں نے ایام اپنی زندگی کے ضائع کر دیئے، یعنی میں نے تو آپ کے لئے سب کچھ کیا تھا، نہ کہ جنت کے لئے، پس ایک تجلّی خاص حق تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہوئی اور رُوح نکل گئی۔ یہ بڑے حوصلہ کے لوگ ہوتے ہیں، چھوٹوں کا منہ نہیں ہے۔

نازرا رُوئے بباید ہمچو ورد

یعنی ناز کے لئے گلاب کا سا چہرہ ہونا چاہئے، یہ ایک خاص طبقہ ہے اولیاء اللہ کا جن پر محبت کا حال غالب ہو جاتا ہے، اور یہ حال راسخ ہو کر محبت کا مقام بن جاتا ہے۔

بنگر ایشاں را کہ مجنوں گشتہ اند
ہمچو پروانہ بوصلش کشتہ اند

" دیکھو ان عشاق کو کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں مجنوں ہو گئے ہیں، اور پروانہ کی مانند تجلیاتِ قرب سے کشتہ ہو رہے ہیں" وصل کا ترجمہ قرب سے اس لئے کیا ہے کہ :-

وصل اورا محال می گویند قربِ اورا وصال می گویند

وصول الی اللہ سے مراد قرب الی اللہ ہوتا ہے، حضرت سرمد فرماتے ہیں ؎

سرمد گلہ اختصار می باید کرد
یک کار ازیں دو کار می باید کرد
یا تن برضائے دوست می باید داد
یا قطع نظر زیار می باید کرد

ترجمہ(۱) " کہ اے سرمد زیادہ شکوۂ محبت بیکار ہے اس کو مختصر کرو اور اب دو کام میں سے ایک کام کر گزرنا چاہیئے"

ہمارے خواجہ مجذوب صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

کامیابی تو کام سے ہو گی نہ کہ حُسنِ کلام سے ہو گی

ترجمہ(۲) یا تو تن کو دوست کی رضا میں قربان کر دینا چاہیئے یا تو جان کو تن سے جدا کر دینا چاہیئے" اسی کو حضرت حافظِ شیرازیؒ فرماتے ہیں ؎

دست از طلب ندارم تا کام من برآید
یا تن رسد بجاناں یا جان زتن برآید

" یعنی ہاتھ طلب سے نہ روکوں گا، یہاں تک کہ میں کامیاب ہو جاؤں

؎ (ترجمہ) ان کے وصل کو محال کہتے ہیں، پس ان کے قرب ہی کو وصال سے تعبیر کرتے ہیں

یا تو تن محبوب حقیقی تک پہنچ جائے یا جان تن سے نکل جائے "

اور حضرت سرمدؒ فرماتے ہیں ؎

سرمد غم عشق بوالہوس را ندہند
سوزِ غمِ پروانہ مگس را ندہند
عمرے باید کہ یار آید بہ کنار
ایں دولتِ سرمد ہمہ کس را ندہند

فرماتے ہیں کہ اے سرمد حق تعالیٰ عشق حقیقی کا غم اہل ہوس کو نہیں دیتے ہیں، جس طرح پروانہ کا سوز غم مکھی کو نہیں دیا کرتے ہیں، محبوب حقیقی سے قرب حاصل کرنے کے لئے ایک عمر چاہئے، یہ دولتِ قربِ سرمدی ہر کس و ناکس کو نہیں عطا فرماتے ہیں جس پر میاں کی خاص نگاہِ عنایت ہوتی ہے، اسی کو اپنی طرف جذب فرما لیتے ہیں۔

ایک بزرگ کی حکایت

ایک بزرگ تھے جو اللہ تعالیٰ سے محبت مانگا کرتے تھے، بس کہیں جا رہے تھے کہ اچانک قبولیت کا وقت آگیا، اور محبت عطا ہو گئی، بس وہیں کھڑے رہ گئے ہوش جاتا رہا ؎

بس ایک بجلی سی پہلے کوندی پھر اس کے آگے خبر نہیں ہے
مگر جو پہلو کو دیکھتا ہوں تو دل نہیں ہے جگر نہیں ہے

اور بزبان حال فرمایا ؎

یارب چہ چشمہ الیست محبت کہ من ازاں
یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم

فرمایا کہ اے میرے رب محبّت کا چشمہ بھی کیسا چشمہ ہے کہ پیالہ تو مقا ایک قطرہ اور دریا کا دریا آنسوؤں کا بہہ رہا ہے۔

حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

اے دریغا اشکِ من دریا بُدے
تا نثارِ دلبرِ زیبا شدے

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ اے کاش میرے آنسو دریا ہو جاتے، یہانتک کہ وہ بہتے ہوئے محبوب حقیقی کے پاس پہنچ جاتے اور پہنچ کر محبوب پر قربان ہو جاتے۔

ہمارے خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

ہوگئی خشک چشمِ تر بہہ گیا ہو کے خونِ جگر
رونے سے دل مرا مگر ہاتے ابھی بھرا نہیں

ایک عجیب واقعہ

ایک واقعہ یاد آیا، جونپور میں ایک طرحی مشاعرہ تھا، ایک لڑکے نے ایسی گرہ لگائی کہ اس کو نظر لگ گئی اور چند دن میں انتقال کر گیا، مصرعۂ طرح یہ تھا:۔

کوئی نہیں جو یار کی لاوے خبر مجھے

اس پر اس لڑکے نے یہ مصرعہ لگایا ؎

اے سیلِ اشک تو ہی بہادے اُدھر مجھے

محبّت کا اثر

محبت اللہ کی جب اثر کر جاتی ہے تو اس کیفیت کو نہ پوچھئے، عاشقین صادقین میں جو اخلاص ہوتا ہے اس اخلاص کو دوسرے نہیں پہنچ سکتے ہیں یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ان کی شان ہوتی ہے ۔یعنی اپنے رب کو صبح شام کثرت سے یاد کرتے ہیں، صرف اپنے اللہ کی خوشنودی کے لئے يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ کا مطلب یہ ہے کہ یہ طالبِ ذات حق ہیں ،اور ان کی شان يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ہے ۔ ہر وقت ڈھونڈتے رہتے ہیں کہ میاں کس بات سے خوش ہوں گے ۔ ایک دھن لگی ہے کہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا کیسے حاصل ہو جائے ،اس مقصد کے لئے کبھی میدانِ کارزار میں کھڑے ہیں ،کبھی اپنے بھائیوں کے ساتھ رحمت کا سلوک کر رہے ہیں، کبھی اپنے اللہ کی یاد میں کھڑے ہیں ،کبھی رکوع میں جھکے ہیں ،کبھی سجدے میں پڑے ہیں اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ہر صحابی سچّا عاشق تھا اللہ و رسولؐ کا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ، اللہ تعالےٰ نے اُن کی شدّتِ محبّت بیان فرما کر تعلیم فرما دی ،کہ ایمان کامل جب ہی ہوتا ہے جب اللہ اور رسولؐ کی محبّت میں سرگرمی اور شدّت پیدا ہو جائے ۔

حضرات صحابہؓ نے طریقِ عشق سے راستہ طے کیا تھا ،گھر سے بے گھر ہونا ، جان اور مال کا قربان کرنا ، ملامت کرنے والوں کی

ملامت سے بے خوف ہوجانا ، بدون شدّتِ محبّت کے ممکن نہیں ہے، اور حضرات صحابہؓ نے ہجرت کرکے جانی اور مالی جہاد کرکے ، خاندان، اور کنبہ کی ملامت سے بے خوف ہوکر اللہ اور رسولؐ کی محبّت میں جو سرگرمیاں دکھائیں وہ ان کی شدّتِ محبّت ہی کے پھل پھول تھے، اور محبت جب شدّت پکڑ لیتی ہے تو اسی کا نام عشق ہے، حضرت مرشدیؒ نے فرمایا تھا کہ اُمّتا معنی میں عشقنا کے ہے ۔ اب سوال یہ ہے کہ پھر عشقنا کیوں نہیں فرمایا ، تو بات یہ ہے کہ لفظ عشق چونکہ شعرائے عرب میں نفسانی محبّت کے لئے مستعمل ہوتا تھا، اس لئے حق تعالیٰ نے اس کو شدّتِ محبّت سے تبدیل فرماکر اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہ فرمادیا ، اخلاص کا مقام بدون شدّتِ محبّت کے حاصل نہیں ہوتا ہے ۔ عشق ہی ایسی چیز ہے جو غیر محبوب سے بیگانہ کردیتی ہے ۔ عشق سارے باطنی امراض مثلاً ریا، کینہ ، عجب ، حسد ، بغض وغیرہ کو جلا دیتا ہے ۔ اسی کو حضرت عارفؒ فرماتے ہیں ؎

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیبِ جملہ علتہائے ما

مبارک ہو اے عشق کہ تو بہت اچھی بیماری ہے ، تو ایسی بیماری ہے کہ ہماری جملہ علتوں کی دوا ہے ۔

دوائے نخوت و ناموس

اے دوائے نخوت و ناموس ما
اے تو افلاطون و جالینوس ما

مولانا فرماتے ہیں اے عشق تو ہماری تمام نخوت اور جاہ ناموس کی دوا ہے ، اور اے عشق ہمارے لئے تو ہی افلاطون اور جالینوس ہے ۔

بے غرض نبود بگردش در جہاں
غیر جسم وغیر جانِ عاشقاں

بے غرض جہان میں کسی کا کام نہیں ہے بجز عاشقوں کے جسم اور جان کے کہ ان کے سامنے بجز رضائے محبوب کے کوئی اور غرض نہیں ہوتی ۔

ترکِ معشوقی اور اختیارِ عاشقی

ترک کن معشوقی و کن عاشقی
اے گمان بردہ کہ خوب و فائقی

جب عشق میں یہ کرامت موجود ہے تو مولانا نصیحت فرماتے ہیں کہ اے وہ شخص کہ تو اپنے پر گمان اچھے ہونے کا اور فائق ہونے کا رکھتا ہے ۔ (حالانکہ غلام کی اچھائی اور برائی کا فیصلہ اس کے مالک کے فیصلہ پر منحصر ہے ، اور مالکِ فیصلہ کا یقینی علم مرنے سے پہلے ناممکن ہے، پس اے گمان غیر مفید میں مبتلا شخص) تو گمان معشوقیت کو اپنے دل سے نکال دے اور عاشقی اختیار کر لے کہ اس کا ثمرہ یقینی ہے ۔

پیاس کی طلب پانی کی طلب سے مقدم ہے

تشنگان گر آب جویند از جہاں
آب ہم جوید بعالم تشنگاں

پیاسے اگر پانی کو طلب کرتے ہیں جہان سے تو پانی بھی عالم میں پیاسوں کو

ڈھونڈتا ہے، پس تمہاری طرف سے حق تعالیٰ طلب دیکھ کر تمہیں اپنی طرف جذب فرمالیں گے۔

گفت پیغمبر کہ چوں کوبی دری
عاقبت بینی ازاں درہم سری

پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم کسی دروازہ کو کھٹکھٹاؤ گے تو انجام کار کوئی سر اس دروازہ سے ضرور نکلے گا۔

آگے دوسری مثال ارشاد فرماتے ہیں ؎

چوں زچاہے می کنی ہر روز خاک
عاقبت اندر رسی در آب خاک

اگر کسی کنویں سے ہر روز تم مٹی نکالتے رہو گے تو ایک نہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا کہ تمہارے ہاتھ اس آب پاک تک پہنچ جائیں گے ؎

آب کم جو تشنگی آور بدست
تا بجوشد آبت از بالا و پست

پانی کم ڈھونڈو پہلے پیاس یعنی سچی طلب دل میں پیدا کرو، تاکہ پیاس کے بعد جو پانی پیو تو وہ پانی سر سے پیر تک جوش میں آجاتے ؎

گر تو طالب نیستی تو ہم بیا
تا طلب یابی ازیں یارِ وفا

اگر تم میں پیاس موجود نہیں تو تم مایوس نہ ہو، کسی اللہ والے کے پاس آجاؤ تاکہ اس یار وفا سے تم کو طلب اور پیاس بھی عطا ہو جاتے۔

الغرض حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے شانوں کو ہلا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یَا ابْنَ عُمَرَ کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ

دنیا میں مسافر کی طرح سے رہو، تو گھر کے اندر ہے اور مسافر کی طرح ہے، مسافر کسی سے میل جول نہیں رکھتا ہے، کوئی اس سے فضول گفتگو کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ میں بے وطن ہوں مسافر ہوں، میں آپ کی ان باتوں میں کیا مدد کر سکتا ہوں، میرے سامنے میرے سفر کے حقوق ہیں، مسافر تعلقات غیر ضروریہ سے اپنے کو بچاتا ہے تاکہ سفر میں خلل نہ پیدا ہو۔

غیر ضروری اسباب اور تکلفات میں جو وقت صرف کیا جاتا ہے، جس طرح وہ محبت کی شان کے خلاف ہے اسی طرح بے ضرورت میل جول اور یار باشی میں وقت ضائع کرنا بھی شانِ محبت کے خلاف ہے، محبِ صادق کی شان تو یہ ہوتی ہے ؎

کہ بفراغِ دل زمانے نظرے بماہ روئے
ازاں بہ کہ چتر شاہی ہمہ روزہائے ہوئے

فراغِ قلب سے ایک نظر اُس ماہ رُو کو دیکھ لینے کا زمانہ بہتر ہے اس سے کہ شاہی تاج سر پر ہو اور سلطنت کو شور و غل ہو ؎

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بخاقانی
کہ یک دم باخدا بودن بہ از ملک سلیمانی

قصہ یکے از بادشاہانِ عرب کہ عشق حقیقی او را از خطۂ عرب بیروں کرد

عرب میں ایک بادشاہ امرأ القیس نامی گزرے ہیں، اور اسی نام کا ایک شاعر بھی گزرا ہے، جس کا زمانہ سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ۲۴ سال پہلے ہوا ہے، مگر یہ دوسرے امرأ القیس ہیں جن کا واقعہ

مولانا نے مثنوی شریف میں بیان فرمایا ہے ، یہ پہلے سلطنت اور حکومت کے حریص تھے ، اور بہت صاحب کمالات حسین وجمیل بادشاہ تھے ، جب عشق حقیقی نے ان پر اپنا اثر کیا تو عشق نے اُن کو خطہ عرب سے باہر کر دیا ، کیوں کہ محبت تمام لذات کو اَلَم سے بدل دیتی ہے صاحب قصیدۂ بردہ فرماتے ہیں :-

نَعَمْ سَرٰی طَیْفُ مَنْ اَھْوٰی فَاَرَّقَنِیْ
وَالْحُبُّ یَعْتَرِضُ اللَّذَّاتِ بِالْاَلَمِ

فرماتے ہیں کہ رات مجھے اپنے محبوب کا خیال آیا ، پس اس نے مجھے تمام رات بیدار رکھا ، اور محبت کا خاصہ ہی یہی ہے کہ لذات کو درد اور الم سے بدل دیتی ہے ۔ چنانچہ اس بادشاہِ عرب کے متعلق مولانا فرماتے ھیں ؎

چونکہ زد عشق حقیقی بر دلش
سرد شد ملک وعیال و منزلش

جب حقیقی عشق نے اس کے دل پر اثر کیا تو اس پر ملک اور عیال اور گھر سرد ہوگیا ،

میاں کی یاد میں جو لطف رُوح کو نصیب ہوا اس کے سامنے سلطنت کی لذت ہیچ معلوم ہوئی اور بزبان حال کہا کہ ؎

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا
برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا

؎ نیم شب دلقے بپوشید و برفت
از میانِ مملکت بگریخت تفت

آدھی رات کو ایک گدڑی اوڑھی اور نکل گیا، اپنی سلطنت سے جلد بھاگ گیا، اپنی سلطنت سے نکل گئے اور مسافر ہو گئے، تمام سامانِ راحت و عیش کو محبت حق نے تلخ کر دیا، چلتے چلتے ایک دوسری سلطنت میں پہونچے جس کا نام تبوک تھا، اور وہاں اینٹیں بنانے لگے، اور اکثر چہرے پر نقاب ڈالے رہتے تھے، تاکہ شاہی چہرے دیکھ کر ملک کے مخبرین کو تشویش نہ ہو۔

یہ محبت ہے کہ بادشاہِ وقت سے اینٹیں بنوا رہی ہے، مگر یہ غلامی ہزاروں شاہیوں سے بہتر ہے ؎

بندگی او بہ از سلطانی است
کہ اَنَا خَیرٌ دم شیطانی است

اللہ کی بندگی سلطانی سے بہتر ہے اپنے کو اچھا سمجھنا شیطانی سانس ہے۔

عشق را نازم کہ یوسفؑ را بہ بازار آورد
ہمچوں صنعاز اہدے را زیر زُنار آورد

کچھ ہی دن گزرے تھے کہ لوگوں نے بادشاہ تبوک سے کہا کہ بادشاہوں میں سے ایک بادشاہِ عرب امرء القیس یہاں فقیری کی حالت میں آیا ہے، اور وہ شکارِ عشق ہو گیا ہے اور اینٹیں بناتا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ اٹھا اور امرء القیس کے پاس حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ اے بادشاہ خوبرو تو یوسفِ وقت ہے۔ تیرے پاس دو ملک کامل ہیں، ایک تو تو ایک سلطنت کا مالک ہے، دوسرے تیرے پاس جمال بھی ہے، ہماری خوش نصیبی ہو گی کہ آپ میرے پاس رہیں ؎

پیش ما باشی کہ بختِ ما بود جانِ ما از وصلِ تو صد جاں شود (مثنوی رومیؒ)

تو ایسا عالی ہمت ہے کہ تیری ہمت میں بہت سے ملک متروک تھیں، الغرض دیر تک ایسی گفتگو کی کہ امرء القیس شاہ تبوک کے یہاں رہنے کے لئے تیار ہو جائے، اور وہ خاموش سنتا رہا۔ اچانک اس نے اپنا نقاب کھولا، اور بادشاہ تبوک کے کان میں نہ جانے کیا عشق اور درد کی بات کہہ دی کہ اپنی طرح فوراً اس کو بھی سرگرداں اور دیوانہ کر دیا ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

عشق محض دیکھنے ہی سے نہیں پیدا ہوتا، بسا اوقات یہ دولت دوسروں سے سُن کر بھی ہاتھ لگ جاتی ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ فَاسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا کا یہی راز ہے، رحمٰن کی شان کو کسی باخبر سے پوچھو جو اُن کی گلی میں چلے ہوئے ہیں ؎

نازم بچشم خود کہ جمالِ تو دیدہ است
افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

"میں اپنی ان آنکھوں پر ناز کرتا ہوں کہ انہوں نے آپ کا جمال دیکھا ہے، اور اپنے پاؤں پر گرتا ہوں کہ آپ کی گلی میں پہنچے ہوئے ہیں"

وہ باخبر جب اس محبوب حقیقی کی تعریف زبانِ عشق سے کرے گا تو اس کا حال تم کو بھی صاحب حال بنا دے گا۔

جو آگ کی خاصیت وہ عشق کی خاصیت
اک خانہ بخانہ ہے اک سینہ بہ سینہ ہے

الغرض وہ دونوں بادشاہ اللہ کی محبت میں دیوانے ہو کر وہاں سے بہت دور چلے گئے۔ اس کے بعد مولاناؒ فرماتے ہیں کہ عشق نے یہ گناہ ایک ہی

بار نہیں کیا۔ ان دونوں بادشاہوں کے علاوہ بہت سے بے شمار بادشاہ ایسے گزرے ہیں جن کو عشق حقیقی نے ملک اور خاندان سے جُدا کر دیا ؎

آنکہ ترا شناخت جاں را چہ کند
فرزند و عیال و خانماں را چہ کند

بیانِ عشق

از محبت شاہ بندہ می شود
وز محبّت مُردہ زندہ می شود
از محبت تلخہا شیریں شود
وز محبت مسہا زریں شود

"محبت سے شاہ بندہ ہو جاتا ہے، اور محبت سے مردہ زندہ ہو جاتا ہے، محبت سے ساری تلخیاں شیریں ہو جاتی ہیں، اور محبّت سے تانبا سونا ہو جاتا ہے" ؎

گر بہ بینی یک نفس حُسنِ ودود
اندر آتش افگنی جانِ ودود

"اگر تو محبوب حقیقی کا حُسن اپنے قلب میں ایک لمحہ کو بھی مشاہدہ کر لے تو اپنی محبوب جان کو آگ میں ڈال دے" ؎

گر بہ بینی کرّ و فرّ و قرب را
جیفہ بینی بعد ازیں ایں شُرب را

"اگر تو حق تعالیٰ کے قرب کی شان و شوکت دیکھ لے تو دنیا کی تمام لذتیں تجھ کو مُردار معلوم ہوں" ؎

تا بدانی ہر کرا یزداں بجنواند
از ہمہ کار جہاں بیکار ماند

"حق تعالیٰ جس کو اپنی طرف جذب فرما لیتے ہیں وہ سارے جہان کے کام سے بیکار ہو جاتا ہے" یعنی سارے جہاں کے کام اس کی نگاہ میں بیکار معلوم ہوتے ہیں، اور اس کا مذاق یہ ہو جاتا ہے ؎

خوش تر از ہر دو جہاں آنجا بود
کہ مرا با تو سرِ سودا بود

"دونوں جہان میں سب سے اچھا وہ مقام ہے جہاں آپ ہوں اور ہماری اور آپ کی راز و نیاز اور محبت کی باتیں ہوا کریں"

قیمتِ خود ہر دو عالم گفتہ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

"اے محبوب آپ نے اپنی قیمت دونوں جہان بتائی ہے، یہ قیمت تو آپ کی ذات پاک کے سامنے کچھ بھی نہیں" نرخ اور بالا فرمائیے کہ ابھی ارزانی ہے، ؎

کشتنے بہ از ہزاراں زندگی
سلطنت ہا مردۂ این بندگی

"آپ کی محبت میں ایک دفعہ قتل ہونا ہزاروں زندگیوں سے بہتر ہے، اور بہت سی سلطنتیں آپ کی اس غلامی پر قربان ہیں ؎

ملک دنیا تن پرستاں را حلال
ما غلامِ عشق ملکِ لا زوال

"دنیا کا ملک تن پرستوں کے لئے مبارک ہو، اور ہمیں عشق

کا ملک لازوال مبارک ہو۔"

آدمی معنیِ دل بندم بجو،
ترکِ قشر وصورتِ گندم بگو

(بطور حکایت عن الحق کے خطاب ہو) "اے آدم یعنی بنی نوع آدم میرے معنیٔ دل بندے کو طلب کرو، پوست اور صورت گندم کو ترک کرو۔" یعنی مخلوقات کی طرف توجہ کرنا کہ مشابہ ہے اکلِ شجرہ کے ترک کر کے توجہ الی الحق اختیار کرو۔

حضرت مولانا رومیؒ بہت بڑے درجہ کے عاشق اور عارف باللہ ہیں مگر فرماتے ہیں ؎

من چہ گویم یک رگم ہشیار نیست
شرح آں یارے کہ اورا یار نیست

"جب کہ میری ایک رگ بھی ہوشیار نہیں ہے تو میں اس دوست کی کیا شرح کروں جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔"

تذکرۂ مولانا جلال الدین رومیؒ

مولانا رومؒ بہت بڑے آدمی اپنی صدی کے گزرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی معرفت کا بڑا حصہ عطا فرمایا تھا، ۶۰۴ھ میں بمقام بلخ پیدا ہوئے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے، محمد خوارزم شاہ کے حقیقی نواسے تھے۔ چھ سال کی عمر میں جب اپنے والد صاحب کے ساتھ بابا فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو حضرت خواجہ فرید الدین عطارؒ نے آپ کو اپنی مثنوی "اسرار نامہ"

تبرکاً ہدیہ دی، اور آپ کے والد صاحب سے فرمایا کہ یہ لڑکا ایک دن غلغلہ بلند کرے گا۔ چند سال بعد مولانا نے تکمیلِ علوم کے لئے شام کا سفر فرمایا، اور پھر سات سال دمشق میں تحصیلِ علوم و فنون کرتے رہے۔ تمام مذاہب سے واقف تھے۔ علمِ کلام، علمِ فقہ، اور اخلاقیات میں خاص ملکہ رکھتے تھے۔ فلسفہ و حکمت و تصوف میں اُس وقت ان کا کوئی نظیر نہ تھا۔ مولانا رومؒ پھر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔

مولانا رُومیؒ کے لئے حضرت تبریزؒ کی دعا

اُدھر حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے دعا کی کہ اے اللہ مجھے ایسا بندہ عطا فرمائیے جو میری آتشِ محبّت اور صحبت کا متحمل ہو سکے، اور اس آتشِ عشقِ حقیقی کی امانت اس کے سپرد کر دوں۔

دُعا منظوم حضرت تبریزیؒ

(از مرتّب)

اے خدا ملتا کوئی بندہ مجھے
جو صحیح معنوں میں ہو لائق ترے
اے خدا جو آگ میرے دل میں ہے
جو تڑپ اس نیم جاں بسمل میں ہے
میری نسبت میں جو سوزِ عشق ہے
دل میں گویا کوہِ طورِ عشق ہے
عشقِ حق سے اس کا سینہ پُر کروں

اور صدف کو اُس کے میں پُر دُر کروں
میری آتش کا تحمل جو کرے
کوئی بندہ مجھ کو اب ایسا ملے

چنانچہ آپ کی دعا قبول ہوئی اور الہام ہوا کہ رُوم جاؤ ؎

پس اچانک غیب سے آئی صدا شمس تبریزی تو فوراً رُوم جا

اسی وقت چل کھڑے ہوئے، مولانا رومؒ پر جس وقت حضرت تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی نظر پڑی تو آپ پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی، جس کو مولانا نے اپنی ایک غزل میں اس انداز سے بیان فرمایا ہے ؎

نہ تنہا من دریں میخانہ مستم
ازیں مَے ہمچوں من بسیار شد مست
ازیں مَے جرعۂ پاکاں چشیدند
جنیدؒ و شبلیؒ و عطارؒ شد مست
چو بر من شمس تبریزی نظر کرد
تو مُلّا بر سرِ بازار شد مست

۱۔" میں اکیلا ہی اس محبتِ حق کے میخانے کا مست نہیں ہوں، بلکہ اس مَے سے مجھ جیسے بہت سے مست ہیں"

۲۔" اس شرابِ محبتِ حق کا جرعۂ پاک، پاک بندوں نے نوش کیا ہے، چنانچہ حضرت جنیدؒ و شبلیؒ و عطارؒ سب کے سب مست ہو گئے"

۳۔" جب مجھ پر حضرت شمس تبریزؒ نے نظر ڈالی تو یہ مُلّا رُومی بر سرِ بازار مست ہو گئے"

اور حضرت تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں آپ سلوک کے

منازل طے کرنے میں مشغول ہو گئے اور درس و تدریس اور وعظ و پند کے اشغال چھوڑ دیئے۔

حضرت مولانا رومیؒ کے قلب میں اپنے پیر کی محبّت

اپنے پیر سے دم بھر کی جدائی کا تحمل نہ پاتے تھے۔ عجیب والہانہ تعلق حضرت تبریزؒ سے پیدا ہو گیا، کہاں تو بادشاہ کے نواسے تھے۔ عمامہ وجبّہ کے ساتھ پالکی پر چلتے تھے، اور سینکڑوں شاگرد آپ کی جوتی سیدھی کیا کرتے تھے۔ اور اب پیر کی محبّت میں پیر کے پیچھے پیچھے پیر کا سب سامان بستر، گدڑی، چکی، پیالہ، لوٹا اور غلہ وغیرہ سر پر رکھے ہوئے پھرنے لگے ؎

شیخ کا بستر لئے سر پر چلے عشق کی ذلّت سے سودا کر چلے (از مرتّب)

این چنیں شیخِ گدائے کُو بہ کُو
عشق آمد لَا اُبَالِی فَاثْقُوْا ؛

مولانا نے اسی غلامی کو بڑے فخر سے اس شعر میں بیان فرمایا ہے،

مولوی ہرگز نشد مولائے رُوم
تا غلامِ شمس تبریزی نشد

مثنوی شریف میں جہاں جہاں حضرت تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا یا پیر کا لفظ آگیا ہے مولانا پر ایک حالت طاری ہو گئی ہے اور صفحات در صفحات اشعار پیر کی محبّت میں فرما گئے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں ؎

پیر باشد نردبانِ آسمان تیر پرّاں از کہ گردد از کماں

پیر آسمان تک رسائی کے لئے بمنزلہ سیڑھی کے ہے، تیر کا تیز رفتاری سے اڑنا کمان ہی کے فیض پر منحصر ہے۔

من نجویم زیں سپس راہِ اثیر
پیر جویم پیر جویم پیر پیر

میں آسمان کا راستہ نہ ڈھونڈوں گا مگر پیر ڈھونڈوں گا پیر ڈھونڈوں گا پیر پیر۔ یعنی پیر ہی کے ذریعہ راستہ حاصل ہوگا، پیر کی محبت میں یہ شعر ایک خاص والہانہ کیفیت کا اظہار کرتا ہے۔ ایک مقام پر کسی قصہ کے اندر صرف شہر تبریز کا نام آگیا، وہاں بھی مولانا پر پیر کے شہر کے نام سے ایک حالت طاری ہوگئی۔ اور کئی شعر تبریز شہر کی تعریف میں فرما گئے، فرماتے ہیں ؎

اُبْرُکِیْ یَا نَاقَتِیْ طَابَ الْاُمُوْرُ
اِنَّ تَبْرِیْزًا مُنَاجَاتُ الصُّدُوْرِ

"بیٹھ جا اے میری ناقہ سب کام اچھے ہو گئے، بیشک تبریز دلوں کی گفتگو کی جگہ ہے"

اِسْرَحِیْ یَا نَاقَتِیْ حَوْلَ الرِّیَاضِ
اِنَّ تَبْرِیْزًا لَنَا نِعْمَ الْمَفَاضِ

"چرتی رہ اے میری ناقہ باغوں کے گرد، بے شک ہمارے لئے تبریز خوب محلِ فیض ہے"

سارباناں بار بکشاز اشتراں
شہر تبریز است کوئے دلستاں

"اے ساربان اسباب اونٹوں پر سے کھول دے، یہ شہر تبریز ہے اور محبوب کا مقام ہے"

فرِ فردوسی است ایں فالیزرا
شعشعہ عرشی است ایں تبریزرا

"فردوس کی سی رونق ہے اس چمن کے لئے، عرش کی سی روشنی ہے اس تبریز کیلئے"

ہر زمانے فوج رُوح انگیز جاں
از فرازِ عرش بر تبریزیاں

"ہر وقت خوشبو راحت انگیز رُوح کی، فوقِ عرش سے تبریزیوں پر وارد ہو رہی ہے"

ایک مقام پر فرماتے ہیں ؎

شمس تبریزی کو نور مطلق است
آفتاب است و ز انوار حق است

مولاناؒ فرماتے ہیں میرا پیر شمس تبریز کہ وہ مطلق نور ہے، یعنی اس کی ظلمات نفسانیہ تو ارد تجلیاتِ الٰہیہ سے فنا ہو گئی ہیں اور میرا پیر طالبین کے قلوب کے لئے افاضۂ نور میں مثل آفتاب کے ہے، اور اس آفتابِ تبریزی میں جو نور ہے وہ انوار حق سے مستفید ہے۔

مولانا رومؒ نے اپنے پیر کی صحبت میں رہ کر اپنی نسبت میں تمام اس آگ کو جذب کر لیا جس کے متعلق حضرت تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ مجھے ایسا بندہ دیجئے جو میری صحبت کا متحمل ہو سکے، اور پھر علوم اور معارف کا آپ کے سینہ میں ایسا جوش ہوا کہ آپ نے ایک مثنوی لکھی جس میں اٹھائیس ہزار آٹھ اشعار ہیں، اور ہر شعر الہامی ہے۔ یعنی وارداتِ غیبیہ ہیں جس کو مولانا خود بیان فرماتے ہیں ؎

قافیہ اندیشم و دلدار من،
گویدم مندیش جز دیدار من

جب میں قافیہ سوچنے لگتا ہوں تو میرا محبوب مجھ سے کہتا ہے مت سوچ بجز میرے دیدار کے۔ یعنی تم صرف میری طرف متوجہ رہو، قوافی ہم الہام فرمائیں گے، قافیہ اندیشی میں مشغول نہ ہو۔

مولانا رومؒ کو اپنے شیخ سے کیا فیض ہوا

پیر کے ہاتھوں سے جو نعمت ملی
مثنوی ہے صد تشکر سے بھری

شمس تبریزی نے نسبت آتشیں
سینۂ رومی میں بھر دی بالیقیں

کیا ملا رومی کو تبریزی سے آہ
اس کو پوچھا چاہئے رومی سے آہ

لیک میں کہتا ہوں کہ اے دوستو
مثنوی میں اس کو خود تم دیکھ لو (از مرتب)

کبھی کبھی مثنوی شریف میں تاخیر ہوئی ہے تو اس کی وجہ مولاناؒ بیان فرماتے ہیں ؎

مدتے ایں مثنوی تاخیر شد
مہلتے بایست تا خوں شیر شد

ایک مدت مثنوی شریف میں تاخیر ہوگئی، کیونکہ اگر مسلسل ماں کے پستان سے دودھ نکلتا رہے تو بجائے دودھ کے خون آنے لگے۔

پس اتنی مہلت ضروری ہے کہ جتنا دودھ نکل چکا ہے اس کے عوض میں دوسرا خون دودھ بن جائے۔

حضرت تھانویؒ کا تبلیغی کام کرنے والوں کے لئے مشورہ

ہمارے مرشد مولانا تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ تبلیغ و ارشاد کا کام انجام دے رہے ہیں ان کو چاہئے کہ کچھ وقت خلوت مع اللہ کا اپنے معمولات کے لئے بھی مقرر کرلیں۔ دوسروں کی نفع رسانی کے ساتھ ساتھ اپنی نگرانی اور اپنی ترقی سے بے فکر نہ ہوں۔

اور فرمایا کرتے تھے کہ تلقی موقوف ہے تخلی پر۔ یعنی خلوت مع اللہ ہی کی برکت سے مضامین القاء ہوتے ہیں، اور اس کے برعکس مسلسل نفع رسانی کا انجام اس کنویں جیسا ہے کہ جس سے ہر وقت پانی نکالا جاوے، اور سرچشمہ سے پانی جمع ہونے کا وقفہ دیا جائے، تو پھر اس کنویں سے بجائے پانی کے کیچڑ نکلنے لگتا ہے۔ اسی طرح معمولات کی پابندی نہ کرنے والے کی باتیں ظلمت آمیز ہوکر غیر مفید ہوجاتی ہیں۔

مولانا رومیؒ کا ایک دیوان بھی ہے جس میں پچاس ہزار اشعار موجود ہیں، بعض لوگ غلطی سے اس کو حضرت تبریزؒ کا دیوان سمجھتے ہیں، کیونکہ اکثر مقطع میں شمس الدین تبریزؒ کا نام ہے۔

مثنوی شریف کے متعلق حضرت نانوتویؒ کا ارشاد

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے

تھے کہ تین کتاب البیلی قرآن شریف، بخاری شریف، مثنوی شریف۔
حضرت ملّا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک شعر میں مولانا رُومؒ کی نہایت جامع تعریف بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

من چہ گویم وصف آں عالی جناب
نیست پیغمبر و لے دارد کتاب

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکّی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومؒ جو اہل اللہ کی تعریف میں بیخود اور مست ہو جاتے ہیں، اس کی ایک خاص وجہ ہے، وہ یہ کہ مولانا رومؒ کی رُوحِ پاک حضرت تبریزؒ کی نسبت کے فیضِ عظیم سے سالہا سال کے مجاہدات سے طے ہونے والے مقامات پر یک لخت فائز ہوگئی تھی، جس کے سبب اہل اللہ کی عظمت اور رفعتِ مرتبت کا اُن پر بہت اثر تھا، اور اسی کا جگہ جگہ مثنوی شریف میں ظہور ہوا ہے۔

مثنوی شریف سے حضرت حاجی صاحبؒ کا تعلّق

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکّی رحمۃ اللہ علیہ کو مثنوی شریف سے بڑا شغف تھا، آپ کے ہاں مثنوی شریف کا درس بڑے اہتمام سے ہوتا تھا جس میں بڑے بڑے علماء ہند اور بیرونِ ہند کے شریک ہوتے تھے، اور ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حاجی صاحبؒ سے مثنوی پڑھی ہے۔

خواب میں مثنوی شریف کے متعلق حضرت حاجی صاحبؒ کا ارشاد

مجھ سے بھی خواب میں حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ مثنوی شریف دیکھا کرو اور فرمایا کہ حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ کو جو کچھ ملا حدیث شریف اور مثنوی شریف کے درس و تدریس سے ملا۔

ہمارے حضرت والا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہر وعظ میں مثنوی شریف کی حکایتیں اور اس کے اکثر اشعار ملتے ہیں۔

مثنوی شریف چھ دفتروں میں ہے، دفتر ششم کے آخر میں مولانا نے ایک حکایت شروع کی تھی کہ درمیان حکایت میں الہام کا سلسلہ غیبی مشیتِ حق سے بند ہو گیا، جس کو مولانا نے اسی آخری شعر میں بیان فرما کر سلسلۂ مثنوی کو ختم فرما دیا۔

مثنوی شریف کے الہامی ہونے پر مولانا رومیؒ کے ایک شعر سے اشارہ

مثنوی شریف کے الہامی ہونے پر مولانا رومیؒ کے ایک شعر سے اشارہ ملتا ہے ؎

چوں فتا واز روزنِ دل آفتاب
ختم شد واللہ اعلم بالصواب

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ دل میں جس دریچۂ باطنی سے واردات غیبیہ علوم اور معارف کے آرہے تھے اب بحکمت خداوندی وہ آفتاب

افق استتار میں غروب ہوگیا، یعنی اب بجائے تجلّی کے استتار ہوگیا، جیسا کہ عارفین کو دونوں حالتیں پیش آتی ہیں، اور بعض مصالح اس میں تجلّی سے بھی زیادہ ہوا کرتی ہے، پس جب روزنِ قلب کی محاذات سے آفتابِ فیض زیر افق جا گرا تو کتابِ ہٰذا ختم ہوگئی۔ "ختم شد واللہ اعلم بالصواب"

اور اللہ ہی کو خوب معلوم ہے کہ صواب اور مصلحت اور حکمت کس وقت کس چیز میں کیا ہے۔ پس جب وہی جانتے ہیں اور حکمت کے موافق کرتے بھی ہیں اور اس وقت انہوں نے ایسا کیا، پس یقیناً اسی میں حکمت ہے، اس لئے میں بھی اتباع اس حال کا کر کے تکلف کلام کرنا نہیں چاہتا اور مثنوی کو ختم کئے دیتا ہوں (کلیدِ مثنوی دفتر ششم)

حضرت مرشدیؒ نے اس مقام پر فائدہ کے تحت ایک تنبیہ تحریر فرمائی ہے، وہ یہ کہ عارف کو بحکمِ وقت کلام کرنا چاہئے، جب طبیعت اپنی اور سامعین کی حاضر ہو اور علوم و معارف کی آمد ہو اور اس میں اعتدال ہو کہ نہ بیان میں تکلف ہو اور نہ اتنا غلبہ ہو کہ ضبط سے خارج ہونے کا اندیشہ ہو اس وقت افادۂ خلق میں مشغول ہو، اور اسی وقت حضرتؒ پر یہ شعر وارد ہوا ؎

گر بگوید بگو بگوئی و بجوش
ور بگوید مگو مگوئی و خموش

مولانا رومیؒ کی پیشین گوئی

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے پیشینگوئی فرمائی تھی کہ میرے بعد ایک نور جان آئیگا جو اس مثنوی کا تکملہ کرے گا، جو ان دو شعروں میں مذکور ہے ؎

ہست باقی شرح ایں لیکن دروں
بستہ شد دیگر نمی آید بروں
باقی ایں گفتہ آید بے زباں
دردِ دل آں کس کہ دارد نورِ جاں

چنانچہ اس نورِ جاں کا مصداق حق تعالیٰ نے مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی قدس سرّہٗ کو بنایا، اور انہوں نے مثنوی کی تکمیل فرمائی۔ یعنی مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلویؒ نے اپنی رُوح پر مولانا جلال الدین رومیؒ کی رُوح کا فیض مشاہدہ کیا، چنانچہ فرماتے ہیں ؎

آمدی در من مرا بردی تمام
اے تو شیرِ حق مرا خوردی تمام

مولانا کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ اے جلال الدین رومیؒ آپ نے میری رُوح پر اپنے انوار کا ایسا تسلط فرمادیا کہ میرا وجود کالعدم ہوگیا، اے کہ تو گویا شیرِ حق ہے جس نے میری ہستی کو فنا کردیا ہے۔ یعنی دفترِ سادس مثنوی کی تکمیل کی پیشینگوئی کے مطابق میرے قلب پر مولانا رومیؒ کی روح پاک مضامین اور معارف کو القاء کررہی ہے۔ پس یہ کلام بھی اگرچہ میری زبان سے نکلے گا، لیکن وہ درحقیقت مولانا ہی کا کلام ہوگا یعنی بمصداق:

گرچہ قرآں از لبِ پیغمبر است
ہر کہ گوید حق نگفت او کافر است

مفتی الٰہی بخش صاحب بارھویں صدی کے آدمی ہیں اور مولانا رومؒ علیہ الرحمۃ ساتویں صدی کے ہیں، مفتی الٰہی بخش صاحب نے ظاہری

علوم کی تکمیل حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ سے کی تھی۔

مولانا جلال الدین رومیؒ کا جب دنیا سے انتقال کا زمانہ، قریب آیا تو قونیہ میں بڑے زور کا زلزلہ آیا۔ اور چالیس دن تک اس کے جھٹکے محسوس ہوتے رہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ زمین بھوکی ہے، لقمۂ تر چاہتی ہے۔ چند ہی روز کے بعد مولانا علیل ہوئے، ۶۷۲ھ جمادی الثانی روز یکشنبہ بوقت غروب آفتاب ہمیشہ کے لئے یہ آفتابِ علم وفضل غروب ہوگیا۔

آفتاب معرفت مولائے روم کا وقت غروب

یعنی تذکرۂ وفات

رات کو سامان کیا گیا اور صبح کو جنازہ اٹھا، بادشاہ سے لے کر فقیر وغریب تک سب ہمراہ تھے، لوگوں نے تابوت توڑ کر تبرکاً تقسیم کرلیا، اس قدر اژدہام اور ہجوم تھا کہ صبح کا جنازہ شام کو قبرستان پہونچ سکا، شیخ صدرالدین شاگرد حضرت شیخ محی الدین اکبر رحمۃ اللہ علیہ مع اپنے مریدین کے ہمراہ تھے، شیخ صدرالدین علیہ الرحمۃ جب جنازہ کی نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو چیخ مار کر بے ہوش ہوگئے۔ پھر قاضی سراج الدین نے نماز جنازہ پڑھائی، کل ۶۸ سال کی عمر پائی تھی، پورا نام محمد جلال الدین مولانائے رومیؒ ہے اور قونیہ میں مدفون ہیں۔

امت پر مثنوی شریف کا احسان

مولانا رومیؒ کی مثنوی بہت بافیض کتاب ہے، مولانا رومیؒ

کے بعد آج تک امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تقریباً تمام اہلِ علم اولیاء اللہ نے مثنوی شریف کے علوم اور معارف سے فیض اٹھایا ہے۔

ہمارے حضرت مرشد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ بعض کے مذاق کے لئے مثنوی شریف مولانائے رومؒ بمنزلہ ذکر اللہ ہے، اور حضرتؒ نے مثنوی شریف کی عجیب جامع شرح لکھی ہے، جس کا نام کلیدِ مثنوی ہے۔

الغرض حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ میں حق تعالیٰ شانہٗ کی محبت کا ملہ کا طریقہ ارشاد فرمایا ہے، یعنی جب مسافرانہ زندگی گزارو گے تو تکلفات میں وقت ضائع نہ ہوگا، اور محبوب حقیقی کی یاد میں بفراغِ قلب مشغولی کا موقع ہاتھ آجائے گا، اور سچے محب کی شان یہی ہوتی ہے کہ آرائش اور تکلفات میں اس کا جی نہیں لگتا ؎

نَعَمْ سَرٰی طَیْفُ مَنْ اَھْوٰی فَاَرَّقَنِیْ
وَالْحُبُّ یَعْتَرِضُ اللَّذَّاتِ بِالْاَلَمِ

صاحب قصیدۂ بردہ فرماتے ہیں کہ "ہاں رات محبوب کا خیال آیا، پس خیالِ محبوب نے مجھ سے میری نیند کو جدا کر دیا، اور بات تو یہی ہے کہ محبت جب آتی ہے تو تمام لذتوں کو تلخ کر دیتی ہے"

تڑپنے سے ہمکو فقط کام ہے
یہی بس محبت کا انعام ہے
دلِ مضطرب کا یہ پیغام ہے
ترے بن سکوں ہے نہ آرام ہے

(مجموعہ اعمال)

اللہ کی محبت تکلفات میں مشغول ہونے سے روک دیتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے اَلْبَذَاذَۃُ مِنَ الْاِیْمَانِ "سادگی ایمان

کامل کی نشانی ہے۔

سادگی ایمان کی علامت ہے

تو اس حدیث پاک کا بھی مفہوم یہی ہے کہ ایمان کامل جب ہی ہوتا ہے جب اللہ اور رسولؐ کی محبت کاملہ دل میں پیدا ہو جائے، اور جب محبت کاملہ ہوگی تو غیر محبوب کی مشغولی سے وحشت ہوگی ؎

ایک ان سے کیا محبت ہوگئی
ساری دنیا ہی سے نفرت ہوگئی
بڑھ گیا ان سے تعلق اور بھی
دشمنی خلق رحمت ہوگئی

(خواجہ صاحبؒ)

سادہ زندگی طبعاً محبوب معلوم ہوگی، عشق تکلفات کے ساتھ جمع ہی نہیں ہو سکتا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ارشاد

اس وقت ایک عجیب بات یاد پڑی، حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی عالم کو بہت مزین لباس میں دیکھتا ہوں تو دل میں وسوسہ آتا ہے کہ یہ شخص خالی خولی ہے، باطنی نعمت جس کے پاس ہوتی ہے وہ ظاہری نقش و نگار سے مستغنی ہو جاتا ہے۔

اور فرمایا کہ ایک بار مولانا عبدالحی صاحب مرحوم نے مجھ سے کہا کہ حضرت زینت میں کیا حرج ہے، اور یہ حدیث پڑھی :- اِنَّ اللّٰہَ

جَمِیْلٌ وَّ یُحِبُّ الْجَمَالَ " اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے"
تو میں نے کہا کہ مولوی صاحب جب حقیقت منکشف ہوگی تو اس حدیث سے استدلال دھرا رہ جاوے گا، اور صحیح مفہوم اس حدیث کا سمجھ میں آجائے گا۔ چنانچہ چند دن تھانہ بھون رہنے کے بعد غریبوں کی سی وضع ہوگئی، اور گھڑی اچکن سب بھول گئے۔

دنیا جب مسافر خانہ ہے تو یہاں زندگی بھی مسافرانہ ہی گزارنا چاہئے، مسافرانہ زندگی کے لئے کیا خوب کہا ہے ؎

مسافر در سرائے میہماں یک شب نمی ماند
اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند

ایک جھونپڑی والے کی بھی صبح دوپہر شام ہوتی ہے، اور محل والے کی بھی صبح دوپہر شام ہوتی ہے، یہ دن اور رات سب کے کٹ جاتے ہیں، فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ کسی کے دن رات فرمانبرداری کے ساتھ گزرتے ہیں کسی کے نافرمانی سے گزرتے ہیں۔

موت کا استحضار

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سہ دری میں حضرت کے خاص حجرہ کے سامنے ایک تختی پر یہ دو شعر بخط جلی لکھے ہوئے تھے ؎

رہ کے دنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت
موت کا دھیان بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے
جو بشر آتا ہے دنیا میں یہ کہتی ہے قضا
میں بھی پیچھے چلی آتی ہوں ذرا دھیان رہے

آخرت سے غفلت کی اصلی جڑ دنیا کی محبت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں حُبُّ الدُّنیا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ "دنیا کی محبت تمام معاصی کی جڑ ہے"

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں دنیا کی محبت سے سخت پرہیز کا حکم فرمایا ہے، اور مسافرانہ زندگی کے بعد اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ فرمایا ہے، یہاں اَوْ معنی میں بَلْ کے ہے، بَلْ ترقی کے لئے آتا ہے، یعنی کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ میں جو تعلیم دی گئی تھی کہ دنیا میں اس طرح زندگی بسر کرو کہ گویا تم ایک مسافر ہو تو یہ ابتدائی درجہ ہے۔ جب اس درجہ کا رسوخ ہو جائے تو اور ترقی کرو، اور اس طرح رہو کہ جیسے کوئی عابر ہوتا ہے، یعنی عبور کرنے والا، مسافر تو کہیں کسی وقت ٹھیر کر آرام بھی کر لیتا ہے اور عابر عبور کے درجہ میں کہیں ٹھیرتا بھی نہیں ہے، وَعُدَّ نَفْسَکَ مِنْ اَھْلِ الْقُبُوْرِ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "اور اپنے نفس کو اہل قبور میں سے شمار کرو" یعنی جس طرح مُردہ دنیا سے بے تعلق رہتا ہے اسی طرح تم زندگی میں اپنے دل کو تمام فانی تعلقات سے خالی کرو، اور دل میں صرف ایک ذات پاک کا تعلق رکھو، یعنی دنیا میں تمام تعلقات پر اللہ کی محبت کو غالب کر لو۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اب کوئی اعتراض کر سکتا ہے کہ دنیا کی محبت نہ ہوگی تو دنیا حاصل کیسے ہوگی، اور مسلمان دوسری قوموں کے مقابلہ میں روز بروز گھٹتا

چلا جاوے گا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک تو دنیا کمانا ہے، اور ایک دنیا کی محبت ہے۔ کسبِ دنیا جائز ہے، حبِّ دنیا جائز نہیں۔ کشتی پانی کی محتاج ضرور ہے، لیکن اسی وقت تک یہ پانی کشتی کے لئے معین اور مفید ہے جب تک کہ پانی کشتی کے اندر نہ داخل ہو، کشتی کے اندر پانی کا داخل ہو جانا کشتی کی ہلاکت اور تباہی کا سبب ہے ؎

آب در کشتی ھلاک کشتی است
آب اندر زیر کشتی پشتی است

پانی کشتی کے اندر کشتی کی ہلاکت کا سبب ہے، اور پانی کشتی کے نیچے کشتی کی روانی کا ذریعہ ہے، دنیا حاصل کرنے سے کون منع کرتا ہے۔ البتہ دنیا کو دل میں رکھنے سے منع کیا جاتا ہے، کیونکہ قلب کو حق تعالیٰ نے اپنی یاد کے لئے پیدا فرمایا ہے، دل کی غذا صرف ذکر اللہ ہے، ارشاد فرماتے ہیں:۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ، "خوب سُن لو کہ دلوں کو چین اور اطمینان صرف اللہ تعالیٰ ہی کی یاد سے میسّر ہوتا ہے، پس قلب ایک شاہی محل ہے جس میں صرف شہنشاہِ حقیقی سکونت کر سکتا ہے، دل کوئی بھٹیار خانہ نہیں ہے، کہ جس کو چاہو ٹھیرا لو، اگر ٹھیراؤ گے تو اللہ کے نزدیک ظالم اور گستاخ سمجھے جاؤ گے۔

دُوسرا اعتراض اور اُس کا جواب

اب اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جب تک دنیا کی محبت نہ ہو گی

تو ہم دوسری قوموں کی طرح حصولِ دنیا میں رات دن سرگرمی اور مشقت نہیں کر سکتے ہیں، کیونکہ جب دل دنیا سے اچاٹ ہوگا تو ظاہر ہے کہ دنیا کمانے میں ہم یقیناً دوسری قوموں سے پیچھے رہ جائیں گے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ خیال محض نادانی ہے، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے سلطنت کر کے دکھا دی ہے۔ سلطنت، فوج اور لشکر کے ساتھ، یہ اللہ کے ولی تھے۔ اور جس طرح اتباعِ رسولؐ کی برکت سے حق تعالیٰ نے ان کے متعلق اپنی رضا کا اظہار فرمایا، اسی طرح ان حضرات کی اتباع کرنے والوں کے متعلق بھی اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے۔ اتباع رسولؐ کی برکت سے یہ حضرات بھی ہمارے مخدوم اور متبوع بن گئے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ

(ترجمہ) "اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں، اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے"

بس ہم کو حضرات صحابہؓ کے نقش قدم پر چلنا چاہئے، مسلمان تخت و تاج اور سلطنت کے ساتھ دیندار بن سکتا ہے، اور اگر نہ چاہے تو تنگدستی اور فاقہ کے ساتھ بددین ہو سکتا ہے، نہ غریبی کے ساتھ دیندار ہونا ضروری ہے نہ امیری کے ساتھ بے دین ہونا ضروری ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام پیغمبر تھے اور بادشاہ بھی تھے، البتہ کچھ بندے مستثنیٰ ہوتے ہیں جن پر اللہ کی محبت کا حال غالب ہو گیا،

اور انہوں نے دنیا کو لات ماردی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ایک جماعت ایسی موجود تھی جو بال بچے دار نہ تھی، انھوں نے اپنی زندگی کو دین کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا۔

تذکرۂ اصحابِ صُفّہ

ان حضرات کو اصحابِ صُفّہ کہا جاتا ہے، یہ ایسے محبوب بندے تھے کہ حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کا عجیب خصوصیت سے ذکر فرمایا ہے، ارشاد فرماتے ہیں:۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۗ (سورہ بقرہ پ۳)

(ترجمہ وتفسیر از بیان القرآن) صدقات اصل حق ان حاجتمندوں کا ہے جو مقید ہو گئے ہوں، اللہ کی راہ میں یعنی دین کی خدمت میں مقید اور مشغول رہنے سے وہ لوگ طلبِ معاش کے لئے کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا عادۃً امکان نہیں رکھتے اور ناواقف ان کو تونگر خیال کرتا ہے ان کے سوال سے بچنے کے سبب سے، البتہ ان کے طرز اور ہیئت سے پہچان سکتے ہو، کیونکہ فقر اور فاقہ سے چہرے اور بدن میں ایک گونہ اضمحلال ضرور آجاتا ہے، اور یوں وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے جس سے ان کو کوئی حاجتمند سمجھے یعنی مانگتے ہی نہیں، کیونکہ اکثر جو لوگ مانگتے ہیں وہ لپٹ کر ہی مانگتے ہیں۔ (از بیان القرآن)

لفظ اُحْضِرُوْا بتا رہا ہے کہ یہ کشتگان محبت ہیں، منجانب اللہ ان کے اوپر دین کی محبت کا ایسا حال غالب کر دیا گیا ہے کہ اسی میں گھرے ہوتے ہیں، بس ہر وقت دین ہی کا مشغلہ محبوب ہے، اور اسی غلبۂ حال کے سبب کسبِ معاش کی بھی طاقت نہیں رکھتے، حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

غیر آں زنجیر زلفِ دلبرم
گر دو صد زنجیر آری بر درم

"بجز اس محبوب حقیقی کی زنجیر محبت کے اگر دو سو زنجیر تو لائے گا تو میں توڑ دوں گا"

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم
مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

"ہم اگر قلاش اور دیوانے ہیں تو ہمیں اس کی پرواہ ہی کیا، کیونکہ ہم مست اس ساقیِ ازل کے اور اس پیمانہ ازل کے ہیں" یعنی اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کی آواز مجھے ہر وقت اپنی طرف جذب کر رہی ہے۔

آزمودم عقل دور اندیش را
بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

میں عقل دور اندیش کو بہت آزما چکا ہوں اس کے بعد میں نے اب اپنے کو دیوانہ بنا لیا۔

عاشقم من بر فن دیوانگی
سیرم از فرہنگ و از فرزانگی

"میں دیوانگی کے فن پر عاشق ہوں، اور عقل کی باتوں سے سیر ہو چکا ہوں"

زیں خرد جاہل ہمی باید شدن
دست در دیوانگی باید زدن

اس عقل سے جاہل ہونا بہتر ہے جو مانعِ عشق ہو، ہاتھ میں دیوانگی کی کی نعمت حاصل کرنی چاہیئے۔

یہ حضرات اصحاب صُفّہؓ متوکل علی اللہ تھے۔ کسی سے بھیک مانگتے نہ پھرتے تھے۔ ایسی بے نیازی کی شان ان سے ٹپکتی تھی کہ جاہل لوگ ان کو مالدار سمجھتے تھے۔ ایسے بندوں کو اللہ تعالیٰ ایسی جگہ سے روزی عطا فرماتے ہیں جہاں سے ان کا گمان بھی نہیں ہوتا، خدا پر بھروسہ کر کے دین کی خدمت میں لگے ہوئے تھے، ان کے چہروں پر اللہ اور رسولؐ کی محبت کے انوار نمایاں تھے اور اپنے چہروں کے نور سے پہچانے پڑتے تھے

نورِ حق ظاہر بود اندر ولی
نیک بیں باشی اگر اہل دلی

جس کا اردو ترجمہ یہ ہے ؎

مردِ حقانی کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

انسان کی سب سے بڑی ترقی

انسان کی سب سے بڑی ترقی یہی ہے کہ اس کے لمحاتِ زندگی مرضیاتِ الٰہیہ کے تابع ہوں، ورنہ جس دن رُوح نکلنے لگے گی اس دن دماغ کی ساری سائنس سائیں سائیں کرنے لگے گی، اور کچھ کام نہ دے گی۔ جس طرح اس قلعہ کی مثال گزر چکی ہے کہ جس کے اندر کوئی چشمہ نہ ہو، اور اہلِ قلعہ

ان بیرونی نہروں سے جو قلعہ کے اندر آتی ہوں بہت مطمئن ہوں، لیکن جب دشمن کی فوج ان بیرونی نہروں کا راستہ کاٹ دے گی تو اہل قلعہ پانی کے بغیر تڑپ تڑپ کر مر جائیں گے، کیونکہ قلعہ کے اندر ایک کھاری چشمہ بھی موجود نہ تھا۔

یہی حال اُن مادی ترقیات کا ہے جن کا تمام تر تعلق صرف جسمانی اعضاء سے ہے رُوح سے نہیں ہے۔ آنکھ، ناک، کان، زبان سے دیکھنے سونگھنے، سننے اور چکھنے کا لطف حاصل کر رہے ہیں، اور روح کی ترقی سے بے فکر ہیں، پس موت کا لشکر جس وقت آنکھ، ناک، کان، زبان وغیرہ کی نہروں کو کاٹ دے گا، یعنی احساسِ لذت کے یہ سب دروازے بند ہو جائیں گے تو اس وقت اس شخص کو سخت اضطراب اور ندامت پیدا ہوگی کہ اب کیا ہو، ساری عمر تو مادی ترقی میں گنوائی اور رُوح کے لئے کوئی سرمایہ نہ جمع کیا، جن اعضاء کے ذریعہ دنیا کی لذتوں کے احساس سے ہم مسرور رہتے تھے، آج سارے کے سارے معطل اور بے حس ہو گئے، پس حسرت کرے گا اور نادم ہوگا کہ کاش اپنے وطن میں آج کوئی سرمایہ ہوتا تو کام آتا، قلعہ کے اندر ایک کھاری چشمہ بھی کھود لیا ہوتا تو وہ کام دیتا اور ہلاکت و تباہی سے بچ رہتے، جو عاقل آدمی ہوتا ہے وہ پہلے ہی سے اپنے انجام پر نظر رکھتا ہے، وہ جانتا ہے کہ دنیا اور دنیا کی تمام راحتیں ایک دن ختم ہونے والی ہیں، اس لئے بقدر ضرورت دنیا سے کام لیتا ہے، اور یہ عاقل مثل اس مسافر کے ہے جو دانہ گھاس کھلا کر اپنے گھوڑے سے کام لیتا ہے یعنی جسم کو ایک سواری سمجھ کر اس سے سفر طے کرتا ہے، چنانچہ اپنے اعضاء سے وہ اعمال

کرتا ہے جو مرنے کے بعد آخرت کی زندگی کے لئے کام آنے والے ہیں، اور صرف مادی ترقی و الاہر وقت گھوڑے کی مالش اور اس کی زیب و زینت میں مشغول ہو کر سفر سے غافل رہتا ہے، بالآخر موت کے وقت یہ سواری بھی چھین لی گئی، کیونکہ جسم کی یہ سواری چند روزہ امانتِ خداوندی تھی، پس مقصود سے محروم اور گھاٹے میں رہا، کیونکہ سواری کو مقصود سمجھ بیٹھا تھا۔ حالانکہ سواری ذریعۂ مقصود تھی، منزلِ مقصود تو رضاءِ الٰہی تھی جس سے یہ محروم رہا۔ اس وقت آنکھ کھل جاوے گی کہ اصلی ترقی کس کا نام ہے، لیکن اب اس تنزلی کا تدارک ممکن نہیں ہے۔

"اب پچھتائے کا ہووت ہے جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت"

عاقل کی تعریف

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اہلِ دنیا اہلِ دین کو بیوقوف سمجھتے ہیں، میں ان سے سوال کرتا ہوں اچھا عقل کی تعریف کیا ہے، عقل کہتے کس کو ہیں؟ اہل دنیا بھی عاقل اسی کو کہتے ہیں جو عاقبت اندیش اور انجام بیں ہو، کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص نہایت بیوقوف ہے، کہ اپنے کام کے انجام پر نگاہ نہیں رکھتا۔

پس جب عقل کی یہ تعریف یعنی انجام بینی سب کو تسلیم ہے تو اب خود فیصلہ کرلیں کہ انجام پر کس کی نظر زیادہ ہے، اہل دین تو مرنے کے بعد کے انجام پر بھی نظر رکھتے ہیں، پس ان کا سب سے زیادہ عاقل ہونا عقلاً بھی ثابت ہو گیا، کہ مادی ترقیات یعنی سائنس کی تمام تر ایجادات کا تعلق صرف جسمانی آرائش اور راحت سے ہے، اگر ان نعمتوں پر شکر

کرتے کہ خداوند تعالیٰ نے کیسی کیسی راحتوں کا انتظام ہمارے لئے فرمادیا ہے تو یہی دنیا دین بن جاتی ، آخر ان ایجادات اور مصنوعات کے لئے ہمارے اندر عقل کہاں سے آئی ہے ، ایک دن وہ تھا کہ ہم ماں کے شکم میں ایک بے جان نجس پانی کی شکل میں تھے ، پھر اس خلاق عالم نے کس طرح اس پانی کو لوتھڑا بنایا ، پھر اس میں ہڈیاں بنائیں ، اور پھر اس پر گوشت چڑھایا ، ماں کے پیٹ میں یہ سب کام ہو رہا ہے مگر ماں بیخبر ہے ، کہ وہ نطفہ کب لوتھڑا بنا ، کب اس میں ہڈیاں بنیں ، کب ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا گیا ، اور کب آنکھ ، ناک ، کان بناتے گئے ، اور کب ان کے اندر دیکھنے اور سونگھنے و سننے کے خزانے رکھے گئے ، ماں باپ کی یہی بے خبری خود دلیل ہے کہ ماں باپ خالق نہیں ہیں ۔ بھلا کیا وہ خالق ہو سکتا ہے جو اپنی مخلوق ہی سے بے خبر اور جاہل ہو ، ماں باپ کو اتنی بھی خبر نہیں ہے کہ ماں کے پیٹ میں بچہ ہے یا بچی ، کتنی بڑی نشانی وحدانیت کی خود انسان کی پیدائش میں موجود ہے ، ارشاد فرماتے ہیں :-

اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ۝

" کیا آدمی کو یہ معلوم نہیں کہ ہم نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا ہے ، سو وہ علانیہ اعتراض کرنے لگا " ؎

آب و گل پر یہ تری بخیہ گری
فہم سے باہر ہے یہ صنعت گری
ماں تھی تیری صنعتوں سے بیخبر
بن رہا تھا پیٹ میں اس کے بشر

ہاتھ کس کا کام کرتا ہے وہاں
جز ترے دستِ کرم اے شاہِ جاں
کارنامے دست قدرت کے ترے
نو مہینے بعد ظاہر ہو گئے
آج وہ اک نطفۂ بے جان سا
لے کے نکلا خلعت انسان کا
آفریں بر دست قدرت قاہرہ
خیرہ شد زاں کُلُّ عینِ ناظرہ
(از مرتب)

مثنوی شریف کی ایک حکایت

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایاز نام کا ایک بہت غریب شخص تھا، محمود بادشاہ نے اس کے اخلاق عالیہ کے سبب اس کو اپنا محبوب اور مقرب بنالیا تھا، لیکن ایاز جس دن شاہ محمود کے یہاں حاضر ہوا تھا تو اس دن اس کے پاس صرف ایک پُرانی گدڑی تھی، اور ایک بوسیدہ پوستین تھا، جس کو ایاز نے ایک حجرے میں مقفّل کر دیا تھا، اور ہر روز تنہا اس حجرے میں داخل ہوتا اور اپنی گدڑی کو دیکھتا اور اپنے نفس کو مخاطب کر کے یہ کہتا تھا کہ اے ایاز ایک وہ دن تھا کہ اسی بوسیدہ گدڑی میں تو یہاں آیا تھا اور آج تو مقرب بادشاہ ہے، دیکھ اپنی حقیقت کو مت بھولنا، نظرِ عنایت شاہ کی تجھ پر بہت ہے، ناز اور تکبّر میں مبتلا نہ ہونا، بلکہ یہ شکر

کا مقام ہے ، کہ یہی گدڑی پہننے والا آج مقرب اور محبوبِ سلطان ہے ، جس سے آج تمام وزرا و حکمران لرزتے ہیں ، رفتہ رفتہ یہ خبر عام ہوئی ، سارے اراکینِ سلطنت کو پہلے ہی سے ایاز کے ساتھ حسد تھا کہ ایک معمولی غریب آدمی آج ہم سبھوں سے سبقت لے گیا اور اس سے بڑھ کر شاہِ محمود کا کوئی مقرب اور محبوب نہیں ہے ، حاسدین میں یہ چہ میگوئیاں شروع ہوئیں کہ ایاز تنہا حجرہ میں جا کر کیا کرتا ہے ، اور حجرے کو ہر وقت مقفل کیوں رکھتا ہے ۔ ہو نہ ہو یہ خفیہ خفیہ شاہی خزانہ سے چُرا چُرا کر دولت جمع کر رہا ہے ، پس سلطان کو اس کی اس حرکت کی خبر کرنی چاہئے تاکہ یہ تقرب ایاز کا عتابِ شاہی سے بدل جائے ۔

پس سبھوں نے باہمی مشورہ کے بعد سلطان محمود کو خبر دی کہ حضور ایاز گندم نما جَو فروش ہے ، یہ آپ کا عاشقِ صادق نہیں ہے ، یہ منافق ہے ، خزانۂ شاہی سے اپنے خاص حجرے میں سیم و زر جمع کر رہا ہے ۔

سلطان محمود کو ایاز کے متعلق ایسی حرکت کا گمان تک بھی نہ ہوا لیکن اراکین پر حجت تمام کرنے کے لئے اور ایاز کا مقامِ محبّت اور اس کی صداقت ظاہر کرنے کے لئے حکم نافذ کر دیا کہ آدھی رات کو ایاز کے حجرے کی تلاشی لی جائے ، اراکینِ سلطنت بڑے خوش ہوئے کہ آج رات میں ایاز کی قلعی کھل جاوے گی ، اور اس کا تقرب ختم ہو جاوے گا ۔

چنانچہ نیم شب کو اس کے حجرے کا تالا توڑا گیا ، اور حکّامِ سلطنت نے حجرے کے اندر تلاشی لی ، لیکن بجز ایک پرانی گدڑی اور ایک بوسیدہ پوستین کے حجرے میں کچھ نہ تھا ۔ اور حاسدین نے حجرے کی زمین بھی اس شبہ سے کھودی کہ شاید زمین میں دفینہ ہو اور گدڑی کو دھوکہ دینے کے

لئے ٹانگ رکھا ہو۔ بالآخر تلاشی لینے والے حکّام تہی دست و نامراد شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور باصد شرمندگی معذرت اور معافی طلب کرنے لگے۔

محمود پر اس وقت ایاز کی محبت کا ایک حال غالب ہوگیا، اور ایاز سے پوچھا، کہ اے ایاز اس قدر اہتمام سے اس گدڑی اور پوستین بوسیدہ کو حجرے میں کیوں مقفل کر رکھا ہے؟ ایاز نے عرض کیا کہ حضور میں ہر روز اپنی اس گدڑی اور پوستین بوسیدہ کو دیکھ کر عبرت حاصل کرتا ہوں، اور نفس سے کہتا ہوں کہ اے ایاز تیری یہ تمام نعمتیں، عزت و شوکت سب عطائے شاہ محمود ہے۔ ورنہ اے ایاز تیری حقیقت ایک دن یہی گدڑی اور بوسیدہ پوستین تھی۔

عجیب عبرت

اس واقعہ سے مولانا بطور عبرت و نصیحت کے فرماتے ہیں کہ اے لوگو تمھاری حقیقت بھی ایک دن منی کا ایک نجس اور ذلیل قطرہ تھی، پھر جس ذات پاک نے اپنی قدرت کاملہ سے اور اپنی عطاء کامل سے اس ذلیل قطرۂ منی کو انسانیت اور آدمیت کی خلعت بخشی ہے، آج اسی ذات پاک کے مقابلہ میں خدائی کا دعویٰ کرتے ہو۔

دھد نطفہ را صورتے چوں پری
کہ کرد ست بر آب صورت گری

"کس ذات پاک نے پانی جیسی پتلی اور بے جان منی پر صورت گری فرمائی ہے کہ اس کو پری جیسی صورت یعنی انسانیت کا پیکر عطا فرمایا ہے"

اسی کو مولانا فرماتے ہیں :-

چار قت نطفہ است وخونت پوستیں
باقی اے خواجہ عطاءِ اوست بیں

مولانا فرماتے ہیں کہ ایاز کی طرح ایک دن تجھ پر بھی ابتداءً وہ دن بیتے ہوئے ہیں کہ تیری گدڑی باپ کا ایک قطرۂ نجس پانی کا یعنی نطفہ تھا اور تیری پوستین بوسیدہ ماں کا خون حیض تھا ، باقی تو آج جس احسن تقویم کے ساتھ موجود نظر آتا ہے یہ سارے ظاہری و باطنی اعضاء اور ان کی انمول قوتیں سب عطاء خداوندی ہیں ۔

اس واقعہ سے کیسی عبرت کی بات حضرت عارف رومیؒ نے بیان فرمائی ہے ، یہ سارے علوم وفنون کس کام کے جب انسان اپنی حقیقت کو بھی نہ جان سکے ، اور اپنے پیدا کرنے والے کو نہ پہچان سکے ۔

صد ہزاراں فضل دارد از عُلوم
جانِ خود را می نداند ایں ظلوم
جان جملہ علمہا این است و ایں
کہ بدانی من کیستم در یومِ دیں

حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں کہ " سینکڑوں علوم وفنون اس نے حاصل کئے لیکن یہ ظالم خود اپنی جان سے بے خبر رہا ، تمام علوم کی روح صرف یہ ہے کہ آدمی یہ جان لے کہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے ہماری کیا قیمت ہوگی ؟"

اگر انسان اپنی پیدائش میں غور کرتا رہے اور اپنی ابتدائی گدڑی اور پوستین پر نظر رہے تو ناز اور تکبر پاس نہیں آسکتا ، اور اپنے اللہ کو

پہچان لے گا، یعنی جب سوچے گا کہ ہم ایک حقیر شئے سے پیدا کئے گئے ہیں تو اپنے ناز اور تکبّر سے شرما جاوے گا۔

وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ "اور خود تمہاری ذات میں میری نشانیاں موجود ہیں، سو کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا" اپنے وجود کو لئے ہوئے ہر وقت چلتے پھرتے ہو، آخر تم کہاں سے سنتے ہو، یہ تمام کارخانے کس کے بناتے ہوئے ہیں۔

وحدانیت کی بڑی دلیل خود انسان کا وجود ہے!

حق تعالیٰ کی بہت بڑی دلیلِ وحدانیت خود انسان کا یہ مجسّمہ ہے، جس کو لئے ہوئے ہر وقت چلتا پھرتا ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:-

یَخْلُقُکُمْ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ لَہُ الْمُلْکُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ ۝

"وہ تم کو ماؤں کے پیٹ میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر اور دوسری کیفیت کے بعد تیسری کیفیت پر بناتا ہے، اول نطفہ، پھر علقہ پھر مضغہ الیٰ آخرہ۔ اور یہ بنانا تین تاریکیوں میں ہوتا ہے، ایک تاریکی شکم کی، دوسری رحم کی، تیسری اس جھلی کی جس میں بچہ لپٹا رہتا ہے، پس خلق مختلف الکیفیت کمالِ قدرت کی دلیل ہے، اور ظلماتِ ثلاثہ میں پیدا کرنا کمالِ علم کی دلیل ہے۔ یہ ہے اللہ تمہارا

رب جس کی صفات تم نے ابھی سنیں، اسی کی سلطنت ہے،
اس کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں، سو ان دلائل کے بعد بھی تم
کہاں پھرے چلے جا رہے ہو (تفسیر بیان القرآن)

حضرت علیؓ کا ایک قول

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اے انسان تو خود ایک کتابِ مبین ہے، یعنی تو اپنے اندر اللہ کی پہچان کا ایک دفتر لئے ہوئے ہے۔

شکر از نے میوہ از چوب آوری
واز منی مردہ بتِ خوب آوری
اے مبدّل کردہ خاکے را بہ زر
خاکِ دیگر را نمودہ بوالبشر

حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں کہ اے اللہ آپ کی قدرت کاملہ نے سے شکر کو اور درختوں کی شاخوں سے میوہ کو پیدا کرتی ہے، اور منی جیسی حقیر اور ذلیل بے جان شے سے عجیب اشرف مخلوق یعنی انسان پیدا کرتی ہے۔ اور آپ اپنے عجیب تصرّف سے جس خاک کو چاہتے ہیں سونا بنا دیتے ہیں، اور جس خاک کو چاہتے ہیں بشر بنا دیتے ہیں۔

انسان کے اندر تصرّفاتِ الٰہیہ

انسان جو غذا کھاتا ہے حلق سے نیچے اتارنے تک تو اس کے اختیار کو دخل ہوتا ہے، پھر جب غذا معدہ میں داخل ہو گئی تو اب اس غذا میں کیا کیا تصرّفات اور تبدیلیاں ہوتی ہیں، انسان کو ان تبدیلیوں کی مطلق

خبر نہیں ہوتی کہ ہمارے اندر پھر کیا ہوتا ہے۔ اب حق تعالیٰ کی قدرت پر غور کیجئے کہ اسی غذا سے جسم کے تمام اعضاء کے مزاج کے مطابق ہر ایک کو الگ الگ غذا پہنچاتے ہیں، یعنی لطیف اعضاء کے لئے لطیف اجزاء غذائیہ کو اور کثیف اعضاء کے لئے کثیف اجزاء غذائیہ کو علیحدہ علیحدہ پہنچا دیتے ہیں، حکم ہوتا ہے کہ فلاں فلاں غذا کے ذرات! تم آنکھوں کی بینائی بن جاؤ! فلاں فلاں غذا کے ذرات! تم کانوں کی شنوائی بن جاؤ، فلاں فلاں ذرات! تم دماغ میں عقل اور فہم بن جاؤ، فلاں فلاں ذرات! تم پیشاب اور پاخانہ بن کر نکل جاؤ۔

ہر وقت حق تعالیٰ کی ربوبیت کام کر رہی ہے، ہر سانس میں ان کی ربوبیت کا تعلق ہے، جب ہم بولتے ہیں تو انہی کی ربوبیت سے بولتے ہیں، جب چلتے ہیں تو انہی کی ربوبیت سے چلتے ہیں، جب دیکھتے ہیں، تو انہی کی ربوبیت سے دیکھتے ہیں۔

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ میں جو سبق پڑھایا تھا اسی کا ہر وقت تکرار ہو رہا ہے، اگر ایک لمحہ کو ان کی ربوبیت کا تعلق منقطع ہو جائے، تو اسی وقت ہم ہلاک ہو جائیں، اور ہمارے عناصر بکھر جائیں۔ یہ ربوبیت ایسی بدیہی یعنی کھلی ہوئی وحدانیت کی دلیل ہے جس کو ہر وقت ہم اپنے اندر دیکھ رہے ہیں۔ جب ہم سوتے ہیں تو انہی کی ربوبیت ہم کو سلاتی ہے اور جب جاگتے ہیں تو انہی کی ربوبیت ہم کو جگاتی ہے۔ جب رُوح نکال لیتے ہیں تو پھر ہم سائنس کے ذریعہ کیوں نہیں چل لیتے، اور ہماری زبان رُوح نکلنے کے بعد پھر گویا کیوں نہیں ہو جاتی بڑے بڑے اہل سائنس جب سائیں سائیں کر کے مرنے لگتے ہیں تو اپنی رُوح کو جسم میں کیوں نہیں

روک لیتے۔ اتنے دلائل سامنے رکھ کر تب فرماتے ہیں :۔ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ ۝ "دیکھتے نہیں ہو کیا ؟ یہ تمہارا رب تمہارے سامنے ہے جو تمہاری تربیت کر رہا ہے پس کہاں الٹے پاؤں پھرے جاتے ہو؟"

انسان کی غذاؤں میں ربوبیتِ الٰہیہ

اور انسان جو غذائیں استعمال کرتا ہے ان غذاؤں کو کون پیدا کرتا ہے؟ غذاؤں کے پودوں کی نشوونما کے لئے پانی کون برساتا ہے ؟ پروا، پچھوا، سرد ہوائیں کون چلاتا ہے، ایک ہی رنگ کا پانی برساتے ہیں پھر اسی پانی سے پودوں کی جڑوں میں اور غذا پہنچاتے ہیں، تنوں اور شاخوں میں دوسری غذا پہنچاتے ہیں۔ کلیوں اور پھولوں میں لطیف غذا پہنچاتے ہیں، جڑوں اور تنوں میں اس کے مناسب کثیف غذا پہنچاتے ہیں۔ پانی کا رنگ تو سفید و شفاف تھا لیکن حق تعالیٰ اپنی عجیب قدرت اور عجیب تصرّف سے سیب میں سیب کا مزہ آم میں آم کا مزہ، نیب میں نیب کی تلخی کا مزہ پیدا فرماتے ہیں۔ اسی ایک رنگ کے پانی سے گلاب میں گلاب کی خوشبو، چمبیلی میں چمبیلی کی خوشبو پیدا فرماتے ہیں۔ اور ایسا بھی مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ کھجوروں کا خوشہ ایک ہے، لیکن اسی ایک خوشہ میں چھوٹی بڑی مختلف رنگ اور مختلف ذائقہ کی کھجوریں ہوتی ہیں، کمیت اور کیفیت دونوں میں فرق ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِہٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُھَا

"کیا تو نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مختلف رنگتوں کے پھل نکالے"

پھر ان غذاؤں پر آفتاب اور ماہتاب کو کس نے مقرر کیا ہے کہ وہ اپنی حرارت اور برودت کے ساتھ پودوں کی نشو ونما میں اوقات مقررہ پر خدمات انجام دیتے رہتے ہیں۔

مختلف سمت ہواؤں میں توحید کی نشانی

وہ کون ذات ہے جو پروا ہوا کو یک لخت پچھوا ہوا سے تبدیل کر دیتی ہے، اتنے بڑے کرۂ ہوا کو یک لخت بدل کر شرقی کو غربی کر دینا، جنوبی کو شمالی کر دینا کس کا کام ہے، اور جب آندھی آجاتی ہے تو اس وقت کیسی بے بسی کا عالم ہو جاتا ہے، کوئی مخلوق اس کو روک نہیں سکتی، زمین میں بیجوں کو پھاڑ کر کون ان سے شگوفہ نکالتا ہے، فرماتے ہیں:۔

فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی ہماری ذات ہے ——— علامہ اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ؎

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب
کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ سازگار
خاک یہ کس کی ہے، کس کا ہے یہ نورِ آفتاب
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب

حضرت سعدی شیرازیؒ فرماتے ہیں ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہرِ تو سرگشتہ و فرمانبردار
شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نہ بری

اے انسان تیری خدمت میں بادل، ہوا، چاند، سورج، آسمان سب بحکم خداوندی اپنے اپنے کاموں کی انجام دہی میں لگے ہیں، تاکہ تو جب روٹی ہاتھ میں لے تو غفلت سے نہ کھائے، بلکہ یہ سوچ کر کھائے کہ جب تیرے واسطے یہ تمام کائنات اور مخلوقات سرگشتہ اور فرمانبردار ہیں تو شرط انصاف کے کہ تو اپنے خالق کی فرمانبرداری سے غافل رہے۔

فلسفہ کا قاعدۂ مسلّمہ

فلسفہ کا قاعدۂ مسلّمہ ہے کہ کوئی ثقیل شے فضا میں نہیں رہ سکتی مثلاً ڈھیلہ زمین سے اوپر پھینکا جائے تو جب تک ہاتھ کی قوت قسریہ کام کرے گی ڈھیلا اوپر چلا جائے گا لیکن جس وقت ہاتھ کی قوت ختم ہو جائے گی، فوراً ڈھیلا اپنے مرکز طبعی یعنی زمین پر گرا ہوا نظر آئے گا۔

حق تعالیٰ کی عجیب قدرت

اب حق تعالیٰ کی قدرت دیکھئے کہ بادلوں میں دریا کا پانی بھرا ہوا ہے، اور حکم الٰہی سے ہوا پر اڑ رہے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں:۔

حَتّٰی اِذَا اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ

فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ

(ترجمہ) "یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں تو ہم اس بادل کو خشک زمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں، پھر اس بادل سے پانی برساتے ہیں، پھر اسی پانی سے مختلف قسم کے پھل نکالتے ہیں۔"

ہمارے روزمرہ کے مشاہدات ہیں کہ پانی کا برسنا اپنے اختیار میں نہیں ہے، جہاں اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں وہاں برساتے ہیں جہاں نہیں چاہتے وہاں نہیں برساتے۔ انسان اپنی عاجزی اور بے بسی کا ہر وقت مشاہدہ کرتا رہتا ہے، جب کسی مقام پر سیلاب آجاتا ہے اس وقت انسان کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی، اہل سائنس سیلاب زدہ بستی سے بادلوں کو کیوں نہیں ہانک لے جاتے، اسی طرح قحط زدہ علاقوں میں بادلوں کو کیوں نہیں لاکر برسوا لیتے، یوں تو دعوے لمبے ہانکتے رہتے ہیں، لیکن جب کسی بلا اور قہر خداوندی میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو سائنس کی بجائے سائیں سائیں کرتے ہوئے ہلاک ہو جاتے ہیں۔

جہاں طوفان میں پھنس کر سفینہ ڈگمگاتا ہے
وہیں قدرِ خدا و ناخدا معلوم ہوتی ہے (امیر)

حق تعالیٰ دلائل توحید کے سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ

وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ (پ۲، سورۃ بقرہ)

ترجمہ وتفسیر از بیان القرآن "بلاشبہ آسمانوں اور زمینوں کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے میں اور جہازوں کے چلنے میں جو کہ سمندر میں چلتے ہیں، آدمیوں کے نفع کی چیزیں اور اسباب لے کر، اور بارش کے پانی میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسایا، پھر اس پانی سے زمین کو تر و تازہ کیا اس کے خشک ہوئے پیچھے یعنی اس میں نباتات پیدا کئے اور ان نباتات سے ہر قسم کے حیوانات اس زمین میں پھیلا دیئے، کیونکہ حیوانات کی زندگی اور توالد و تناسل اسی غذائے نباتی کی بدولت ہے، اور ہواؤں کی سمتیں اور کیفیتیں بدلنے میں کہ کبھی پروا کبھی پچھوا، کبھی گرم کبھی سرد اور ابر کے وجود میں جو زمین اور آسمان کے وجود میں مقید اور معلق رہتا ہے، ان تمام چیزوں میں توحید کے دلائل موجود ہیں ان لوگوں کے استدلال کے لئے جو عقل سلیم رکھتے ہیں۔"

عُلماء کیلئے وُجودِ صانع پر عقلی دلیل

اس استدلالِ عقلی کا مختصر طریقہ یہ ہے کہ یہ اشیاء مذکورہ سب ممکن الوجود ہیں، بعض تو بداہتہً لسبب مشاہدہ وجود بعد العدم کے یا تغیر و تبدل احوال کے اور بعض ترکیب من الاجزاء یا افتقار البعض الی البعض کے اور ممکن بوجہ متساوی الوجود والعدم ہونے کے محتاج ہوتا ہے، کسی مرجح کا وہ مرجح اگر ممکن ہے تو اس میں پھر یہی کلام ہوگا تو

قطع تسلسل محال کے لئے انتہا واجب ہے کسی واجب الوجود کی طرف، یہ تو دلیل ہے وجود صانع کی۔

عُلماء کے لئے توحید پر عقلی دلیل

آگے اس کا واحد ہونا سو اس کی تقریر یہ ہے کہ اگر نعوذ باللہ متعدد مثلاً دو معبود فرض کئے جاویں تو ان میں سے کسی کا عاجز ہونا ممکن ہے یا دونوں کا قادر ہونا ضروری ہے۔ شقِ اول محال، کیونکہ عجز منافی ہے وجوبِ وجود کے اور شق ثانی پر اگر ان میں سے ایک نے کسی امر کا مثلاً ایجادِ زید کا ارادہ کیا تو دوسرا اس کے خلاف کا ارادہ کر سکتا ہے، یا نہیں۔ اگر نہیں کر سکتا تو اس کا عجز لازم آئے گا جو منافی ہے وجوبِ وجود کے، اور اگر کر سکتا ہے تو اس پر ترتبِ مراد کا ضروری ہے یا نہیں، اگر ضروری نہیں تو تخلف مراد کا ارادہ قادرِ مطلق سے لازم آئے گا جو کہ محال ہے۔ اور اگر ضروری ہے تو مختلف مرادوں کا اجتماع لازم آوے گا۔ کیونکہ ایک واجب کے ارادہ پر ایک مراد مرتب ہوئی اور دوسرے واجب کے ارادہ پر دوسری مراد، اُس مراد اول کی ضد مرتب ہوئی اور اجتماع ضدین لازم آیا اور یہ محال ہے۔ اور امر مستلزم محال کو محال ہے۔ تو تعدّد واجب کا محال ہے۔ پس وحدت واجب ہے اور وہی مطلوب تھا، خوب سمجھ لو۔

اس دلیل کو حق تعالیٰ نے سورۂ انبیاء لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ میں ارشاد فرمایا ہے، یعنی زمین آسمان میں اگر اللہ تعالیٰ کے سوا

کوئی اور معبود واجب الوجود ہوتا تو دونوں کبھی کے درہم برہم ہو جاتے، کیونکہ عادۃً دونوں ارادوں اور افعال میں تزاحم ہوتا، اور اس کے لئے فساد لازم ہے۔ لیکن فساد واقع نہیں ہے۔ اس لئے تعددِ الٰہ بھی منفی ہے، سو ان تقریرات سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ جو کہ مالکِ عرشِ عظیم ہے اُن امور سے پاک ہے جو کچھ یہ لوگ بیان کر رہے کہ اس کے اور شرکاء بھی ہیں۔

نوٹ :- اسلام کے اصول یعنی توحید و رسالت کے مسائل عقلی ہیں، جیسا کہ آیت لَعَلَّهُمْ يَعْقِلُوْنَ سے اس طرف اشارہ ہے، اور فروع کا عقلی ہونا ضروری نہیں۔ البتہ کسی دلیل عقلی قطعی کے خلاف نہ ہونا ضروری ہے۔ افسوس ہے کہ آجکل نوخیز طبائع ان دونوں کو مخلوط کر کے عجب چکر میں پڑ جاتے ہیں، یعنی فروعات کو بھی عقل سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں جس کا نتیجہ وانجام بد دینی ہے۔

(از تفسیر بیان القرآن)

اللہ تعالیٰ کے وجود پر عام فہم تقریر

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :- اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ (پ ۲۷، سورۂ طور) ترجمہ :- "کیا یہ لوگ بدون کسی خالق کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود اپنے خالق ہیں"۔ اس آیت کے اندر اللہ تعالیٰ نے منکرین توحید کو دو باتوں کے اندر ایسا گھیر دیا ہے کہ قیامت تک اس سے نکلنے کا موقع نہیں پا سکتے ہیں۔ یعنی دو ہی صورتیں ہیں، یا تو انھوں نے خود ہی اپنے کو پیدا کر لیا ہے یا ان کو کسی نے پیدا

کیا ہے، کیوں کہ پیدا ہونا ایک فعل ہے اور ہر فعل کے لئے کسی فاعل کا ہونا ضروری ہے۔

ظاہر ہے کہ جب انسان ایک وقت میں موجود ہی نہ تھا تو اپنے کو پیدا کیسے کر سکتا ہے، کیونکہ پیدا کرنے والے کا وجود تو پیدا ہونے والی چیز سے پہلے ہونا چاہئے، ایک ہی شے فاعل ہو اور وہی شے مفعول بھی ہو، ایک ہی شے عامل بھی ہو اور وہی معمول بھی ہو، ایک ہی شے موقوف ہو اور وہی موقوف علیہ بھی ہو، ایک ہی شے موثر بھی ہو اور وہی متاثر بھی ہو، ایک ہی شے مخلوق بھی ہو اور وہی اپنی ذات کے لئے خالق بھی ہو، یہ عقلاً محال ہے۔ کیونکہ اس صورت میں شے کا اپنی ذات پر مقدم ہونا لازم آتا ہے، اور تقدم الشیٔ علیٰ نفسہٖ محال عقلی ہے۔ اب جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ کوئی مخلوق شئے اپنی ذات کے لئے خالق نہیں ہو سکتی۔

تو اب دوسرا سوال یہ ہوتا ہے کہ انسان کی پیدائش میں سب سے زیادہ اسباب قریبہ کیا ہیں، زیادہ سے زیادہ منکرین کہہ سکتے ہیں کہ ماں باپ ہمارے خالق ہیں کیونکہ ہماری پیدائش میں ان کو بڑا دخل ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ خالق کو اپنی مخلوق کا پورا پورا علم ہونا ضروری ہے، مخلوق کے ہر ایک ذرہ کا اتصال اور انفصال خالق کے احاطۂ قدرت اور علم سے خارج نہ ہونا چاہئے۔ اب ماں باپ کے متعلق غور کرنا چاہئے کہ جس وقت بچہ ماں کے شکم میں نشو و نما پاتا ہے۔ اس نو مہینے کی تربیت کا علم ماں باپ کو ہے یا نہیں، کیا ماں باپ کو اس امر کی خبر ہے کہ ماں کے شکم میں منی کے اندر کیا کیا بخیہ گری ہو رہی ہے، بچے کا رنگ کیا ہے، اور وہ بچہ ہے یا بچی ہے، اس کا نقشہ کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب تک بچہ ماں کے شکم میں رہتا ہے ماں باپ اس بچہ کی تخلیق سے بالکل بے خبر رہتے ہیں، پس ماں باپ کے لئے جب اس مخلوق سے بے خبری اور لاعلمی ثابت ہوگئی تو ان کا خالق نہ ہونا بھی ثابت ہوگیا، کیونکہ خالق کے لئے اپنی مخلوق سے بے علمی اور بے خبری عقلاً محال ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ۝ (پ۲۹، سورۂ ملک) بھلا وہی ذات نہ جانے گی جس نے پیدا کیا اور بہت باریک ہیں اور پورے طور پر اپنی مخلوق سے باخبر ہے" اور ماں باپ تو بیچارے خالق ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کرتے ہیں، یہ تو خود ہی اپنی حقیقت اور بے بسی سے آگاہ ہیں، کتنے میاں بیوی ایسے موجود ہیں جن کو ماں باپ بننے کی نوبت ہی نہ آئی، بڑے بڑے علاج و معالجہ کے باوجود اولاد کے لئے ترستے ہی رہ گئے، اللہ تعالیٰ ہر طرح سے بندوں کو دنیا میں عبرت کی باتیں دکھاتے رہتے ہیں، فرعون نے اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کا دعویٰ کیا کہ میں سب سے بڑا رب ہوں، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں کس بُری طرح تباہ ہوا۔

اللہ تعالیٰ کے سوا ہے کون جو خالق ہونے کا دعویٰ کرے، افسوس ہے ان لوگوں پر جو عاجز اور محتاج کو اپنا معبود اور خالق تسلیم کر لیتے ہیں، میں تو یہ کہا کرتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ جو دعویٰ کرے وہ سامنے آجائے، میں اس سے یہ نہ کہوں گا کہ تو آسمان اور زمین پیدا کر دے، صرف یہ کہوں گا کہ تو مچھر یا مکھی کا ایک پَر بنا دے جس کے اندر ظاہراً و باطناً فرق نہ ہو، دعویٰ بدون دلیل لغو اور جہل محض ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دعویٰ فرمایا ہے کہ میں ہوں اللہ اور پروردگار

ہوں سارے جہان کا۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ (پ)

ترجمہ: "یہ ہے اللہ تمہارا رب، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، ہر چیز کا پیدا کرنے والا، تو تم لوگ اس کی عبادت کرو، کیونکہ جب خالق بھی وہی، علیم بھی وہی، وکیل بھی وہی، تو یہ سب امور مقتضی ہیں اس امر کے کہ معبود بھی وہی ہو۔"

نیز جس رسولؑ کے ذریعہ حق تعالیٰ دعوائے الوہیت کا اعلان فرماتے ہیں تو اس رسول کو ایک ایسی انوکھی چیز بھی عطا فرماتے ہیں، جس کا سارا جہان مقابلہ نہیں کر سکتا، چنانچہ ہر زمانہ میں جس فن کا بہت عروج تھا اسی فن کے مقابلہ میں حق تعالیٰ نے اس زمانہ کے نبی کو ایسا معجزہ بھی عطا فرمایا جس کے مقابلہ سے لوگ عاجز ہو گئے، اور رسولؑ کو یہ معجزہ اسی لئے دیا جاتا ہے کہ جب لوگ اس معجزہ کا مثل نہ لا سکیں اور اپنی عاجزی اس معجزہ کے مقابلہ میں دیکھ لیں تو ایمان لائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادوگروں کا بڑا زور تھا، حق تعالیٰ نے فرعون کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک ایسا عصا عطا فرمایا جو اژدہا بن کر جادوگروں کی ان تمام رسیوں اور لاٹھیوں کو کھا گیا جو نظر بندی سے سانپ اور بچھو معلوم

ہو رہی تھیں۔

جادوگروں نے غور کیا کہ جادو میں یہ اثر باعتبار فنِ سحر کے ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ جادو تو درحقیقت نظر بندی ہے، جادو میں اتنا دم کہاں کہ وہ شے کی حقیقت کو بدل دے۔ اور یہ عصا جب اژدھا بنا تو درحقیقت یہ اژدھا ہوگیا، اور اس نے ہماری تمام ان رسیوں، اور لاٹھیوں کو جن کو ہم نے نظر بندی سے سانپ اور بچھو کی شکل میں کر دکھایا تھا، نگل لیا۔ پس یقیناً یہ شان معجزہ ہی کی ہے جو رسولوں کو دیا جاتا ہے۔

پس جادوگروں نے جب اپنی عاجزی کو کھلی آنکھوں مشاہدہ کرلیا اور جادو و معجزہ کا فرق خوب سمجھ میں آگیا تو سجدے میں گر گئے، کیونکہ ان کو یقین آگیا کہ یقیناً جادو نہیں ہے۔ اور مقابلہ جادو کا ممکن ہے نہ کہ معجزہ کا۔ پس سارے کے سارے جادوگر بول اٹھے کہ ہم سب کے سب ایمان لائے:۔

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ	"ہم ایمان لائے رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون کا بھی رب ہے"

موسیٰ اور ہارون کا رب اس لئے کہا کہ فرعون مردود کہیں اپنے متعلق نہ سمجھ جائے کہ لوگ میرے اوپر ایمان لائے ہیں، کیونکہ فرعون بھی اپنے کو ربِّ اعلیٰ کہتا تھا۔ فرعون بڑا غضبناک ہوا۔ اور جادوگروں کو ڈانٹا کہ تم لوگ بدون ہماری اجازت کے موسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لے آئے، معلوم ہوتا ہے کہ تم سبھوں کے موسیٰ (علیہ السلام) استاد تھے، اب تم کو حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے۔ ابھی میں

تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا، اور تم سب کو سولی پر ٹانگ دوں گا۔ جادوگروں نے جواب دیا کچھ حرج نہیں :-

لَا ضَيْرَ إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ۝ إِنَّا نَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطَايَانَا أَنْ كُنَّا أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ ۝	کچھ حرج نہیں ہم اپنے مالک کے پاس پہنچ جائیں گے ہم امید رکھتے ہیں کہ کہ ہمارا پروردگار ہماری خطاؤں کو معاف کردے گا اس وجہ سے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لائے ہیں
(پ ۱۹، شعراء)	

اسی کو حضرت عارفؒ فرماتے ہیں ؎

صد ہزاراں نیزۂ فرعون را
در شکست آن موسیٰ با یک عصا

"صد ہزار فرعونی نیزوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک عصا نے توڑ کر رکھ دیا"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں فنِ طب کا بڑا عروج تھا، جالینوس کا بڑا شہرہ تھا۔ حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایسا معجزہ عطا فرمایا کہ قبروں پر آپ کھڑے ہو کر قم باذن اللہ فرماتے، اور مُردے زندہ ہو کر کھڑے ہو جاتے اور جس وقت حق تعالیٰ کے حکم سے آپ بے باپ کے پیدا ہوتے تو لوگوں نے کہا :-

اے مریم تم نے بڑے غضب کا کام کیا، اے ہارون کی بہن! تمہارے

باپ کوئی بُرے آدمی نہ تھے، اور نہ تمہاری ماں بدکار تھیں، پس مریم علیہا السّلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی طرف اشارہ کردیا، وہ لوگ کہنے لگے کہ بھلا ہم ایسے شخص سے کیونکر باتیں کریں جو ابھی گود میں بچّہ ہی ہے۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے اپنی ماں کی گود سے ارشاد فرمایا:۔

اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ ط اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا ہ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ہ	"میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھ کو نبی بنایا، اور مجھ کو برکت والا بنایا، میں جہاں کہیں بھی ہوں۔ اور اس نے مجھ کو میری والدہ کا خدمت گذار بنایا اور اس نے مجھ کو سرکش، بدبخت نہیں بنایا۔"

(پ ۱۶)

فائدہ (از تفسیر بیان القرآن) (۱) میں اللہ کا بندہ ہوں، یعنی نہ تو اللہ ہوں جیسا جہلاء نصاریٰ سمجھیں گے اور نہ غیر مقبول ہوں جیسا یہود سمجھیں گے۔

(۲) اس نے مجھ کو کتاب دی یعنی انجیل دی، اور گو یہ کتاب آئندہ اللہ تعالےٰ دے گا، مگر بوجہ یقینی ہونے کے ایسا ہی ہے جیسے کہ دیدی۔

(۳) اور اس نے مجھ کو نبی بنایا یعنی بنادے گا۔

(۴) اور مجھ کو برکت والا بنایا، یعنی مجھ سے خلق کو دین کا نفع پہنچے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام جس کوڑھی اور مادر زاد اندھے پر دَم فرما دیتے تو وہ کوڑھی اسی وقت صحتیاب اور وہ نابینا فوراً بینا ہو جاتا۔ پس اس وقت کے حکماءِ یونان حیرت زدہ ہو گئے، کیونکہ فنِ طب سے ان حیرت انگیز باتوں کا کوئی تعلق ہی نہ تھا، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے اعلان فرما دیا :-

اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ اَنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ ط	" میں تم لوگوں کے پاس اپنی نبوت اور اس دینِ خداوندی کی حقانیت کی کافی دلیل لے کر آیا ہوں، وہ یہ کہ میں تم لوگوں کے لئے گارے سے ایسی شکل بناتا ہوں جیسی پرندوں کی شکل ہوتی ہے پھر اس کے اندر پھونک مار دیتا ہوں، جس سے وہ پرندہ بن جاتا ہے خدا کے

حکم سے، اور میں اچھا کر دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور برص کے بیمار کو اور زندہ کر دیتا ہوں مردوں کو خدا کے حکم سے۔"

اسی کو حضرت عارفؒ فرماتے ہیں :-

صد ہزاراں طبِّ جالینوس بود
پیشِ عیسیٰ وَ دمش افسوس بود

"طبِّ جالینوس کے صد ہزار دفتر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی ایک پھونک کے سامنے سر در گریباں ہو گئے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں شعر و شاعری، فصاحت و بلاغت کا اتنا عروج ہوا کہ اہل عرب تمام ممالک کو اپنے مقابلہ میں عجم (یعنی گونگا) کہنے لگے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا فصیح اور بلیغ کلام کا معجزہ عطا فرمایا جس نے تمام فصحاءِ عرب کو حیرت زدہ اور عاجز کر دیا، اور کیوں نہ عاجز ہوتے، اللہ کا کلام تھا، کوئی معمولی بات تھی، میاں کی بولی کون بول سکتا تھا، یوں تو انھیں حروف الف، بار، تار، ثار سے بنے ہوئے جملے ہم بھی بولتے ہیں، مگر قرآن کے الف، بار، تار، ثار اور ہیں، قرآنی الف بار، تار، ثار اپنے اندر انوار الٰہیہ لئے ہوئے ہیں۔ قرآن کے الف، بار تار، ثار دوسرے عالم کے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنی حروف سے بنے ہوئے جملے اپنی مثل لانے سے تمام مخلوق کو عاجز کر دیتے ہیں، حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

نور خورشیدم فتادہ بر شما
لیک از خورشید ناگشتہ جدا

مولانا فرماتے ہیں کہ قرآن اللہ کا نور ہے، اور عجیب مثال سے مولانا توضیح فرماتے ہیں کہ جس طرح آفتاب کا نور سارے عالم میں روشنی پہنچاتا ہے لیکن آفتاب کا یہ نور آفتاب کی ٹکیہ سے جُدا نہیں ہے۔ اسی طرح قرآن حق تعالیٰ کا نور ہے اور ہر طالبِ نور پر اپنا فیض پہنچا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ سے جُدا بھی نہیں۔ حضرت عارف رومیؒ نے

اپنے شعر میں اس مثال سے بہت باریک اور نازک مسئلہ قرآن کے غیر مخلوق ہونے کا حل فرمادیا۔

قرآن نازل ہونے سے پہلے حق تعالیٰ شانہٗ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات چالیس برس تک اہل عرب کو دکھائی، کہ یہ میرا رسول ہے، اے اہل عرب! تم لوگ ظہور نبوت سے پہلے میرے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا بچپن دیکھو کہ ایسا بچہ روئے زمین پر کبھی نہیں پیدا ہوا، اور اے اہل عرب میرے رسولؐ کی جوانی بھی دیکھ لو کہ ایسا جوان روئے زمین پر نہ پیدا ہوا ہے نہ پیدا ہوگا۔ ہمارے رسولؐ کو ایک دو دن دیکھ کر فیصلہ مت کرو، چالیس برس تک ہم تم کو اپنا رسول دکھائیں گے، یہاں تک کہ میرے رسولؐ کی صداقت اور امانت کا مکہ کی ہر ہر گلی میں ہر ہر گھر میں چرچا ہونے لگے کہ هٰذَا صَادِقٌ اَمِیْنٌ یہ شخص یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بڑے سچے اور امین ہیں، فَعُوْلٌ اور فَعِیْلٌ دونوں صیغے مبالغہ کے لئے آتے ہیں، یعنی بہت بڑے سچے اور بہت بڑے امانت دار، آپؐ سے بڑھ کر کون سچا ہوسکتا ہے، مگر اس سے اور نبیوں کی صداقت اور امانت کی تنقیص مراد نہیں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ آپ کی صداقت کے افراد کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ اتنا وسیع ہے کہ اس کا احاطہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ آپ تمام عالم کے انسانوں اور جنوں کے لئے رسولؐ ہیں اور پچھلے انبیا علیہم السلام کا حلقہ محدود تھا۔

اے عرب کے بچو! تم بھی میرے رسولؐ کو دیکھو تاکہ کل جب تم ادھیڑ عمر میں محمد سے ظہور نبوّت دیکھو تو جھٹلا نہ سکو۔ اور اے

عرب کے جوانو! تم بھی میرے رسولؐ کو دیکھو تاکہ کل جب بوڑھے ہوکر اعلانِ نبوّت محمدؐ سے سنو تو انکار کی تمہیں کوئی گنجائش نہ رہے۔

اے عرب کے بچّو! جوانو اور بوڑھو! تم لوگوں نے چالیس برس تک میرے رسول کی صداقت اور امانت کو دیکھا، کہیں تم کو حرف رکھنے کی گنجائش بھی نہ ملی بلکہ تمہارے ہر فرد کی زبان سے میں نے اپنے رسول کے اخلاق حسنہ کو دکھلا کر یہ کہلوا لیا کہ ھٰذَا صَدُوْقٌ اَمِیْنٌ احمد صلی اللہ علیہ وسلم تو بڑے سچّے اور بڑے امانتدار ہیں۔

اے عرب کے بوڑھو! تم لوگ میرے رسولؐ کی عقل اور فہم کو عام انسانوں سے ممتاز پانے کے سبب اپنے معاملات میں میرے رسولؐ کو حَکَم بناتے ہو، اور ان کی صداقت اور امانت کی بنا پر ان کے فیصلہ پر بالاتفاق خوشی خوشی عمل کرتے رہے ہو، اور اے اہل عرب تم نے دیکھا ہے اور خوب دیکھا ہے کہ میرے رسولؐ نے کسی کے سامنے کتاب نہیں کھولی ہے، نہ کسی مکتب و مدرسہ میں قدم رکھا ہے۔ حق تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝	"آپ اس کتاب سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ کوئی کتاب آپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے کہ ایسی حالت میں یہ ناحق شناس لوگ کچھ شبہ نکالتے"

چالیس برس تک دکھانے کے بعد اب ہم اپنے رسولؐ کی رسالت اور نبوّت کا اعلان کرتے ہیں، اور جس فصاحت اور بلاغت پر اے عرب! تم نازاں ہو ہم اپنے اسی اُمّی یعنی اَن پڑھ رسولؐ سے تمہارا ناز

توڑیں گے ، کیونکہ اُس اُمّی رسول کا میں معلّم ہوں ۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ | "آپ کو رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی ہے"

رحمٰن کی تعلیم کے فیض سے میرا رسول رحمۃ للعالمین ہے ، اور میرے رحمۃ للعالمین کی تعلیم کے فیض سے میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ ہیں ، میری رحمت یہاں سے وہاں تک پھیل گئی ۔

اے عرب کے فصحاء اور بلغاء اور اے عرب کے زبان دانو ! تم کو ناز ہے کہ ہم اہل لسان ہیں ، آؤ میرے اس اُمّی رسول کے مقابلہ میں!

تو ندیدی گہے سلیماں را
چہ شناسی زبان مرغاں را
یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست
کتب خانۂ چند ملّت بشست

یہ وہ یتیم ہے کہ جس پر ابھی پورا قرآن نہیں اترا ہے ، لیکن تمام مذاہب سابقہ کی آسمانی کتابوں کو منسوخ کر دیا ، نہ اب توریت کے حکم پر عمل ہوگا ، نہ اب انجیل کے حکم پر عمل ہوگا ۔

حق تعالیٰ نے اعلان فرمادیا کہ اے اہل عرب :-

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا

(ترجمہ و تفسیر از بیان القرآن): "اور اگر تم لوگ کچھ خلجان میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے نازل فرمائی ہے اپنے

ہ جب تو نے کبھی سلیمان علیہ السلام کو نہیں دیکھا تو چڑیوں کی زبان کو کیا سمجھ سکتا ہے ۔

شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝

بندۂ خاص پر تو اچھا پھر تم بنا لاؤ ایک محمدؐ ٹکڑا جو اس کا ہم پلہ ہے (کیونکہ آج تم بھی عربی زبان داں ہو، بلکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تو مشاق بھی نہیں ہیں اور تم مشاق ہو، جب باوجود اس کے نہ بنا سکیں گے تو بشرط انصاف بلا تامل ثابت ہو جائے گا کہ یہ معجزہ منجانب اللہ ہے اور بلاشبہ آپؐ پیغمبر ہیں اور یہی مقصود تھا) اور بلا لو اپنے حمایتیوں کو جو خدا سے الگ خدا تجویز کر رکھے ہیں، اگر تم سچے ہو، پھر تم اگر یہ کام نہ کر سکے اور قیامت تک نہ کر سکو گے تو پھر ذرا بچتے رہیو دوزخ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں تیار ہوئی رکھی ہے کافروں کے واسطے"

فائدہ :- اور قیامت تک بھی نہ کر سکو گے، کیسا جوش و خروش اور پیچ و تاب نہ آیا ہوگا اور کوئی دقیقہ سعی کا کیوں اٹھا رکھا ہوگا، پھر عاجز ہو کر اپنا سا منہ لے کر بیٹھ رہنا قطعی دلیل ہے کہ قرآن مجید معجزہ ہے، اور یہ امر عادۃً محال ہے کہ کسی نے قرآن کے مقابلہ میں کچھ لکھا ہو اور گم ہو گیا ہو، کیونکہ قرآن مجید کے حامی ہر زمانہ میں کم رہے ہیں، جب یہ محفوظ چلا آتا ہے تو اس مخالفتِ تحریر کے حامی و مددگار تو قرآن کی مخالفت میں ہر زمانہ میں حامیانِ قرآن سے تعداد میں زائد ہی تھے، تو وہ تحریر کیسے ضائع ہو سکتی ہے۔ اس لئے یہ احتمال کہ کسی عرب کافر نے کسی آیتِ قرآنی کے مقابلہ میں کچھ لکھا ہوگا، اور وہ تحریر گم ہو گئی ہو بالکل لغو اور خلافِ عقل ہے (از بیان القرآن، پ۱)

چالیس برس کے بعد ظہورِ نبوّت میں بڑے اسرار ہیں جن کی پوری

خبر حق تعالیٰ ہی کو ہے، اس مقام کے مناسب ایک حکمت یہ بھی ہے کہ چالیس برس تک حق تعالیٰ شانہٗ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کا مشاہدہ کرایا اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (الآیہ) آپ خلق عظیم پر ہیں، عَلٰی آتا ہے استعلاء کے لئے، اسی لئے اردو میں عَلٰی کا ترجمہ پر سے کیا جاتا ہے، پس اس آیت کا یہ مفہوم ہوا کہ خلق عظیم ایک سواری ہے جس پر آپ شہسوار ہیں، جس طرف چاہتے ہیں ہر خلق کی باگ کو پھیر دیتے ہیں۔ یعنی تمام اخلاق حسنہ پر آپ کو ایسا راسوخ علی وجہ الکمال حاصل تھا کہ کوئی خلق سرِ مُو حدِ اعتدال سے جنبش نہیں کر سکتا تھا، کہ کیا مجال کہ سرِ مُو آگے بڑھ سکے یا پیچھے ہٹ سکے، جہاں چاہا وہیں سے باگ پھیر دی۔ اس آیت کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع تعریف حق تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ہے۔

اے اہل عرب! چالیس برس تک تم لوگوں نے اپنے معاملات میں میرے رسولؐ کی صداقت و امانت کا مشاہدہ اور تجربہ کیا ہے۔ جس کا مقتضا تو یہ تھا کہ میرے رسولؐ کے اعلانِ رسالت پر تمہارے دلوں میں کھٹک نہ ہونی چاہئے تھی، لیکن پھر بھی اگر کجروی سے انکار کرتے ہو تو قرآن کا معجزہ دیکھ کر ایمان لاؤ، کیونکہ جب قرآن کے مقابلہ سے تمام مخلوقات جن و انس عاجز ہیں اور قیامت تک عاجز رہیں گے، تو کھلی بات ہے کہ یہ خالق کا کلام ہے۔

ہر نبی کو وقتی معجزہ دیا جاتا تھا۔ کیونکہ ایک نبی کے بعد دوسرا نبی جب مبعوث ہوتا تھا تو اس آنے والے پیغمبر کو اس وقت کے مناسب دوسرا معجزہ عطا فرمایا جاتا تھا، لیکن چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

خاتم النّبیّین ہیں اس لئے آپ کو ایسا معجزہ دیا گیا جو قیامت تک باقی رہے گا۔ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ ۔ اور حق تعالیٰ نے اس کی حفاظت اپنے ذمہ لے لی ہے۔ چنانچہ رُوئے زمین پر کروڑہا انسانوں کے سینوں میں یہ قرآن مجید محفوظ رہتا ہے۔ پس قیامت تک یہ معجزہ قرآن کا ہر انسان پر حجت ہے کہ وہ عاجز ہو کر ایمان قبول کرے۔ حضرت عارفؒ فرماتے ہیں ؎

زہرہ نے کس را کہ یک حرفے ازاں
یا بدزد و یا فزاید در بیاں

ترجمہ:۔ "کسی کا پتہ نہیں کہ ایک حرف قرآن سے چرا سکے یا ایک حرف قرآن میں بڑھا سکے"

اور صاحب قصیدہ بردہ فرماتے ہیں ؎

دَامَتْ لَدَيْنَا فَفَاقَتْ كُلَّ مُعْجِزَةٍ
مِنَ النَّبِيِّيْنَ اِذْ جَاءَتْ وَلَمْ تَدُمِ

ترجمہ:۔ "قرآن کی آیات مبارکہ ہمارے پاس ہمیشہ رہیں گی، اس لئے یہ معجزہ اور انبیاء علیہم السّلام کے معجزوں سے فائق و برتر ہو گیا"

اور کیوں نہ ہو تا جب کہ آپ تمام نبیوں کے سردار ہیں تو آپ کا معجزہ بھی ایسا ہے جو تمام معجزوں کا سردار ہے۔

عجیب اللہ کی قدرت ہے کہ قرآن کے مقابلہ میں جو آیا وہ ایسا بدحواس اور از خود رفتہ ہوا کہ جو کچھ اس نے کہا وہ لُعبۂ اطفال بن گیا۔ چنانچہ مسیلمۂ کذّاب نے اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ کے مقابلہ میں کہا اَلْفِيْلُ مَا الْفِيْلُ عُنُقُهٗ قَصِيْرٌ وَذَنَبُهٗ

طَوِیْلٌ اور کہتا تھا کہ مجھ پر یہ وحی آئی ہے ، اس عبارت پر خود فصحاءِ عرب ہنس پڑے اور اس کی اس حرکت کا مذاق اڑایا گیا، بھلا یہ مضمون بھی کلامِ الٰہی ہو سکتا ہے کہ " ہاتھی کون ہاتھی جس کی سونڈ چھوٹی اور دُم لمبی ؟ استغفر اللہ۔

عرب کا فصیح اور بلیغ فرد ابن مقنع نامی شخص جو افصح العرب کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے ، چند آیات قرآنیہ کے مقابلہ میں اس نے بھی کچھ لکھا ، لیکن جب کسی قاری سے قرآن پاک کی یہ آیت سُنی :-

وَقِیْلَ یٰٓاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ وَغِیْضَ الْمَآءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ ۔	" اور حکم ہو گیا کہ اے زمین اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان تھم جا، اور پانی گھٹ گیا اور قصہ ختم ہوا "

اس آیت کا تعلق واقعۂ طوفان حضرت نوح علیہ السلام سے ہے ، ابن مقنع افصح العرب اس آیت کو سُن کر نادم ہو گیا ، اور شرمندگی کے ساتھ اقرار کیا کہ بخدا قرآن کی فصاحت کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

ایک اَن پڑھ رسولؐ کی زبان سے قرآن کے کلمات کی فصاحت و بلاغت سُن کر عرب کے زبان دانوں کی آنکھیں کھل گئیں ، کہ اللہ اکبر یہ فصاحت و بلاغت ایک اُمّی کی زبان سے اور پھر مضامین کیسے کیسے ہیں ، یہ ایسے اَن پڑھ رسولؐ ہیں کہ علماءِ یہود کو توریت کی باتیں سُنا کر یہودیوں کو حیرت میں ڈال رہے ہیں ، یہ ایسے ان پڑھ رسولؐ ہیں کہ انجیل کی باتیں سُنا کر نصاریٰ کو مبہوت کر رہے ہیں ، یہ ایسے ان پڑھ رسول ہیں کہ صحفِ موسیٰ و صحفِ ابراہیم کی باتیں سنا رہے ہیں ، ایک ان پڑھ

رسولؐ کی زبان سے میاں نے اپنی بولی بول کر تمام علماء یہود و نصاریٰ کا علمی پندار اور سارے عرب کا زبان دانی کا ناز خاک میں ملا دیا، اور معجزے کا مقصد بھی یہی ہے کہ جب اس کے مقابلہ سے ساری مخلوق عاجز ہو تو اس کو خالق کی طرف سے جان کر اپنے خالق پر ایمان لے آئے۔

اسی کو حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

صد ہزاراں دفتر اشعار بود
پیش حرف امّیش آں عار بود

ترجمہ :۔ "فصحاء عرب کے پاس فصیح اور بلیغ اشعار کے لاکھوں دفتر موجود تھے، لیکن اس اُمّی رسول کے ایک حرف کے سامنے تمام دفتر کے دفتر اشعار کے ذخیرے شرمندہ ہو کر رہ گئے۔"

انبیاء علیہم السّلام کے معجزات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے خالق اور پروردگار عالم ہونے کا یقین کرنا عقلاً ضروری ہے۔ یعنی جب پیغمبروں کے معجزوں کے مقابلہ سے تمام مخلوقات انفراداً اور اجتماعاً عاجز ہیں، تو عقل یہ کہتی ہے کہ ضرور کوئی ایسی ذات ہے جو اِن مخلوقات پر غالب اور قادر اور حکمران ہے۔ اور یہ رسولؐ صورت میں بشر ہے مگر عام انسانوں سے ممتاز ہے۔ یہ مثلیت ایسی ہے جیسے کہ ایک گلاس سڑی مٹی کا بنا ہوا اور ایک گلاس چاندی کا بنا ہوا، اور اسی سانچہ کا ایک گلاس تمام انمول جواہرات کو گلا کر ڈھال دیا گیا ہو تو وہ سڑی مٹی سے بنا ہوا گلاس اگر یہ کہے کہ یہ جواہرات سے ڈھلا ہوا گلاس بھی ہماری طرح ایک گلاس ہے تو انتہائی بے وقوفی کی بات

ہو گی، سڑی مٹی والا گلاس ذرا اپنے دام بازار میں لگوالے، اور پھر اس انمول جواہرات والے گلاس کے دام لگوالے، اُس کو تو دو پیسے دام ملیں گے اور اس گلاس کی قیمت سلطان وقت بھی نہیں دے سکتا ؎

گر بصورت آدمی انساں بُدے
احمدؐ و بو جہل ہم یکساں بُدے

پس عام انسانوں میں اور رسولؐ میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ نبی کا خمیر نورانی ہوتا ہے، حق تعالیٰ اپنے خاص انوار کو بشریت کے سانچے میں ڈھال دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اندر معصیت کا تقاضا اور داعیہ تک نہیں ہوتا، معصوم فطرت پر مبعوث ہوتے، اور ولی کے اندر تقاضا گناہ کا ہوتا ہے، لیکن تقاضائے معصیت پر عمل کرنے سے اس کو محفوظ رکھا جاتا ہے، اگر وہ واقعی ولی ہے۔

انبیاء علیہم السلام اپنی نورانی فطرت اور نورانی خمیر ہی کے سبب نورِ وحی الٰہی کا تحمل کر لیتے ہیں چونکہ علم الٰہی میں وہ پہلے سے منتخب ہوتے ہیں، اس لئے ان کی آفرینش کے وقت ہی سے ان کی خصوصی تربیت ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ سرکاری اور درباری لوگ ہیں ان پر میاں کی نظر دوسری ہوتی ہے۔ پیغمبروں کو جنسِ بشر سے مبعوث فرمانے کی مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ایک حکمت بیان فرماتے ہیں ؎

زاں بود جنسِ بشر پیغمبراں
تا بجنسیت رہند از ناو داں

یعنی اس واسطے بشر کی جنس سے پیغمبروں کو بھیجتے ہیں تاکہ جنسیت کے سبب دوسرے انسان نادان کفر و شرک سے نکل آئیں، کیونکہ اپنے ہمجنس کی طرف مائل ہونا ایک فطری امر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر عام فہم تقریر

دلیل اوّل:۔ بفرض محال ایک خدا کی بجائے اگر متعدد خدا مثلاً دو تسلیم کر لئے جاویں تو اب یہ سوال ہوگا کہ یہ دونوں خدا اپنے اپنے ارادوں پر قادر مطلق ہوں گے یا نہیں، اگر نہیں تو خدا کا غیر قادر ہونا لازم آتا ہے جو محال ہے۔ اور اگر دونوں قادر ہیں تو مثلاً ایک خدا نے زید کو پیدا کرنا چاہا اور دوسرے خدا نے زید کو نہ پیدا کرنا چاہا اور دونوں صاحب قدرت ہیں۔ پس نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں خداؤں میں جنگ چھڑ جائے گی اور زمین و آسمان سب تباہ و برباد ہو جاویں گے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا

"اگر آسمان اور زمین میں دو معبود یعنی خدا ہوتے تو زمین اور آسمان دونوں درہم برہم ہو جاتے"۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ دونوں خدا آپس میں صلح اور مشورہ سے کام کر لیا کریں تو یہ فساد نہ عارض ہو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس صلح و مشورہ کی احتیاج اور ضرورت خدا کے لئے کیوں پڑی، صلح تو اسی وقت کی جاتی ہے جب کوئی اپنے مخالف پر غلبہ پانے سے مجبور اور عاجز ہو جاتا ہے، اور عاجز ہونا یا محتاج ہونا خدا کی شان کے خلاف ہے، پس یہ بات ثابت ہوئی کہ متعدد خدا کا ہونا عقلاً محال ہے۔

دلیل ثانی :- اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر متعدد خدا ہوتے تو جس وقت ہر زمانہ میں انبیاء علیہم السّلام ایک خدا ہونے کا اعلان کرتے ہیں اور ان کے معجزوں کے مقابلے سے ساری مخلوق انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے عاجز ہوتی ہے اس وقت اگر کوئی اور خدا موجود ہوتا تو اس رسول کے مقابلہ میں اپنی قدرت کو ضرور استعمال کرتا، کیونکہ اس صورت میں اس دوسرے خدا کی سخت توہین ہے۔ بلکہ جڑ ہی سے اس کی خدائی کا پتّہ کٹ جاتا ہے۔ پس اس وقت میں پورے غیظ و غضب کے ساتھ وہ دوسرا خدا پیغمبرِ توحید کو اعلانِ جنگ کرتا، لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا، کہ معجزۂ رسول کے مقابلہ میں کسی جھوٹے خدا نے کبھی فتح پائی ہو، اسی کو حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

صد ہزاراں نیزۂ فرعون را
در شکست آں موسیٰ با یک عصا
صد ہزاراں طبِّ جالینوس بود
پیشِ عیسیٰ و دمش افسوس بود
صد ہزاراں دفترِ اشعار بود
پیشِ حرفِ اُمّیش آں عار بود

آج بھی قرآن کا معجزہ موجود ہے، اور قیامت تک موجود رہے گا، قرآن کا جس وقت اعلان ہوا کہ لاؤ اس کلام کے مثل ایک محدود ٹکڑا اور اپنے حمائتیوں کو بھی جمع کرلو اور قیامت تک تم ایسا نہ کرسکو گے ظاہر ہے کہ یہ مواقع ایسے نہیں تھے کہ دوسرا خدا باوجود قدرت کاملہ کے خاموش رہتا، اس وقت میں ایسی لاگ پیدا ہوجاتی کہ ایڑی چوٹی

کا زور لگا دیتا، کیونکہ توحید کا اعلان تمام باطل معبودوں کے لئے اعلان جنگ ہے۔ پس قرآن کا مثل کسی کا نہ لاسکنا اللہ تعالیٰ کے وجود پاک کی اور وحدانیت کی اور رسالت کی کھلی دلیل ہے۔

حق تعالیٰ کے تصرّفاتِ عجیبہ

نیز رُوئے زمین پر حق تعالیٰ شانہٗ کے تصرّفاتِ عجیبہ اور ان کی نشانیاں اتنی پھیلی پڑی ہیں کہ ہم ان کا احاطہ و شمار نہیں کر سکتے ہیں، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ	"اور یقین لانیوالوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں اور خود تمہاری ذات میں بھی تو تم کو دکھائی نہیں دیتا؟

* * * * * * * *

اندھے ہو، کیا سوجھائی نہیں دیتا، کہ اتنا بڑا انسانی پیکر لئے ہوئے چلتے پھرتے اور بولتے ہو۔ کون تم کو چلاتا پھراتا اور بلاتا ہے۔ انسان اتنا بڑا اپنا وجود لئے ہوئے جو چلتا پھرتا اور بولتا ہے تو یہ خود مجسم، حق تعالیٰ کے وجود کی دلیل ہے۔ کیونکہ مٹی کا چلنا پھرنا، کلام کرنا، عجیب قدرت کی نشانی ہے۔

انسان جو غذائیں استعمال کرتا ہے تو ہر لقمہ میں جسم کے ہر ہر عضو کی غذا مخلوط ہوتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اس لقمہ میں جہاں جہاں کی غذائیں ہوتی ہیں وہاں وہاں ان کو پہنچاتے ہیں۔ کیا مجال کہ آنکھوں کی غذا کانوں میں پہنچ جائے، یا کانوں کی آنکھوں میں پہنچ جائے۔ آنکھوں کی بینائی بننے والی غذا کو آنکھوں میں، کانوں

کی قوتِ سماعت بننے والی غذا کو کانوں میں، قوتِ ذائقہ اور قوتِ گویائی بننے والی غذا کو زبان میں، سونگھنے کی قوت بننے والی غذا کو ناک میں، عقل اور فہم بننے والی غذا کو دماغ میں۔

الغرض جہاں کی جو غذا ہوتی ہے حق تعالیٰ اپنی قدرت سے اس کو وہیں پہنچاتے ہیں، مجال نہیں کہ سرِ مُو اس میں فرق ہو جائے۔ مثلاً بینائی والی غذا کان میں پہنچ جائے اور کان دیکھنے لگے۔ اور سماعت والی غذا آنکھوں میں آجائے، اور آنکھیں سننے لگیں، اسی طرح سونگھنے کی قوت بننے والی غذا ناک میں پہنچکر قوت شامّہ بن جائے۔ یہ خدائی حد بندی ہے جس کو ہم خدائی چک بندی کہتے ہیں۔ کتنا بڑا کارخانہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر رکھا ہے، انسان صرف اپنے اندر ہی اگر غور کرے تو اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لئے خود اپنے وجود کو بہت بڑی نشانی پائے گا۔

یہ حق تعالیٰ ہی کی قدرت ہے کہ اتنے بڑے انسان کو منی کی ایک بوند میں اس طرح سمو دیتے ہیں کہ ماں باپ کا نقشہ ان کی چال ڈھال ان کے لب و لہجہ کی کیفیت تک جنین میں آجاتی ہے، عجیب اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے اور عجیب اُن کا تصرف ہے کہ ایک بوند منی میں انسان کی اتنی بڑی کمیت، کیفیت، مثلیت سمو دیتے ہیں۔

"سمندر سما یو بند ماں اچرج بڑو دکھائے"

اکبر الٰہ آبادی خوب فرماتے ہیں ؎

مری ہستی ہے خود شاہد وجودِ ذاتِ باری کی
دلیل ایسی ہے یہ جو عمر بھر رد ہو نہیں سکتی

نور اور ظلمت دو متضاد چیزیں ہیں، اور عادتاً دو متضاد چیزوں کا جمع ہونا محال ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت عجیبہ نے آنکھوں کی سیاہی میں بینائی کی روشنی کا خزانہ رکھ دیا ہے ؎

درج در خوفے ھزاراں ایمنی
در سوادِ چشم چندیں روشنی

ترجمہ:۔ خوف کے اندر ہزاروں امن درج ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَیْبِ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ کَبِیْرٌ "بیشک جو لوگ اپنے رب سے بے دیکھے ڈرتے ہیں اُن کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے"

ہر کہ ترسد از حق و تقوی گزید
ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید

جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اور پرہیزگاری اختیار کرتا ہے اس سے تمام جن و انس اور جو بھی اس متقی کو دیکھے سب ڈرتے ہیں۔

پس ایک خوف اللہ تعالیٰ کا دونوں جہان کا امن اپنے اندر لئے ہوئے ہے، حالانکہ خوف اور امن دو متضاد چیزیں ہیں، اور اجتماع ضدّین عقلاً محال ہے، اسی طرح نور اور تاریکی اگرچہ دو متضاد چیزیں ہیں، لیکن حق تعالیٰ کی عجیب قدرت اور ان کا عجیب تصرّف ہے کہ خوف میں امن اور آنکھ کی سیاہی میں نور کو جمع فرما دیتے ہیں۔

پیپل کا درخت کس قدر قد و قامت رکھتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ اتنے عظیم القامت درخت کو اس کے ننھے سے بیج میں سمو دیتے ہیں۔ چنانچہ جب اس کے بیج کو زمین میں حق تعالیٰ نشو و نما

دیتے ہیں تو اسی ننھے سے بیج کے پیٹ سے اس کی تمام جڑیں، تنہ، شاخیں، پتے پھول پھل سب کے سب خارج میں موجود ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح لوہا اور پتھر باہر سے تاریک و بے نور ہے، لیکن ان کے اندر حق تعالیٰ کی قدرت نے روشنی اور آگ رکھ دی ہے، چنانچہ چقماق جو ایک قسم کا پتھر ہے، اس سے آگ کا نکلنا ظاہر ہے، اور حق تعالیٰ کی عجیب قدرت اور ان کا عجیب تصرف نجاستوں کو سبب آرائش اور سبزہ زار کر دیتا ہے، چنانچہ ان کے کرم کا آفتاب نجاستوں پر اپنی شعاعیں ڈالتا ہے اور آفتاب کے نور کو اس نجاست سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا ہے۔

من نگردم پاک از تسبیح شاں
پاک ہم ایشاں شوند دُرِّ فشاں

میں اپنے بندوں کی پاکی بیان کرنے سے پاک نہیں ہوتا ہوں، میں تو ازلی ابدی پاک ذات ہوں، البتہ یہ میرے گناہگار بندے میری پاکی بیان کرنے سے گناہوں کی آلائش اور گندگی سے پاک ہو جاتے ہیں۔ پس آفتاب کی روشنی اور حرارت نجاستوں کے بعض حصے کو خشک کر کے اس کو ایندھن کے قابل بنا دیتی ہے، اور وہی خشک شدہ نجاست حمام کے چولھے میں جب داخل ہوتی ہے، تو حمام کے در و دیوار میں اپنی روشنی کا عکس ڈالتی ہے، چنانچہ ظاہر ہے کہ حمام میں لکڑی اور خشک شدہ سرگین یعنی گوبر وغیرہ جلنے کے وقت خود بھی صاحب نور ہوتا ہے، اور حمام کے در و دیوار کو بھی اس پر عکس پڑنے سے منور کرتا ہے، پس وہی نجاست جو آلائش تھی، آفتاب کے نور نے

اس کو آرائش اور روشنی سے تبدیل کر دیا۔

اور نجاستوں کے بعض حصوں پر آفتاب کا دوسرے قسم کا فیض پہنچتا ہے، وہ یہ کہ آفتاب کی حرارت زمین کو گرم کر دیتی ہے جس کے سبب زمین اپنے اندر نجاستوں کو جذب کر لیتی ہے، اور جس طرح معدہ کی گرمی سے کھانا ہضم ہو کر جزوِ بدن ہو جاتا ہے، اسی طرح وہ نجاست گرمیٔ زمین سے زمین کا جزء ہو جاتی ہے۔ اور زمین کی قوت کو بڑھا دیتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کام خود زمین نہ کر سکتی تھی، کیونکہ زمین کا مزاج بارد ہے اور برودت کے اندر کسی شے کو تبدیل کرنے کا خاصہ نہیں ہوتا، بلکہ برودت تو محافظِ صورت ہوتی ہے، چنانچہ برف میں گوشت تک نہیں بگڑتا، پس زمین کا اپنے اندر نجاستوں کو اپنی طرح جزء خاکی بنا کر جذب کرنا آفتاب کی حرارت کے فیض سے ہے، اور حق تعالیٰ زمین کی اس جذب کردہ نجاستوں سے طرح طرح کے پھل پھول پیدا فرماتے ہیں، اسی کو حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

می نہ جوید لطف عام تو سند
آفتابے برحدثہا می زند

اے اللہ آپ کا لطف عام قابلیت نہیں ڈھونڈھتا ہے، بلکہ آپ کا کرم آفتاب کی طرح نجاستوں پر بھی اثر کرتا ہے۔

تا حدث در گلخنے شد نور یافت
بر در و دیوار حمامے بتافت

یہاں تک کہ وہ نجاست خشک ہو کر چولھے میں پہنچ کر روشن ہو گئی، اور حمام کے در و دیوار پر تاباں ہو گئی۔

شمس ہم معدہ زمیں را گرم کرد
تا زمیں باقی حد شہا را بخورد

آفتاب نے نیز معدۂ زمین کو گرم کر دیا، یہاں تک کہ زمین باقی نجاستوں کو کھا گئی۔

جزو خاکی گشت درست از وے نبات
ھٰکَذَا یَمْحُو الْاِلٰہُ السَّیِّئَات

پھر وہ نجاست جب خاک کا جزو ہو گئی تو اس سے نباتات اگیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ سیئات کو محو فرما کر حسنات سے تبدیل فرما دیتے ہیں۔

جزو خاکی گشت از وے بارشاد
ھٰکَذَا یَرْحَمُ اِلٰہٌ لِّلْعِبَاد

"جزو خاکی آفتاب کے فیض سے باسامان ہو گیا، یعنی سبزہ زار بن کر پھل پھول والا ہو گیا، اسی طرح حق تعالیٰ بندوں پر رحم فرماتا ہے"

چوں خبیثاں را چنیں خلعت دھد
طیبیں را تا چہ بخشد در رسد

جب خبیثوں کو ایسی خلعت دیتے ہیں تو طیبین بندوں کو تو کیا کچھ بخش دیں گے حصہ میں۔

آں دھد حق شاں کہ لا عین رات
کاں نگنجد در زبان و در لغت

حق تعالیٰ طیبین کو وہ دیں گے جو آنکھ نے نہیں دیکھا اور جو کہ زبان اور لغات میں نہیں سما سکتا۔ دوسری جگہ حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں:۔

اور انہی تصرفاتِ عجیبہ سے یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ نے خواب کے اندر بیداری کو رکھ دیا ہے، آدمی سو رہا ہے، اور خواب میں بیداری کی طرح عجیب عجیب باتیں دیکھ رہا ہے، اسی طرح عاشقی کے اندر معشوقی رکھ دی ہے۔ یعنی حق تعالیٰ کا جو محب ہو جاتا ہے وہ حق تعالےٰ کا محبوب بھی ہو جاتا ہے، اور اے اللہ آپ کی عجیب قدرت ہے کہ عزت اور خواجگی کو آپ ذلّتِ فقر میں پنہاں کر دیتے ہیں، چنانچہ اکثر اہل اللہ شکستہ حال گدڑی پوش ہیں مگر بڑے بڑے امراء اور حکام ان کی جوتی سیدھی کرنے کے متمنی رہتے ہیں، اور اشارہ اس حدیث کی طرف ہے، وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰہِ اِلَّا رَفَعَہُ اللّٰہُ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو تواضع اختیار کرتا ہے اللہ کے لئے، اس کو اللہ تعالیٰ عزت اور سربلندی عطا فرما دیتے ہیں، حالانکہ وضع اور رفع دونوں دو متضاد چیزیں ہیں۔ مگر حق تعالےٰ کی قدرت نے وضع کے اندر رفع کی شان رکھ دی ؎

خواجگی پنہاں کنی در ذلِّ فقر
طوق دولت بستہ اندر غلِّ فقر

خواجگی کو آپ ذلّت فقر میں پنہاں کر دیتے ہیں، اور آپ نے طوق دولت کو باندھ رکھا ہے طوق فقر میں، چنانچہ اللہ کے لئے جس کسی نے فقر اختیار کیا اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسی باطنی دولت عطا فرمائی کہ ہفت اقلیم کی سلطنت بھی اس کے سامنے گرد ہے نیز کتنے سلاطین ایسے گذرے ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی محبت اور ان کی یاد کے لطف میں تخت و تاج کو خیرباد کہہ کر فقر کا راستہ اختیار کر لیا۔

مولانا الٰہی بخش صاحب خاتم مثنوی فرماتے ہیں ؎

نام تو چوں بر زبانم میرود
ہر بُنِ مو از عسل جوئے شود

" اے اللہ آپ کا نام پاک جب زبان سے نکلتا ہے تو ہر بُنِ مُو سے شہد کی نہر جاری ہو جاتی ہے۔ اللہ کی محبت کا مزہ اللہ والوں سے پوچھو اَلرَّحْمٰنُ فَاسْئَلْ بِهٖ خَبِیْرًا " رحمٰن کی شان کو ان کے باخبر بندوں سے پوچھو ؎

دید لیلےٰ کے لئے دیدۂ مجنوں ہے ضرور
میری آنکھوں سے کوئی دیکھے تماشہ تیرا

جب خلیفۂ وقت نے لیلیٰ سے کہا کہ اے لیلیٰ تیرے اندر کیا خوبی ہے کہ مجنوں تجھ پر اس طرح قربان ہے۔

از دگر خوباں تو افزوں نیستی
گفت خامش چوں تو مجنوں نیستی (رومی)

دوسرے حسینوں سے تیرے اندر کوئی امتیازی شان تو نہیں معلوم ہوتی۔ لیلےٰ نے خلیفۂ وقت کو ڈانٹ کر کہا خاموش رہ اس واسطے کہ تو مجنوں نہیں ہے۔

دیدۂ مجنوں اگر بودے ترا
ہر دو عالم بے خطر بودے ترا (رُومی)

اگر مجنوں کی آنکھ تجھے نصیب ہوتی تو ہر دو عالم تیرے لئے بے خطر ہوتے۔

اللہ اللہ اسم ذاتِ پاک دوست
اسم اعظم از برائے قرب اوست

خاتم مثنوی فرماتے ہیں کہ اللہ اللہ ذات پاک دوست کا نام پاک دوست کے قرب کے لئے اسم اعظم کا اثر رکھتا ہے۔

اللہ اللہ مستم از نام خدا
می چکد از ہر رگم راوق جدا

اللہ اللہ میں نام پاک اللہ سے مست ہوں میری ہر رگ سے ایک خاص الگ مستی ٹپک رہی ہے۔

اللہ اللہ گو برو تا سقف عرش
پیش معراج تو گردد چرخ فرش

اللہ اللہ کا خوب ذکر کر اور اس ذکر پاک کی برکت سے عرش تک چلا جا، اس نام پاک کی برکت سے تیری ترقیِ سیر الی اللہ کے سامنے یہ آسمان فرش بن جائے گا۔

اور حق تعالیٰ کا عجیب تصرف ہے کہ شاخ اور برگ کے اندر سے میٹھے میٹھے پھل پیدا فرماتے ہیں، حالانکہ شاخ اور برگ میٹھے نہیں ہیں، اور ان کی قدرت کاملہ ہے کہ شہداء کی موت میں حیات جاوداں رکھدی ہے۔

میوۂ شیریں نہاں در شاخ و برگ
زندگیٔ جاوداں در زیر مرگ

ترجمہ:۔" میوۂ شیریں نہاں ہیں شاخ اور برگ میں، اور زندگیِ جاودانی موت کے تحت میں ہے۔

* * *

شہداء کی حیات

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ (بقرہ، پ۲)

" اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل گئے جاتے ہیں انکی نسبت یہ مت کہو کہ وہ مُردے ہیں بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں لیکن تم حواس سے ادراک نہیں کر سکتے "

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

ہماری راہ میں ہمارے بندوں نے شدّتِ محبّت میں اپنی جانیں قربان کی ہیں، انکی سرگرمیِ محبت کو ہم جانتے ہیں وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ جو لوگ ایمان لائے ہیں، یعنی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم وہ ہماری محبت میں نہایت سرگرم ہیں، ایسے سرگرم ہیں کہ جان جیسی عزیز چیز کو ہمارے لئے قربان کر دیتے ہیں، چنانچہ جس صحابی کو زخم کاری لگ جاتا تو وہ فرطِ مسرّت سے کہتا تھا، فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوا یعنی شہید ہونے کی امید غالب ہوگئی ہے، یہ مستی وہ مستی ہے جو اللہ کی محبت سے پیدا ہوتی ہے، شراب کی مستی کیا ہے کہ پیشاب پی لیا اور بے ہوش پڑے ہیں عقل زائل ہوگئی، اور مستیِ حق ایسی مستی ہے کہ وہ عقل کو اور نورانی کر دیتی ہے۔

پیرِ ما سِرِّ عالمِ مستی۔ بادلِ ہوشیار می آید

۔ ہمارا پیر عالمِ مستی کے بھید کو ہوشیار دل سے بیان کرتا ہے

شہیدِ محبتِ الٰہیہ کی قدردانی

حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کی اس سرگرمیِ محبت کی کیا قدردانی فرمائی ہے، فرماتے ہیں خبردار جنھوں نے ہماری راہ میں جانوں کو قربان کیا ہے ان کو مُردہ مت کہنا کہ ہمارے عاشقوں کی توہین ہے۔

اور چوتھے پارے میں حق تعالیٰ نے اور تاکید فرمادی کہ خبردار شہیدوں کو مردہ کہنا تو درکنار اس کا گمان بھی دل میں نہ پیدا ہو، یعنی ایسا ہو سکتا ہے کہ تم اپنی زبانوں سے تو مُردہ نہ کہو لیکن دل میں ایسے خیالات لاؤ اور زبان سے کچھ نہ کہو تو مزید تاکید کے لئے اس گمان کا بھی قلع قمع فرمادیا، اللہ اکبر، کس قدر اپنے شہداء کا احترام میاں کو ملحوظ خاطر ہے، ارشاد فرماتے ہیں:۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ط

(پ ۴)

" اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں، ان کو رزق بھی ملتا ہے وہ خوش ہیں اس چیز سے جو اُن کو اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے "

خیال اور گمان کا بھی حق تعالیٰ نے راستہ بند کر دیا، میری راہ کے مقتولین یعنی شہداء کو مردہ نہ کہو اور فقط اتنا ہی نہیں کہ زبان سے نہ کہو بلکہ دل میں خیال تک نہ لانا کہ یہ مر گئے، کس ذات پاک پر جان کو قربان کیا ہے، یہ تو سوچو وہ ایسے باقی ہیں کہ جن کے خزانے

میں فانی بھی پہنچ کر باقی ہو جاتا ہے۔

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ۔	"جو کچھ تمہارے پاس ہے سب فنا ہونے والا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے"

* * * * * *

پس جب ان عاشقین صادقین نے اپنے جسم اور جان کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا تو اب ان کی مخصوص رحمت کی تربیت میں پہنچ گئے، اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، يُرْزَقُوْنَ، اور "میاں کے ہاتھ سے کھلائے پلائے جاتے ہیں" یہ مجہول کا صیغہ عجیب رحمت اور شفقت لئے ہوئے ہے، فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ "اور یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں سے بہت خوش ہیں"

آگے ارشاد فرماتے ہیں :-

وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ط	"اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتے"

سرگرمیِ عشق

اللہ تعالیٰ کی محبت کی سرگرمیاں حضرات صحابہؓ کے اندر قابلِ دید ہیں، ایسی شدت تھی محبت میں کہ ہر صحابی بزبانِ حال یہ کہہ رہا تھا ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

حضرت عارفؒ ایک عاشقِ صادق کی طرف سے فرماتے ہیں ؎

اُقْتُلُوْنِیْ اُقْتُلُوْنِیْ اَیُّ ثِقَات
اِنَّ فِیْ قَتْلِیْ حَیَاۃً فِیْ حَیَات

" اے ثقات مجھ کو تم لوگ قتل کر دو اور ضرور قتل کر دو، بے شک میرے مقتول ہونے میں حیات ہی حیات ہے "

آزمودم مرگِ من در زندگی،
چوں رہم زیں زندگی پائندگی

" میں نے تجربہ کر لیا کہ میرا زندہ رہنا ہی میری موت ہے، جب میں اس زندگی سے خلاصی پا جاؤں گا تو حیاتِ جاودانی نصیب ہو جائے گی "

گر بریزد خونِ من آں دوست رو
پائی کو باں جاں برافشانم برو

" اگر وہ محبوب میرا خون بہانے کے لئے تیار ہو تو میں دوڑ کر اس کے رو برو اپنی جان کو نذر جان کر دوں "

کسی نے اردو میں خوب کہا ہے ؎

مجاہدانِ صف شکن بڑھے جو نذرِ جاں لئے
بڑھی ادھر سے موت بھی حیاتِ جاوداں لئے

یہ حضرات اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسے سچے جاں باز اور مخلص بندے ہیں جن کی محبت کی شدت اور سرگرمی کو حق تعالیٰ اس عنوان سے ارشاد فرماتے ہیں :-

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ | (تفسیر و ترجمہ از بیان القرآن) یعنی

اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۝ (پ۴)	یہ حضرات اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسے مخلص لوگ ہیں کہ بعض لوگوں نے (یعنی عبدالقیس والوں نے) ان سے آکر کہا کہ ان لوگوں (یعنی اہل مکہ) نے تمہارے مقابلہ کے لئے بڑا سامان جمع کیا ہے، سو تم کو اندیشہ کرنا چاہئے تو اس خبر نے ان کے جوشِ ایمان کو اور زیادہ کر دیا اور نہایت استقلال سے

یہ کہہ کر بات کو ختم کر دیا کہ ہم کو حق تعالیٰ سب مہمات میں کافی ہیں اور وہی سب کام سپرد کرنے کے لئے بہتر کارساز ہیں۔ یہی سپرد کرنا توکل ہے، پس یہ لوگ خدا کی نعمت اور اس کے فضل سے یعنی ثواب اور نفعِ تجارت سے بھرے ہوئے واپس آئے کہ ان کو کوئی ناگواری ذرا پیش نہیں آئی، اور وہ لوگ اس واقعہ میں رضاءِ حق کے تابع رہے، اسی کی بدولت مجموع نعم سے سرفراز ہوئے، اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل والا ہے۔

سبحان اللہ، کیا اپنے اللہ پر بھروسہ ہے، اور کیا اللہ کی محبت میں سرگرمی ہے کہ دشمنوں کی تیاری کی خبر سے ذرا بھی ہراساں نہ ہوئے اور ہر صحابی بزبانِ حال یہ کہہ اٹھا کما قال العارف الرومیؒ فی ھذا المقام حکایۃ عن العاشق الصادق ؎

تو مکن تہدیدم از کشتن کہ من
تشنۂ زارم بخونِ خویشتن،

ترجمہ:- اے مخاطب تو مجھے قتل ہونے سے مت خوف دلا، کیونکہ میں تو خود ہی اپنے

خون کا سخت پیاسا ہوں "

بر سرِ مقطوع اگر صد خندق است
پیشِ دردِ من مزاحِ مطلق است

ترجمہ :- سر بریدۂ عشقِ حق کے سامنے اگر سو خندق بھی ہیں تو دردِ عشق کے سامنے وہ سب محض مذاق کی حیثیت رکھتی ہیں "

دینِ من از عشق زندہ بودن است
زندگی زیں جان و سر ننگ من است

ترجمہ :- "میرا دین عشق سے زندہ رہنا ہے ، اس جان و سر سے جینا میرے لئے ننگ ہے ، یعنی مجھے یہ ظاہری زندگی نہ چاہئے معنوی زندگی چاہئے "

تیغ جانہا را کند پاک از عیوب
زانکہ سیف افتاد محاء الذنوب

ترجمہ :- " تیغ جانوں کو عیوب سے پاک کر دیتی ہے کیونکہ سیف گناہوں کو محو کر دینے والی ہے "

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ ، " موت ایک پُل ہے جو بندۂ محب کو محبوب حقیقی سے واصل کر دیتا ہے " یہودیوں نے جب دعویٰ کیا کہ ہم لوگ اولیاء اللہ ہیں تو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگ اس قول میں سچے ہو تو موت کی تمنا کر دو۔

قُلْ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝

" آپ کہہ دیجئے کہ اے یہودیو اگر تمہارا دعویٰ ہے تم بلا شرکت غیرے اللہ تعالیٰ کے مقبول ہو تو تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو "

پھر حق تعالیٰ نے یہ بھی خبر دی کہ اور وہ کبھی اس کی تمنا نہ کریں گے بوجہ ان اعمال کے جو اپنے ہاتھوں سے سمیٹے ہیں اور اللہ کو خوب اطلاع ہے ان ظالموں کی۔

موت سے طبعی وحشت مُضر نہیں

اس مقام پر حضرت مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات یاد پڑی ارشاد فرمایا کہ موت سے طبعی گھبراہٹ کا ہونا ایمان کے منافی نہیں ہے، یہودیوں کو موت سے اعتقادی اور عقلی وحشت تھی، اور ایمان والوں کو جو کچھ موت سے گھبراہٹ ہوتی ہے وہ اعتقادی اور عقلی نہیں ہوتی۔

البتہ جب اللہ اور رسول کی محبت میں شدّت پیدا ہو جاتی ہے تو ایمان کے اس کامل درجہ میں موت کی تمنا درجۂ حال میں پیدا ہو جاتی ہے، اور بندۂ جہاد کا متمنی ہو جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ کی دُعا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتے ہیں:۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ وَاجْعَلْ قَبْرِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِکَ۔	"اے اللہ اپنی راہ میں مجھے شہادت نصیب فرمائیے اور میری قبر اپنے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں بنا دیجئے۔"

حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو مومن اپنے دل میں جہاد کی کسی درجہ میں تمنا نہیں رکھتا اس کا خاتمہ نفاق کے ساتھ ہوتا ہے یا اس کے دل

میں نفاق کا داغ ہوتا ہے۔

بیانِ عشقِ حقیقی

ولنعم ما قال العارف الرومیؒ

حلق کاں نبود سزائے ایں شراب
آں بریدہ بہ بشمشیرِ ضراب

ترجمہ:۔ "جو حلق کہ اس شرابِ محبت حق کے لائق نہ ہو وہ شمشیر قتال سے کٹا ہوا اچھا ہے، یعنی ایسے حلق کا نہ رہنا ہی اچھا ہے۔"

دیدہ کو نبود زوصلش زرفرہ
آنچناں دیدہ سفید و کور بہ

ترجمہ:۔ "جو آنکھ اس محبوب حقیقی کے وصل سے یعنی قرب سے تازہ نہ ہو ایسی آنکھ کا سفید اور کور ہونا بہتر ہے۔"

گوش کاں نبود سزائے رازِ او
برکنش کہ نبود آں بر سر نکو

ترجمہ:۔ "جو کان اس کے راز کے لائق نہ ہو اس کو اکھاڑ ڈال کہ وہ سر پہ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔"

اندر آں دستے کہ نبود آں نصاب
آں شکستہ بہ بسا طور قصاب

حس ہاتھ میں محبوب حقیقی کا متاعِ وصل یعنی متاعِ قرب نہ ہو وہ قصاب کے چھرے سے شکستہ اچھا ہے۔

آں چناں پائے کہ از رفتارِ او
جاں نہ پیوندد بہ نرگس زارِ او

ترجمہ :- "جس پاؤں کی رفتار سے محب کی جان محبوب حقیقی سے نہ مل جاوے"

آں چناں پادر حدید اولیٰ ترست
کانچناں پا عاقبت دردِ سراست

ترجمہ :- "ایسا نامبارک پاؤں آہن میں ہونے کے زیادہ لائق ہے کیونکہ ایسا پاؤں انجام کار میں درد سر ہے"

یعنی محبوب حقیقی سے دور رکھنے والا ہے، پس اللہ کی محبت میں کس طرح قدم رکھنا چاہئے۔

ہمچوں ابراہیم ادہم از سریر
عشق شاں بے پا و سر کرد فقیر

ترجمہ :- "مثل ابراہیم بن ادہم کے کہ عشق نے ان کو تخت شاہی سے بے سر و پا اور فقیر

یا چو ابراہیم مرسل سر خوشی
خویش را افگند اندر آتشے

ترجمہ :- "یا مثل ابراہیم پیغمبر علیہ السلام کے کہ خوش ہو کر آگ میں اپنے کو ڈال دیا"

کیونکہ نمرود کو توحید کی دعوت ہی سبب تھی اس آگ کا، پس سبب کو خوشی سے اختیار کرنا بمنزلہ مسبب کے بخوشی اختیار کرنے کے ہے۔

یا چوں اسمٰعیل صبار مجید
پیشِ عشق و خنجرش حلقے کشید

ترجمہ :- "یا مثل اسمٰعیل علیہ السلام کامل الصبر صاحب المجد کے کہ عشق حقیقی اور اس کے خنجر کے روبرو حلق رکھ دیا" (دفتر ششم)

نیکواں رفتند و سنتہا بماند
واز لئیماں ظلم و لعنتہا بماند

حق تعالیٰ کے پاک بندے چلے گئے ، لیکن ان کا طریقہ دوسروں کی ہدایت کے لئے باقی رہ گیا ، اسی طرح ناپاک بندے چلے گئے لیکن ان کے مظالم اور ان پر خدا کی لعنتیں باقی رہ گئیں ، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اپنی جانوں کو قربان کیا ہے انھوں نے بعد والوں کے لئے اپنے عمل کو سبق اور ہدایت کا ذریعہ چھوڑا ہے ، تعلیم فعلی کا اثر تعلیم قولی سے زیادہ قوی ہوتا ہے ، اللہ والے ہر طرح سے تعلیم دیتے ہیں ، کبھی قولاً کبھی فعلاً اور کبھی خواص طالبین کے لئے سکوت سے بھی تعلیم دیتے ہیں ۔

اولیا را در دروں ہا نغمہ ہاست
طالباں را زاں حیاتِ بے بہاست

اولیاء اللہ کے سینہ میں عشق حقیقی کے نغمات ہیں ، اور طالبین کو ان نغماتِ باطنی سے حیاتِ بے بہا حاصل ہوتی ہے ۔

خامش اندو نعرۂ تکرار شاں
میرود تا عرش و تختِ یار شاں

اولیاء اللہ خاموش بیٹھے ہوئے ہیں لیکن ان کے عشق زدہ قلب کے نعروں کی تکرار عرش تک یعنی تخت شاہ تک پہنچتی ہے ۔

تعلیم فعلی پر ایک حدیث یاد پڑی ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :۔

حدیث صَلُّوا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ کی عجیب تقریر

صَلُّوا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ ، حضرات صحابہؓ کو مخاطب فرما کر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ "تم لوگ جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اسی طرح نماز پڑھو"۔

اس حدیث کے اندر عجیب عبرت اور تعلیم ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مختصر عبارت میں نہ جانے کیا کیا سمجھا دیا، سبحان اللہ عجیب کلمات ہیں، کَمَا رَأَیْتُمُوْنِی میں جتنا ہی غور کرو اسی قدر علوم حاصل ہوں گے، جیسا کہ تم لوگ مجھے دیکھتے ہو نماز پڑھتے ہوئے۔ اس ارشاد پاک میں یہ بتا دیا کہ اے لوگو! تم دیکھتے ہو کہ ہمارے ہاتھ پروردگار عالم کے حضور میں کس عاجزی کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں، اور ہم کس مسکنت اور عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے جھکے ہوتے ہیں، اور اے لوگو! تم دیکھتے ہو کہ ہم کس درجہ شانِ غلامی کے ساتھ اللہ کے علو مرتبت کے سامنے اپنی بندگی اور عاجزی پیش کرتے ہوئے اپنی پیشانی کو زمین پر رکھ دیتے ہیں ع

سر رکھا ہے، ہم نے درِ جانانہ سمجھ کر

اے لوگو! میری معرفت چونکہ تم سب سے زیادہ ہے، حتیٰ کہ بعض مخصوص اوقات میرے لئے ایسے بھی ہیں کہ اس مقامِ قرب پر نہ کسی مقرب فرشتے کا گذر ہے نہ کسی نبی مرسل کا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَّا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ۔

ترجمہ: "میرے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت بھی ہے جس میں نہ کسی مقرب فرشتے کا گذر ہے نہ کسی نبی مرسل کا"۔

لِیْ مَعَ اللّٰہِ وقت بود آں دم مرا
لَا یَسَعُ فِیْہِ نَبِیٌّ مُجْتَبٰی ؑ

"میرے لئے اللہ کے ساتھ ایک خاص وقت ایسا ہے کہ اس میں کسی نبی برگزیدہ کی بھی رسائی نہیں"

پس اے لوگو! جب یہ بات ہے تو سمجھ لو کہ میرے مرتبۂ قرب کی رفعت کے اعتبار سے میرے اوپر جلالت وعظمت خداوندی کا کس قدر غلبہ ہوگا۔

نماند سراپردہ اِلّا جلال،
بدر دلیقیں پردہائے خیال

"پس تم لوگ دیکھتے ہو کہ نماز میں میرے ہر ہر جوڑ پر حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت وکبریائی کا کیا اثر ہوتا ہے"

اے لوگو! تم دیکھ لو کہ نماز میں عظمت الٰہیہ سے میری کیا حالت ہو جاتی ہے، تم لوگ سنتے ہو کہ حالتِ نماز میں غلبۂ خوفِ الٰہی کے سبب میرے سینے سے ایسی آواز نکلتی ہے جس طرح کوئی ہانڈھی چولھے پر پکتی ہے۔

میری عبدیت اور میری بندگی اور شانِ غلامی سے میری شان رسالت کو پہچانو اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عبدیت کو پہلے بیان فرمایا ہے، پھر اس عبدیت پر رسالت کا تاج جو رکھا ہوا ہے اس کو بعد میں بیان فرمایا ہے۔ اس میں امت کو تعلیم فرمادی کہ دیکھو ہم سیّد المرسلین ہیں اور افضل الخلائق ہیں، لیکن اللہ کی عظمت وجلالت کے سامنے

اپنی غلامی اور بندگی کو ہر وقت پیش نظر رکھتے ہیں، عبدیت کا ملہ مقدّم ہوتی ہے، پھر اس پر رسالت، نبوت، صدیقیت، شہادت، صالحیت کا تاج رکھا جاتا ہے۔

اے لوگو! ہماری صحبت پاک سے اب تمہارے اندر اتنی صلاحیت آچکی ہے کہ میں جس طرح عظمت و کبریائی اور جلالتِ شانِ خداوندی کے سامنے عاجزی اور مسکنت سے قیام، رکوع اور سجدہ بجالاتا ہوں تم اس کی نقل کر سکتے ہو، پہلے ہماری عبدیت نماز کی حالت میں دیکھو، پھر تم اپنی نمازوں میں اس کی نقل کرو۔

صحبتِ اولیاء اللہ کی ضرورت حدیثِ مذکور سے استدلال!

اسی حدیث کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ میں صحبت اہل اللہ کی ضرورت کا ثبوت بھی موجود ہے، یعنی دین سیکھنے کے لئے نمونہ سامنے ہونا چاہئے، چنانچہ صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، اور آپ سے بندگی سیکھی، پھر حضرات صحابہؓ کو تابعینؒ حضرات نے دیکھکر ان کی عبدیت کی نقل کی، پھر تابعینؒ کی عبدیت کی نقل تبع تابعین نے۔ اس طرح قیامت تک اہل اللہ کے ذریعہ اس نقل کا سلسلہ قائم رہے گا۔ اور دین حقیقی اسی نقل سے ملتا ہے، کتابوں سے اور تعلیم قولی سے بندگی نہیں آتی، بندگی تو کر کے دکھائی جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ فرمانا کہ جس طرح مجھے دیکھتے ہو نماز پڑھتے ہو ویسے اس طرح نماز پڑھو یہ بہت بڑی دلیل ہے کہ دین قیل وقال سے نہیں آتا۔

بلکہ کسی صاحب حال کی بندگی اور غلامی دیکھ کر اس کی حرکات و سکنات، قیام و رکوع اور سجود میں اس کے بدن کے ہر جوڑ سے جو عظمتِ الٰہیہ کے پیشِ نظر ایک خاص مسکنت اور عاجزی ٹپکتی ہے، اس کو دیکھ کر قلب پر جو اثر پڑتا ہے اور بندگی کی جو رُوح ملتی ہے، وہ کتابوں سے اور قیل و قال سے کہاں مل سکتی ہے۔

حج اکبر الٰہ آبادی نے خوب فرمایا ہے ؎

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اسی لئے حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

۱۔ خیز اے نمرود پر جوز کساں نردبانی نایدت از کرگساں
۲۔ عقلِ ابدالاں چو پرِ جبرئیل می پرد تا ظلِ سدرہ میل میل
۳۔ باز سلطانم گشم نیکو پیم فارغ از مردار و کرگس نیم

ترجمہ۔ "اے نمرود یعنی نفس سرکش و نافرمانِ حق اُٹھ اور اہل اللہ سے پر طلب کر، کیونکہ تجھ کو کرگسوں سے نردبان نہ ملے گی، کرگس ایک پردار جانور ہے جس کو ہندی میں گِدھ کہتے ہیں، یہ مردہ لاشوں کو میدان میں دیکھتے ہیں تو بڑی رغبت سے اس کو لپٹ جاتے ہیں، مراد کرگس سے وہ انسان ہیں جو مردار دنیا کی طلب میں آخرت کو پسِ پشت ڈالے ہوئے ہیں، اسی معنوی مناسبت سے کہ طالبِ دنیا کے پر مردار خوری سے متصل ہیں، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ :-

اَلدُّنْیَا جِیْفَۃٌ وَطَالِبُوْھَا کِلَابٌ "دنیا مردار ہے اور اس کے طالبین کُتے ہیں"

مولانا فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں سے اللہ کا راستہ نہ ملے گا۔ نردبان سیڑھی کو کہتے ہیں، چونکہ نمرود نے خودرائی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر کے مشورہ سے آسمان تک پہنچنے کے لئے ایک اونچی سیڑھی بنوائی تھی، جس کو خداوند تعالیٰ نے ایک تند ہوا بھیج کر ڈھا دیا، اسی واقعہ کی طرف اس نردبان سے اشارہ ہے کہ اے نمرود اپنی رائے ناقص سے تجھ کو سیڑھی نہ ملے گی، کیونکہ عقل ناقص کا پر مردار خوری سے متصل ہے، پس نہ اپنی رائے ناقص سے پر طلب کر اور نہ ان ناکسوں سے پر طلب کر جن کے پر مردار خوری سے متصل ہیں، یعنی طالبِ دنیا ہیں، اب رہا یہ سوال کہ پھر اللہ تک پہنچنے کے لئے کس سے پر طلب کئے جاویں، تو مولانا اس کا جواب فرماتے ہیں:۔

عقلِ ابدالاں

عقلِ ابدالاں چو پرِ جبرئیل
می پرد تا ظلِّ سِدرَہ میل میل

اولیاء کی عقل مثل پرِ جبرئیل کے ہے، جو کہ سایۂ سِدرَہ تک درجہ بدرجہ اُڑتا ہے۔

پھر حضرت عارفؒ ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے فرماتے ہیں کہ

باز سلطانم گشتم نیکو پیم
فارغ از مردارم و کرگس نیم

اے نمرود میں باز شاہی ہوں، یعنی جس طرح باز کو سلاطین اپنے پنجے پر رکھتے ہیں، اس سے بڑھ کر میں مقرب سلطان السلاطین ہوں اور

میں دنیائے مردار سے فارغ ہوں، اور میں کرگس نہیں ہوں، یعنی دنیائے مردار کا طالب نہیں ہوں، بلکہ طالب ذاتِ حق ہوں۔

عقلِ ناقص

عقل جزوی کرگس آمد اے مقل
پرِّ او باجیفہ خوری متصل

عقل ناقص کرگس ہے اے قلیل المتاع اس کا پر مردار خوری سے متصل ہے۔

ترک کرگس کن کہ من باشم کسم
یک پرِ من بہتر از صد کرگسم

پس اے ناقص العقل تو اپنی خود رائی اور خود بینی کو ترک کر دے، تاکہ میری عقل کامل جو نورِ وحیِ الٰہی سے منور ہے تیری یار بن جائے اور میرا ایک پر تیرے صدہا کرگس سے بہتر ہے۔ چنانچہ مشاہدات ہیں کہ اپنی صد رائے اور صدہا افکار سے انسان اللہ تک نہیں پہنچتا۔

منعم علیہ بندہ سے تعلق کی ضرورت

جب تک کہ کسی منعم علیہ بندے سے تعلق نہ ہو کیوں کہ اللہ تک جو راستہ گیا ہے اس کا نام صراط مستقیم ہے، اور صراط مستقیم کو حق تعالیٰ نے بتا دیا کہ سیدھا راستہ تمھیں سیدھے راہبر سے ملے گا، صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سیدھا راستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے۔

سورۂ فاتحہ ہی کے اندر ہدایت کی درخواست میں یہ سبق حق تعالیٰ نے پڑھا دیا ہے کہ صراط مستقیم انعام والوں کا راستہ ہے، اور انعام والے کون لوگ ہیں، اس کی تصریح اور تشریح دوسری جگہ فرمادی ہے، تاکہ مغضوبین اور ضالین کے دھوکہ میں ہمارے بندے نہ آئیں، ارشاد فرماتے ہیں :-

اَلَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصَّالِحِیْنَ	"وہ بندے جن پر اللہ کا انعام ہوا ہے وہ نبیین ہیں، صدیقین ہیں، شہداء ہیں اور صالحین ہیں"

نبی کی تعریف

شاہ عبدالقادر صاحب دہلویؒ تفسیر موضح القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ نبی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ کی طرف سے وحی آوے، یعنی فرشتہ ظاہر میں پیغام کہہ جاوے۔

صدّیق کی تعریف

اور صدیق وہ ہے کہ جو وحی میں آئے اُن جی آپ ہی اس پر گواہی دے (اسی تفسیر کے مناسب کسی شخص کے سوال پر حضرت مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ صدیق آئینۂ نبوّت ہوتا ہے)

شہید کی تعریف

اور شہید وہ ہیں کہ جن کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم کے حکم سے السنن

آیا کہ اس پر جان دیتے ہیں۔

صالحین کی تعریف

اور صالحین یعنی نیک بخت وہ ہیں جن کی طبیعت نیکی ہی پر پیدا ہوئی ہے، تو جو لوگ ایسے نہیں ہیں لیکن ان کی حکم برداری میں لگ جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بھی اُن کے ساتھ گنے گا

ہر چیز اپنے خزانہ سے ملتی ہے

ہر چیز اپنے مرکز اور خزانہ سے ملتی ہے، آگ، آگ کے خزانہ سے، پانی، پانی کے خزانہ سے، اسی طرح یہ انعام والے بندے دین کے خزانے ہیں، دین انہی کی تابعداری سے ملے گا، مگر انعامِ نبوت وصدیقیت وشہادت وصلاحیت کی سرکاری مہروں کو دیکھ کر ہاتھ میں ہاتھ دینا چاہیئے ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نباید داد دست

"اے لوگو! بہت سے ابلیس خصلت انسان آدمی کی شکل میں پھرتے ہیں، پس اندھا دھند ہر کس وناکس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہ دے دینا چاہیئے"

ناواقف مسافر جب اسٹیشن پر اترتا ہے، تو کیا ہر کس وناکس کو اپنا سامان سپرد کر دیتا ہے، ہرگز نہیں، ہر مسافر سرکاری قُلی کو تلاش کرتا ہے، اور ان کی خاص وردی سے بھی مطمئن نہیں ہوتا،

جب تک کہ اس وردی پر سرکاری نمبر لگا ہوا نہ دیکھ لے، تو کیا دین ہی ایک سستا سودا ہے کہ ہر کس و ناکس سے اس کو حاصل کر لیا جائے؟

اَلَآ اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ لَغَالِيَةٌ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اے لوگو! خوب غور سے سُن لو کہ خدائی سودا بڑا مہنگا ہے، ؏

متاعِ جانِ جانا جان دینے پر بھی سستی ہے

خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

برسائیں گے جب خونِ دل اور خونِ جگر ہم
دیکھیں گے جبھی نخلِ محبت میں ثمر ہم

اللہ کی محبت بہت لذیذ چیز ہے، اور اسی محبت کی حلاوت کے لئے ہم پیدا کئے گئے ہیں۔

دین نعمتِ الٰہی ہے زحمت نہیں ہے!!

اسی لئے حق تعالیٰ شانہٗ نے دین کو نعمت فرمایا ہے، کیونکہ دین ہی کی بدولت اللہ کی محبت دل میں آتی ہے، ارشاد فرماتے ہیں:۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (پ۶، سورہ مائدہ)

ترجمہ و تفسیر از بیان القرآن) "آج کے دن تمہارے لئے دین کو میں نے (ہر طرح) کامل کر دیا، (قوت میں بھی جس سے کفار کو مایوسی ہوئی، اور احکام و قواعد میں بھی، اور اس اکمال سے) میں نے تم پر اپنا انعام تام کر دیا (دینی انعام بھی کہ احکام کی تکمیل

ہوئی ، اور دنیوی انعام بھی کہ قوت حاصل ہوئی ، اور اکمالِ دین میں دونوں آگئے) اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے (ہمیشہ کو) پسند کرلیا ۔ (یعنی قیامت تک تمہارا یہی دین رہے گا ، اس کو منسوخ کرکے دوسرا دین نہ تجویز کیا جائے گا ، پس تم کو چاہئے کہ میری نعمت کا شکر کرکے اس دین پر پورے پورے قائم رہو ۔"

اب بظاہر ایک سوال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین کو نعمت فرمایا ہے ، اور عام طبائع دین کو زحمت سمجھتی ہیں ، اس کی وجہ کیا ہے ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ عام طبائع پر حیوانیت کا غلبہ ہو گیا ہے ، اس لئے ان کو دین کی نعمت زحمت معلوم ہوتی ہے ، کھلی بات ہے کہ دین کے احکام کی پابندی ہمیں کتنی مصیبتوں اور زحمتوں سے محفوظ کر دیتی ہے ۔

مثلاً دین کا قانون چوری کو منع کرتا ہے ، اب ہر انسان خود اپنی عقل سے فیصلہ کرے کہ یہ قانون ہمارے لئے رحمت ہے یا زحمت ، جس شخص کے گھر سے مال چُرایا جاتا ہے اس غریب کے دل سے پوچھئے کہ کتنی محنت اور مشقت سے اپنے بال بچوں کے لئے اس نے مال حاصل کیا تھا اور بعض وقت ایسی بُری طرح چوری کرتے ہیں کہ وہی گھر والے جو راحت سے زندگی گذار دیتے تھے اب دیکھئے تو فاقہ کی نوبت ہے ، اس اُجڑے گھر کے تمام افراد پر کیا گزرتی ہے ، اس دُکھ اور درد کا احساس اسی کو ہوتا ہے جو درد شناس ہوتا ہے ، اور سینہ میں انسانی قلب رکھتا ہے ، اور ظلم کرتے کرتے جن کے دل سیاہ ہو گئے ہیں اور ان کے اندر رحمت کا کہاں گذر ، سانپ اور بچھو کو جس طرح ڈسنے میں لطف

آتا ہے ، اسی طرح ان کو مخلوق ستانی اور جور وظلم میں لطف آتا ہے ، اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ " یہ مثل جانوروں کے ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں گمراہی میں۔

ایک چور کی اس خبیث حرکت سے کتنے انسان اور کتنے گھر برباد ہوتے ہیں ؎

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

بے ادب صرف اپنے ہی کو تباہ نہیں کرتا ہے ، بلکہ سارے عالم میں تباہی کی آگ لگا دیتا ہے ۔ چور کبھی مال کی خاطر قتل کا بھی ارتکاب کر بیٹھتا ہے ، جس سے کتنے ماں باپ بے اولاد ہو جاتے ہیں ، اور کتنی اولاد یتیم ہو جاتی ہے ، بیوی رانڈ ہو جاتی ہے ، شوہر بے بیوی کے ہو جاتا ہے ، نہ جانے کتنے متعدی مفاسد پیدا ہوتے ہیں ، اور چور جب گھر میں پکڑا جاتا ہے تو پہلے تو گھر والے ہی بُری طرح پٹائی کرتے ہیں ، جوتوں سے خاصی حجامت بنا دیتے ہیں ، پھر پولیس کے ڈنڈوں سے سابقہ پڑتا ہے ، پھر ہتھکڑی اور بیڑی کے ساتھ اپنے عزیز اور اقارب اور اقارب اور خاندان کے سامنے کیسی ذلت کے دن دیکھنے پڑتے ہیں ۔

اتنے مفاسد کے پیش نظر چوری کو اگر دین منع کرتا ہے تو خود دل سے فیصلہ کر لیجئے کہ اس قانون سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو زحمت میں مبتلا فرمایا ہے یا ہزاروں زحمتوں سے آزاد فرمایا ہے ۔

اسی تفصیل مذکور پر دوسرے احکام کو قیاس کر لیا جاوے ،

جھوٹ، شراب، غیبت، چغلی، زنا، فریب وغیرہ وغیرہ جتنے جرائم سے دین ہم کو روکتا ہے خود انسان اپنی عقل سے فیصلہ کرسکتا ہے کہ یہ قوانین ہمارے لئے زحمت ہیں یا عین رحمت۔

اللہ تعالیٰ نے جس دین کو نعمت بناکر ہمارے لئے اتارا ہے، افسوس کہ ہم اس نعمت کو زحمت سمجھنے لگے،

کیں چہ بدبختی ست مارا اے کریم
کہ دل و دیں ماندہ ما بے تو یتیم

"اے کریم یہ کیسی ہماری بدبختی ہے کہ آپ سے دور ہونے کے سبب ہمارا دل اور ہمارا دین یتیم ہوگیا"

دین کی لذت کو اور دین کی نعمت کو کسی باخبر سے پوچھو، اندھوں کو کیا خبر کہ اس باغ محمدی میں کیسے کیسے پھل پھول ہیں، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اَلرَّحْمٰنُ فَاسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا — "رحمٰن کی شان کو کسی باخبر سے پوچھ لیا کرو"

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ — "جن باتوں کو تم نہیں جانتے ہو اہل علم سے ان کو پوچھتے رہا کرو"

اس آیت میں اہل علم کو حق تعالیٰ نے اہل ذکر سے تعبیر فرمایا ہے جس میں اس بات کی تعلیم فرمادی کہ ان اہل علم سے دین سیکھا کرو جو اہل ذکر ہیں۔ یعنی جو ذکر الٰہی میں ڈوبے ہوئے ہیں، غلبۂ ذکر اللہ سے اُن پر اللہ کی محبت کا ایک ایسا حال غالب رہتا ہے جس سے وہ خود بھی اللہ کی محبت میں مست رہتے ہیں، اور جو اُن مستوں کو دیکھتا ہے اس کو بھی اللہ یاد آجاتا ہے۔

پس دین کی نعمت اور لذت کو کسی بینا سے پوچھو جس کے پاس نور ہے، نور والوں سے دین کی قدر و منزلت پوچھو ؎

بنگر ایشاں را کہ مجنوں گشتہ اند
ہمچو پروانہ بوصلش کشتہ اند

"ان کو دیکھو کہ اللہ کی محبت میں کیسے مجنون ہو رہے ہیں اور مثل پروانہ کے کمالِ قرب سے کشتہ ہیں"

اب یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ وہ نورانی افراد اتنے انسانوں میں کیسے پہچانے جائیں۔

دل میں نور آنے کا مفہوم

اور اس نور کا کیا مفہوم ہے، کیا اُن کے دلوں میں کوئی لالٹین یا گیس جلتی ہوتی ہے، جب نور کا محل قلب ہے اور کسی کے قلب کو ہم دیکھ سکتے نہیں تو دو ہی صورتیں ہیں، یا تو صاحبِ نور خود اپنے نور کا مدعی ہو یا صاحب نور کی کچھ علاماتِ خاصہ متعین ہوں، اور چونکہ شق اوّل میں ہر دعوٰی اپنے صدق اور کذب کا احتمال رکھتا ہے، اس لئے صورت اُولیٰ غیر مفید ہے، پس دوسری صورت باقی رہ گئی، یعنی کچھ ایسی علامات بتائی جائیں کہ جن کو دیکھ کر ہم فیصلہ کرلیں کہ فلاں بندہ نور والا ہے، یہ ایک اہم سوال ہے، کیونکہ اس زمانہ میں اہل حق اور اہل باطل بہت خلط ملط ہو رہے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ عوام کے پاس صحیح علم موجود نہیں ہے۔

جاہلوں کی فقیری

ہمارے حضرت مرشد پاکؒ فرمایا کرتے تھے کہ جاہلوں کی فقیری ڈیڑھ پیسہ کی ہوتی ہے، ڈیڑھ پیسہ کا گیرو لیا اور کپڑوں کو گیروا رنگ

دے دیا، بس شاہ صاحب ہو گئے، ایسے ہی لوگوں کو حضرت والا مزاحاً فرماتے تھے کہ شاہ صاحب کیا ہیں "سیاہ صاحب ہیں۔ اور ان کے خانقاہ کو فرماتے تھے کہ خانقاہ کیا ہے "خواہ مخواہ" ہے۔

نورانی بندوں کی پہچان

لَمَّا تَلَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَقِیْلَ لَہٗ مَا ھٰذَا الشَّرْحُ فَقَالَ اِنَّ النُّوْرَ اِذَا قُذِفَ فِی الْقَلْبِ اِنْشَرَحَ لَہُ الصَّدْرُ وَانْفَسَحَ قِیْلَ فَھَلْ لِذٰلِکَ مِنْ عَلَامَۃٍ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَعَمْ اَلتَّجَافِیْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِنَابَۃُ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ وَالْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِہٖ۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس آیت کی تلاوت فرمائی کہ جس شخص کی ہدایت اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتی ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتے ہیں، پھر آپ سے عرض کیا گیا کہ یہ سینہ کھلنا کیا ہے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب قلب میں نور ڈالا جاتا ہے تو اس کے سبب سینہ کھل جاتا ہے، اور فراخ ہو جاتا ہے، عرض کیا کہ آیا اس کی کچھ علامت ہے، آپ نے فرمایا ہاں دار الغرور (یعنی دنیا) سے ہٹ جانا اور دار الخلود (یعنی آخرت) کی طرف متوجہ ہو جانا، اور موت آنے سے پہلے اس کے لئے تیار ہو جانا۔"

اس حدیث میں دل کے اندر نور آنے کی تین علامتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔

۱۔ دنیا سے دل اچاٹ ہو جانا۔
۲۔ آخرت کی طرف متوجہ ہو جانا۔
۳۔ اور موت آنے سے پہلے موت کے لئے تیاری کرنا۔

اسی کو عارفِ رومیؒ فرماتے ہیں ؎

آنچنانکہ گفت پیغمبر ز نور
کہ نشانش آں بود اندر صدور
کہ تجافی جوید از دار الغرور
ہم انابت آرد از دار السرور

یہ علامات مذکورہ تمام منعم علیہم بندوں کے اندر موجود ہوتی ہیں، البتہ یہ علامات باعتبار فرقِ مراتبِ انعاماتِ الٰہیہ کے ضعف اور قوت کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَّلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا وَّمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَى الْفُرُشِ وَلَخَرَجْتُمْ اِلَى الصُّعُدَاتِ تَجْاَرُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَفِي الْحَاشِيَةِ عَنِ الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَنْتُمْ مُلَاقُوْهُ بَعْدَ

" اے لوگو! جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم کو معلوم ہو جائے تو بہت کم ہنسو اور بہت رویا کرو، اور تم اپنے بستروں پر اپنی عورتوں سے کچھ لذت نہ پاؤ، اور جنگلوں کی طرف نکل جاؤ، اور اپنے اللہ کی یاد سے اللہ کا قرب تلاش کرتے پھرو۔ اور حاشیہ میں جامع صغیر سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو واقعات

الْمَوْتِ مَا اَكَلْتُمْ طَعَامًا عَلٰى شَهْوَةٍ اَبَدًا وَّ لَا دَخَلْتُمْ بَيْتًا تَسْتَظِلُّوْنَ بِهٖ وَ لَمَرَرْتُمْ اِلَى الصُّعُدَاتِ تَلْدِمُوْنَ صُدُوْرَكُمْ وَ تَبْكُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِكُمْ رواہ ابن عساکر عن ابی الدرداء۔

تم کو موت کے پیش آنے والے ہیں اگر تم کو ان کی پوری خبر ہو جاوے تو کبھی کھانا رغبت سے نہ کھاؤ (اور بفرورت حفاظتِ جان کھانا اور بات ہے) اور نہ کسی گھر میں سایہ ڈھونڈنے کے لئے داخل ہو، اور جنگلوں کی طرف نکل جاؤ اپنے سینے کوٹتے ہوئے اور اپنی جانوں پر (یعنی اپنی حالت پر) رویا کرو، روایت کیا اس کو ابن عساکر نے ابو الدرداءؓ سے۔

جس وقت حق تعالیٰ نے اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ کی آیت نازل فرمائی یعنی "ڈرو اللہ سے جیسا کہ حق ڈرنے کا ہے" اس وقت حضرات صحابہؓ پر جو کیفیت طاری ہوئی اس کو انہی کا دل جانتا ہے، گھبراتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ڈرنے کا حق ہم سے کیسے ادا ہو سکتا ہے۔ مارے خوف کے حضرات صحابہؓ میں ایک کہرام مچ گیا۔ حق تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور اس آیت کی تفسیر میں دوسری آیت نازل ہوئی۔ ارشاد فرمایا فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ "اللہ سے ڈرتے رہو اپنی استطاعت کے مطابق" یعنی جتنا تم سے ڈرنے کا حق ادا ہو سکتا ہے اس قدر سعی اور کوشش میں کوتاہی نہ کرو۔ لیکن اس استطاعت میں مراتب ہوتے ہیں، جس طرح انوارِ نبوت، انوارِ صدیقیت، انوارِ شہادت، انوارِ صالحیت میں فرقِ مراتب ہے، اسی طرح ان بندوں کے آثارِ استطاعت میں باعتبار قوت اور ضعف

کے فرق ہوتا ہے، لیکن یہ فرق ان کے اُوپر والوں کے اعتبار سے ہوتا ہے، نیچے والوں کے لئے تو یہ ہر حال میں مقتدا اور ہادی ہیں۔

سورۂ فاتحہ میں انہی نورانی بندوں سے سیدھا راستہ طلب کرنے کی تعلیم ہے، جس کی ترکیب اور تدبیر بھی فرمادی ہے، وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ اور یہ نبیین، صدیقین، شہداء، صالحین بڑے اچھے رفیق ہیں۔

اولیاء اللہ کی رفاقت کے بغیر دین نہیں ملتا

رفیق فرما کر اللہ تعالیٰ نے طریقہ بتادیا کہ ان سے دین اس وقت ملے گا جب ان کو رفیق بنالیا جاوے، اسی کو بابا فرید الدین عطارؒ فرماتے ہیں ؎

بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق
عمر بگذشت و نشد آگاہِ عشق

"بے رفیق کے جس شخص نے راہِ عشق میں قدم رکھا تو عمر ختم ہوگئی، اور عشق سے آگاہ نہ ہوا"

وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا میں جس رفاقت کا وعدہ ہے وہ دراصل موعود ہے آخرت کے لئے، لیکن وہ رفاقت اِسی دنیا ہی کی رفاقت کا ثمرہ ہوگی، جس نے ان انعام والوں کو دنیا میں اپنا رفیق بنایا ہوگا، اسی کو آخرت میں ان کی رفاقت نصیب ہوگی۔

صحبتِ نیک کی ضرورت اور صحبتِ بد سے پرہیز

اور اس کی تائید دوسرے نصوص سے بھی ہوتی ہے، قیامت کے

کے دن کافروں کے تحسّر کا جو عنوان ہوگا وہ عنوان اس مضمون کی تائید کرتا ہے، کافر قیامت کے دن حسرت کرے گا یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا "اے کاش کہ دنیا میں میں نے رسولؐ کے ساتھ رہ کر رسول کا راستہ اختیار کیا ہوتا" اور حسرت سے یہ کہے گا یٰوَیْلَتٰی لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا "ہائے افسوس کہ میں نے فلاں بُرے ساتھی کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا"

ان دونوں آیتوں کے تقابل سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے کہ انعام والے بندوں کو اپنا رفیق بنالیا جائے ان کا راستہ اللہ تک پہنچا ہوا ہے، ان کے اتباع کی برکت سے تم بھی اللہ تک پہنچ جاؤ گے، اور جو بُرے ساتھی ہیں، یعنی جو بجائے انعام پانے کے اپنی نافرمانیوں کے سبب غضب الٰہی کے مستحق ہیں، اور جنہوں نے گمراہی کا راستہ اختیار کیا ہے ان لوگوں کا راستہ اگر اختیار کرو گے تو چونکہ ان کا راستہ جہنم تک پہنچا ہوا ہے ان کی اتباع کی نحوست تم کو بھی جہنم تک پہنچا دے گی۔

دین سراپا رحمت اور سراپا نعمت ہے

دین سراپا رحمت اور سراپا نعمت ہے، دین کا ہر قانون محبت کی حلاوت رکھتا ہے، لیکن دین کی حلاوت اور مٹھاس کو ان سے پوچھو جن کے دل میں دین کی حلاوت ہے، جنھوں نے اپنے کو اور اپنے اللہ کو پہچان لیا ہے، یعنی اپنا بندہ ہونا جان لیا، اور حق تعالیٰ کا معبود ہونا سمجھ گئے، دین انعامِ الٰہی ہے، اور انعام کی قدر اسی کو معلوم ہوتی ہے جو انعام سے نوازا جاتا ہے، پس انعام والے بندوں کی صحبت اختیار کرنے پر دین

کی اور اللہ کی قدر معلوم ہوتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :۔ خِيَارُكُمْ مَنْ ذَكَّرَكُمْ بِاللّٰهِ رُؤْيَتُهٗ وَتَزِيْدُ فِيْ عِلْمِكُمْ مَنْطِقُهٗ وَرَغَّبَكُمْ فِي الْاٰخِرَةِ **ترجمہ** :۔ تم میں سب سے اچھا وہ شخص ہے کہ اس کی طرف دیکھنا تم کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلا دے۔ (یعنی اس کی زیارت اور قرب میں یہ خاصیت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہو جاتی ہے) اور اس کی گفتگو تمہارے علم میں ترقی کرے، (یعنی وہ جب کلام کرتا ہے حکمت و علم کا کلام کرتا ہے، اس سے سننے والوں کے علم میں ترقی ہوتی ہے) اور اس کا عمل تم کو آخرت کی رغبت بڑھا دے (یعنی اس کے اعمالِ صالحہ کو دیکھ کر اس کی رغبت بڑھتی ہے کہ ہم بھی نیک کام کریں کہ آخرت میں نافع ہوں) (التشرف، ج ۴)

نعمتِ دین کو زحمت سمجھنے کی وجہ

جو لوگ دین کو زحمت سمجھتے ہیں تو اس کی وجہ بُری صحبت ہے، بُری صحبت، بُرے اعمال، بُرے اخلاق نے ان کے دل اور دماغ کے ذوق سلیم کو فاسد کر دیا ہے، مولانا رُومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بھنگی کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ اتفاق سے کسی عطار کی دُوکان سے گذرا، عطار، عطر فروش کو کہتے ہیں لیکن لوگ اب دوا فروش کو بطور غلط العوام عطار کہنے لگے، عطر کی خوشبو سے بھنگی بے ہوش ہو کر گر پڑا، چونکہ دماغ ہر وقت پائخانہ کی بدبو کا عادی تھا، پس خلاف عادت عطر کی خوشبو کا تحمل نہ کر سکا لوگوں نے اس پر گلاب چھڑکا اور سونگھایا، مگر کچھ افاقہ نہ ہوا۔

اس کے بھائی کو جب علم ہوا تو وہ مرض سمجھ گیا اور فوراً تھوڑا سا پائخانہ لے کر آیا، اور اس کی ناک پر رکھ دیا، بدبو کا سونگھنا تھا کہ اس کی آنکھیں کھل گئیں اور فوراً بے ہوشی جاتی رہی، اب اگر وہ بھنگی عطر کو زحمت کا لقب دے تو اس بیوقوف کے کہنے سے عطر زحمت نہیں ہو سکتا، عطر تو نعمت ہی رہے گا اور اس کی بے ہوشی سے عطر کی خاصیت کو غلط نہ سمجھیں گے

اسی طرح دنیا، مردار کی بدبو سونگھتے سونگھتے آدمی فاسد الشامہ ہو جاتا ہے، یعنی خوشبو جو ناک کی اصل غذا تھی اس کو ناگوار ہو جاتی ہے، پس دین جو ایک لذیذ نعمت ہے اور ایسی نعمت ہے کہ تمام عالم کا بقاء اس پر ہے، جس دن رُوئے زمین پر کوئی اللہ اللہ کرنے والا نہ رہے گا اسی دن اس عالم کی رُوح نکل جائے گی، اور اسرافیل علیہ السلام کو حکم ہوگا کہ صُور پھونک دو، کہ اب میرا نام لیوا زمین پر کوئی نہیں رہا، اب زمین و آسمان، آفتاب اور ماہتاب سب کو درہم برہم کر دو۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کو ایمان والوں ہی کی برکت سے دنیاوی عیش حاصل ہے، کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ:۔

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُقَالَ اَللّٰهُ اَللّٰهُ

"قیامت قائم نہ ہوگی جب تک زمین پر اللہ اللہ کہا جائے گا"

اسی سے سمجھ لینا چاہیئے کہ دنیا کی ترقیات اللہ اللہ کرنے والوں ہی کے طفیل میں ہو رہی ہیں، جب اللہ اللہ کرنے والے نہ رہ جائیں گے، تو دنیا کو درہم برہم فرما دیں گے،

آجکل کے نوجوانوں کو اپنی اس غلط فہمی کا علاج کرنا چاہیئے کہ وہ دینداری کو ترقی سے مانع سمجھتے، اسی کو اقبال لاہوری نے کہا ہے ؎

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لبِ خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

ہم لوگ اپنے ہاتھوں سے اپنے خاندان والوں کا جنازہ آئے دن قبرستان میں لے جاکر دفن کرتے ہیں اور کھلی آنکھوں مشاہدہ کرتے ہیں کہ وہ جسم جو دن رات میں نہ جانے کتنے لباس بدلتا تھا، گھر میں رہنے کا الگ لباس، دوستوں سے ملنے کا الگ لباس، دفتر میں جانے کا الگ لباس، پائخانہ میں جانے کا الگ لباس، نعوذ باللہ یہ تہذیب ہے کہ منجانب اللہ تعذیب یعنی آلۂ عذاب ہے، جو جسم تکبّر سے یہ کہتا تھا کہ تم جانتے نہیں کہ میں کون ہوں، آج بتہ حیلا کہ آپ کون ہیں۔

ایک متکبّر کی حکایت

ایک بزرگ نے کسی متکبر سے فرمایا کہ غرور سے مت چل، اس نے کہا تم جانتے نہیں میں کون ہوں ؟ فرمایا ہاں جانتا ہوں، آپ پیدائش کے وقت ایک نجس پانی یعنی مَنی تھے، پھر مرنے کے بعد ایک گندہ مردار ہوں گے، اور اس وقت تین چار سیر پائخانہ اپنے پیٹ میں لئے ہوئے چل رہے ہیں۔

معافی کا غلط طریقہ

متکبّرین کا بھی عجب حال ہے، یہ اپنے قصور کا اعتراف بھی کرتے ہیں تو اس میں بھی متکبّرانہ انداز ہوتا ہے، کہتے ہیں کہ اچھا میں اپنے الفاظ

واپس لیتا ہوں۔ استغفراللہ، یہ الفاظ واپس لینے کا طریقہ خوب نکالا ہے، سوئی چبھو کر کوئی یہ کہے کہ اچھا صاحب ناراض کیوں ہوتے ہیں، میں اپنی سوئی نکالے لیتا ہوں۔

معافی مانگنے کا سلیقہ

اے لوگو معافی مانگنے کا سلیقہ اپنے باپ آدم علیہ السلام سے سیکھو فرماتے ہیں:-

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ط

"اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کرلیا اور اگر آپ ہمارے قصور کو نہ بخشیں گے اور ہمارے حال پر رحم نہ فرمائیں گے تو ہم بڑے ٹوٹے میں پڑ جائیں گے"

بندگی اس کا نام ہے۔

ع بندگی نبود بجز سرافگندی

بندگی تو نام سرافگندگی کا ہے،

دریں راہ حق عجز و مسکینیت
بہ از طاعت و خویشتن بینیت؛

اللہ تعالیٰ کے راستہ میں عاجزی اور مسکینیت خود بینی والی عبادت سے بہتر ہے"

اسی کو ہمارے خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

نازِ تقویٰ سے تو اچھا ہے نیازِ رندی
جادۂ زاہد سے تو اچھی بری رسوائی ہے

ایک شعر کی ضروری اصلاح

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ کی شان میں یہ شعر ؎

اگر بخشیں زہے قسمت نہ بخشیں تو شکایت کیا
سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے،

ادب کے خلاف ہے، اس میں دعویٰ ہے کہ عذابِ جہنم کو ہم برداشت کر سکتے ہیں، حالانکہ اس کی ایک چنگاری سے نانی یاد آجائے گی، اس قسم کے مضامین اکثر بے تمیز شعراء گھڑا کرتے ہیں، بے صحبت کا آدمی بے ادب ہوتا ہے، ادب تو ادب والوں سے آتا ہے، ہم جب بندے ہیں تو ہمارے لئے صرف نیازمندی اور بندگی کی شان زیبا ہے۔

زشت باشد روئے نازیبا دناز عیب باشد چشم نابینا دباز

"روئے نازیبا کے لئے ناز بُرا ہے، چشم نابینا کا کھلا رہنا عیب ہے"

پھر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر میں ترمیم فرمائی اور یوں ارشاد فرمایا ؎

اگر بخشیں زہے یاری نہ بخشیں تو کروں زاری
کہ اس بندے کی کیوں خواری مزاجِ یار میں آئی

دنیا کی محبت کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم موت کو بھولے رہتے ہیں۔

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ میں موت کو مقدم فرمانے کی حکمت

حالانکہ حق تعالیٰ نے موت کو حیات پر مقدم الذکر فرما کر ہمیں تنبیہ

فرمادی ہے، دیکھو دنیا میں جاتو رہے ہو مگر موت کو یاد رکھنا خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا "پیدا کیا اللہ نے موت اور زندگی کو تاکہ تمہاری جانچ کرے کہ تم میں کون اچھے اچھے عمل کرتا ہے"

موت زندگی کے بعد آتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں موت کو زندگی سے پہلے ذکر فرمایا ہے، تاکہ دنیاوی زندگی کے چند روزہ عیش وآرام میں موت کی یاد بندوں کو آخرت سے غفلت میں مبتلا نہ ہونے دے۔

کثرت سے موت کو یاد کرنے کی حدیث

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں "موت کو کثرت سے یاد کرتے رہو، کیونکہ موت کی یاد تمام لذتوں کو توڑ دینے والی ہے، اَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ يَعْنِيْ الْمَوْتَ (الحدیث)

ہمارے خواجہ صاحبؒ نے مراقبۂ موت کا ایک رسالہ لکھا ہے جو نہایت مفید اشعار کا مجموعہ ہے، جس کے چند شعر یاد ہیں:۔

ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم ؎ رفتہ رفتہ چپکے چپکے دمبدم
قبر میں میّت اترتی ہے ضرور ؎ جیسی کرنی ہے ویسی بھرنی ضرور
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے ؎ ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

حضرت عارفؒ فرماتے ہیں ؎

اطلسِ عمرت بمقراضِ شہور
پارہ پارہ کرد خیّاط غرور،

مولانا فرماتے ہیں کہ "اے شخص تیری عمر کے تھان کو ان مہینوں کی مقراض کے ذریعہ خیاطِ غرور نے یعنی دنیا نے پارہ پارہ کردیا"

دُنیا کی بے ثباتی کو غور سے سوچنا چاہیئے، اور عبرت حاصل کرنا چاہیئے، کسی نے دنیا کی حقیقت خوب بیان کی ہے ؎

جام تھا ساقی تھا مے تھی اور درِ میخانہ تھا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

ہم نے اپنے ہاتھوں سے اپنے ماں باپ کو قبرستان میں دفن کیا ہے، کل ہماری اولاد ہم کو قبرستان میں دفن کرے گی، یہ ایک سلسلہ چلا آرہا ہے، اور ہر روز ہمارے اُوپر موت کا ایک نمونہ گزرتا ہے تاکہ ہم عبرت حاصل کریں۔

حدیث اَلنَّوْمُ اُخْتُ الْمَوْتِ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اَلنَّوْمُ اُخْتُ الْمَوْتِ "نیند موت کی بہن ہے" یعنی نیند موت کے مشابہ ہے، جب آدمی سو جاتا ہے تو موت کے آثار اس پر بیت جاتے ہیں، سویا ہوا انسان نہ تو اپنی مصیبتوں سے غمگین ہے نہ اپنے مال و دولت سے مسرور ہے، ایک عالَم ہی دوسرا ہے، جس کو حضرت عارفؒ فرماتے ہیں

رات میں قیدی اور بادشاہ برابر ہو جاتے ہیں؛

شب ز زنداں بے خبر زندانیاں
شب ز دولت بے خبر سلطانیاں

"رات کو قیدی قیدخانہ سے بے خبر (سو رہا) ہے اور رات کو اہل سلطنت اپنی دولت سے بے خبر (سو رہے) ہیں"

یعنی مرنے کے بعد جس طرح خاک نشین اور تخت نشین سب برابر

ہو جاتے ہیں اسی طرح زندگی میں بھی حق تعالیٰ نے نیند کو موت کا نمونہ بنایا ہے، تاکہ ہر روز ہمارے بندے اپنے اور آثارِ موت کا مشاہدہ کر کے ہمیں پہچان لیں، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں :-

نیند سے استدلالِ توحید

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

(ترجمہ وتفسیر از بیان القرآن) " اللہ ہی قبض کرتا ہے یعنی معطل کرتا ہے ان جانوں کو جن کا وقت موت کا آگیا ہے اُن کی موت کے وقت (من کل الوجوہ) اور ان جانوں کو جن کی موت نہیں آئی ان کے سونے کے وقت (من بعض الوجوہ) کہ حیات باقی رہتی ہے، ادراک نہیں رہتا اور موت میں دونوں چیزیں بدن میں نہیں رہتی ہیں، پھر معطل کرنے کے بعد ان جانوں کو تو تصرف فی الابدان کی طرف عود کرنے سے روک لیتا ہے، جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے، اور اب باقی جانوں کو جو نوم میں ہیں، اور ابھی ان کی موت کا وقت نہیں آیا ایک میعاد معین یعنی مدتِ عمر تک کے لئے رہا کر دیتا ہے جس کی وجہ سے پھر وہ ارواح ابدان میں تصرف کرنے لگتی ہیں، اس مجموعۂ تصرف مذکور میں ان لوگوں کے لئے جو سوچنے کے عادی ہیں خدا تعالیٰ کی قدرت پر نشانیاں ہیں جن سے توحید پر استدلال کرتے ہیں "

حق تعالیٰ کی معرفت کیلئے چند نشانیوں کا ذکر

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں :-

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ۝

(اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے آسمان اور زمین کا بنانا ہے اور تمہارے لب و لہجہ اور رنگتوں کا الگ الگ ہونا ہے، اس میں دانشمندوں کے لئے نشانیاں ہیں)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝

(اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارا سونا لیٹنا ہے رات اور دن میں، اور اس کی روزی کو تمہارا تلاش کرنا ہے، اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں)

حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ لِقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ نشانیاں سننے والوں کے لئے، یعنی جس طرح اپنے سونے کا احوال نظر نہیں آتا، سو لوگوں کی زبانی سنتے ہیں۔

نیند کو حق تعالیٰ انسان کی لازمی فطرت قرار دے کر ہر روز موت کا اور ترکِ دنیا کا سبق پڑھاتے ہیں، اور مرتے دم تک اس سبق کا تکرار جاری رہتا ہے، حضرت رومیؒ فرماتے ہیں ؎

شب ز زنداں بیخبر زندانیاں
شب ز دولت بیخبر سلطانیاں

رات کو جب لوگ سو جاتے ہیں تو قیدی لوگ قید خانہ سے اور سلاطین اپنی سلطنت اور دولت سے بے خبر ہو جاتے ہیں اور اس بیخبری کے سبب دونوں کی ایک حیثیت ہو جاتی ہے ، اور یہی حالت مرنے کے بعد ہو جاتی ہے ۔

چہ بر تخت مردن چہ بر روئے خاک

خواہ تخت شاہی پر مرے یا خاک پر مرے سب مردے یکساں ہو جاتے ہیں ، بے بسی اور عاجزی میں ، خواہ بادشاہ ہو یا فقیر ہو ، اس کی وجہ یہ ہے کہ دراصل سب خاکی تھے ۔ پس خاک کی طرف لوٹ کر ایک حقیقت میں تبدیل ہو جاتے ہیں ، اسی کو حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ، مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ اسی مٹی سے ہم نے تم لوگوں کو پیدا کیا ہے وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ اور اسی مٹی میں تم لوگوں کو لوٹا دیں گے ، وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى اور اسی مٹی سے تم لوگوں کو دوبارہ اٹھا کر کھڑا کریں گے" یعنی قیامت کے دن حساب و کتاب کے لئے پھر زندہ کر دیں گے ۔ پس ہر انسان خاکی ہے ، اگرچہ ہر ایک کی صورت اور ہر ایک کا رنگ جدا ہے ، اسی کو حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

انسان کی حقیقت

ہندو قپچاقی و رومی و حبش
جملہ یک رنگ اندر اندر گور خوش

ہندی اور قپچاقی جو ایک قوم ہے ترکوں کی ، اور رومی اور حبشی یہ سب کے سب اپنی قبروں میں پہنچکر ایک حقیقت ہو جاتے ہیں ،

یعنی سب کے سب خاک ہو جاتے ہیں"

ہم ز خاکے بخیہ بر گل می زنند
جملہ را ہم باز خاکے می کنند

خاک ہی سے گارے پر بخیہ بتاتے ہیں یعنی اجزاء غذائیہ جو دراصل خاک ہیں اس کو حق تعالیٰ شانہٗ جسم کے ساتھ جزء بدن کر دیتے ہیں، پس یہ غذائیں اور یہ بدن چونکہ دونوں خاکی ہیں اس لئے مرنے کے بعد (بقاعدہ کُلُّ شَیْءٍ یَرْجِعُ اِلٰی اَصْلِہٖ "ہر شے اپنی اصل حقیقت کی طرف لوٹ جاتی ہے") خاک ہو جاتے ہیں"

تا بدانی کاں ہمہ رنگ و نگار
جملہ رو پوش است و مکر و مستعار

"تاکہ تم جان لو کہ دنیا کے سب نقش و نگار سب آخرت کے لئے حجاب ہیں، نمائش ہیں اور عارضی ہیں، باقی رہنے والی ذات صرف اللہ کی ہے"

کسی عربی شاعر نے خوب کہا ہے ؎

لِکُلِّ شَیْءٍ اِذَا فَارَقْتَہٗ عِوَضٌ
وَلَیْسَ لِلّٰہِ اِنْ فَارَقْتَہٗ عِوَضٌ

"ہر شے کے لئے جس سے تم جدا ہو جاؤ بدل موجود ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے تم اگر جدا ہوئے تو اس ذات پاک کا کوئی بدل نہیں ہے"

دنیا کی عمدہ عمدہ غذاؤں کی حقیقت

اب دنیا کی عمدہ عمدہ غذاؤں کی حقیقت حضرت عارف رح فرماتے ہیں ؎

ایں کباب و ایں شراب و ایں شکر
خاک رنگین است نقشیں اے پسر

" یہ کباب اور شراب اور شکر دراصل یہی خاک ہے جس کو حق تعالیٰ شانہٗ نے اے لڑکے رنگین اور منقش کر دیا ہے۔"

حق تعالیٰ کی صنعتِ عجیبہ

خاک را رنگ و فن و شنگے دھد
طفل خوباں را بداں جنگے دھد

حق تعالیٰ اپنی صنعت سے خاک کو رنگ اور ڈھنگ اور شنگ دیتے ہیں، یعنی اس خاک میں رعنائی اور زیبائی دیتے ہیں، پس اطفال خصلت لوگ خاک کے ظاھری نقش و نگار پر جنگ کرتے ہیں۔

از خمیرے اشتر و شیرے پزند
کودکاں از حرص آں کف می زنند

والدین آٹے کا اونٹ اور شیر پکاتے ہیں، لڑکے اس اونٹ اور شیر کی صورت دیکھ کر حرص سے اپنا ہاتھ چوستے ہیں۔

شیر و اشتر ناں شود اندر دھاں
در نگیرد ایں سخن با کودکاں؛

آٹے کا وہ شیر اور اونٹ منہ میں جاکر روٹی ہو جاتا ہے، مگر یہ بات لڑکوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔

انسان درحقیقت کب بالغ ہوتا ہے

خلقِ اطفال اند جز مستِ خدا ؎ نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

مخلوق سب کے سب بچے ہیں اگرچہ باعتبار عجز کے بوڑھے ہی ہوں بجز مستانِ خدا کے، کیونکہ انسان جب تک خواہشاتِ نفسانیہ سے خلاصی نہ پالے اس وقت تک بالغ نہیں ہوتا یعنی بالغ ہونے کا اصل مفہوم کامل العقل ہونا ہے، اس مفہوم کا مصداق وہ بلوغ ہوتا ہے جو اللہ والوں کو مجاہدہ و ریاضت سے نصیب ہوتا ہے، یعنی شیخ کامل کی صحبت اور مجاہدہ کی برکت سے جب خواہشاتِ نفسانیہ مرضیاتِ الٰہیہ کے بالکل تابع ہوجاتی ہیں اس وقت اس کی عقل درحقیقت بالغ ہوگئی، کیونکہ اب نفس پر حاکم اور حکمران ہوگئی، اور پہلے نفس اس پر حاکم اور حکمران تھا، اب یہ شخص اللہ والا ہوگیا، کیونکہ اب اپنی خواہشات کی باگ اسی طرف پھیرتا ہے جس طرف اپنے اللہ کی خوشنودی اور مرضی دیکھتا ہے، اب گناہوں کے تقاضوں کو حمامِ تقویٰ میں مثل ایندھن کے جلا دیتا ہے، جو بُری خواہشات کہ پہلے تاریکی اور ظلمت کا سبب تھیں اب حمامِ تقویٰ میں ایندھن بن کر نورِ تقویٰ پیدا کرنے لگیں۔

قلبِ انسانی کب محلِ نورِ ربّانی ہوتا ہے

اور جس قلب میں تقویٰ کا نور آجاتا ہے تو اب وہ شاہی محل ہوگیا، اب نورِ حق کے لائق ہوگیا، اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ چونکہ حق تعالیٰ کی ذات پاک نور ہے، اس لئے نورانی قلب کو اپنی تجلّی کے لئے پسند فرماتے ہیں، مولانا فرماتے ہیں ؎

آنچہ طورش برنتابد اے کیا
قدرتش اندر زجاجے ساخت جا

جس نور کا طور متحمل نہ ہو سکا حق تعالیٰ کی قدرت نے اس نور کو مومن کے دل میں رکھ دیا۔

گشت مشکوٰۃِ زجاجی جائے نور
کہ ہمی درّد ز نور آں قاف و طور

جس نور سے کوہِ قاف اور کوہِ طور پارہ پارہ ہو جاتا ہے قدرتِ حق سے یہ مشکوٰۃِ زجاجی یعنی مومن کا قلب اس نور کا محل بن گیا۔

در دلِ مومن بگنجم ہمچو ضعیف
بے زچون و بے چگونہ بے زکیف

قلبِ مومن میں مَیں سما جاتا ہوں مثل مہمان کے بلا چوں اور بلا چگوں اور بلا کیف کے۔

حدیث قدسی ہے مَا وَسِعَنِیْ سَمَائِیْ وَلَا اَرْضِیْ وَلٰکِنْ وَسِعَنِیْ قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ ترجمہ "میری وسعت کا تحمل نہ میرا آسمان کر سکا نہ میری زمین کر سکی، لیکن میرے مومن بندے کے قلب نے میری وسعت کا تحمل کر لیا۔

ہمارے حضرت خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

کہیں کون و مکاں میں جو نہ رکھی جا سکی اے دل
غضب دیکھا وہ چنگاری مری مٹی میں شامل کی

الحمدللہ کہ "معرفتِ الٰہیہ" حصہ اول تمام ہوا، اس حصہ میں بفضلہٖ تعالیٰ حق تعالیٰ کی پہچان کے جو ذرائع اور طریقے ہیں وہ بحسن و خوبی کافی تفصیل سے جمع ہو گئے ہیں۔

حصۂ ثانی میں اس امر کی تفصیل کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پہچان

کے بعد بندوں پر عبدیت اور فنائیت کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

حق تعالیٰ اپنی رحمت سے "معرفت الٰہیہ" کی دونوں جلدوں کو قبول فرما دیں، اور مجھ کو اور تمام مسلمانوں کو اپنی معرفت کا مِلہ نصیب فرما دیں۔

جامہ پوشاں را نظر بر گاذر است
رُوحِ عریاں را تجلی زیور است (رُومیؒ)

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ

عبد الغنی

معرفتِ الٰہیہ

حصہ دوم

معرفتِ الٰہیہ کے آثار و لوازم

جب بندہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور اپنی ذلت اور بزرگی کا بصیرت قلب سے مشاہدہ کر لیتا ہے عظمتِ الٰہیہ سے ہر وقت دبا رہتا ہے، ایک عجیب شانِ فنائیت کا حال طاری ہو جاتا ہے، اور یہ حال راسخ ہو کر مقام بن جاتا ہے، اور یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق میرے مرشد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ:۔

مقامِ فنائیت اخلاص سے بھی اونچا مقام ہے

اخلاص سے بھی ایک اونچا مقام ہے، اور وہ فنائیت کا مقام ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ اخلاص میں کسی قدر اپنے اوپر نگاہ ہوتی ہے، گو یہ نظر نظرِ مذموم نہیں ہوتی، کیونکہ اپنے اعضاء سے صدورِ اعمال حسنہ کو منجانب اللہ انعام سمجھتا ہے، لیکن ان اعضاء کو اپنے احساس اور ادراک میں اپنے ساتھ منسوب کرتا ہے، اور یہ کوئی امر غیر مستحسن نہیں ہے۔

لیکن فنائیت کا درجہ اس سے بھی مافوق ہے، اس درجہ میں اپنی ہستی اور صفات ہستی سے نظر اٹھ جاتی ہے، جیسے چراغ آفتاب کے سامنے اپنے وجود کو کالعدم پاتا ہے، یعنی اپنے نور کو نورِ آفتاب کے سامنے اس درجہ مضمحل ضعیف النور پاتا ہے کہ اپنے اوپر نظر کرنے سے شرماتا ہے پھر اس نورِ آفتاب حقیقی کی کیا شان ہوگی۔

حبرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند
صاف گر باشد ندانم چوں کند

خاک آمیز جرعہ جب مجنوں کرتا ہے تو صاف اگر ہو تو میں نہیں جانتا کہ کیا سے کیا کر دے۔

کیا سے کیا کر دے پر اپنے ایک دوست مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی کا ایک شعر یاد آگیا، خوب فرمایا ہے ؎

نہ جانے کیا سے کیا ہو جائے میں کچھ کہہ نہیں سکتا
جو دستار فضیلت گم ہو دستار محبت میں

عارف کی شان

جب عارف حق تعالیٰ کی عظمت و جلالت کا آفتاب دیکھ لیتا ہے تو پھر اپنی ہستی اور ہستی کے تمام آثار و صفات کی طرف التفات کرنے سے شرماتا ہے ؎

کیں چہ بدکارم کہ جملہ نیستم
پس چرا پیشت بہشتی ایستم

میں کس قدر ذلیل ہوں کہ میری ذات حادث اور فانی ہے، پس اے

اللہ آپ کے سامنے آتے ہوئے میں اپنی اس لچر ہستی کو لے کر کیونکر کھڑا ہوں۔

مولانا سیّد سلیمانؒ صاحب کا واقعہ

مولانا سیّد سلیمانؒ صاحب نے ایک بار حضرت مرشد پاک تھانویؒ سے عرض کیا کہ حضرت فقیری کس چیز کا نام ہے؟ ارشاد فرمایا کہ فقیری نام ہے اپنے کو مٹا دینے کا۔ اس بات کو سُن کر سیّد صاحب پر گریہ طاری ہوگیا، تمام سلوک اور تصوّف کا حاصل یہی ہے کہ اپنے کو مٹا دیا جائے ؎

منتہائے سیر سالک شد فنا
نیستی از خود بود عین البقا (عارف رومیؒ)

مٹا دینے کا یہ مطلب نہیں کہ خودکشی کرلی جائے، مٹانے کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے تمام ارادوں کو، اپنی تمام خواہشات کو مرضیات اور ارادات الٰہیہ کا غلام اور تابع بنا دیا جاوے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِہٖ

تم میں سے کوئی مومن کامل نہیں ہوسکتا، جب تک اپنی تمام خواہشات کو میرے لائے ہوئے احکامِ خداوندی کے تابع نہ کردے۔ اسی تابع کر دینے کا نام فنائیت ہے، اور عادتِ الٰہیہ یہی ہے کہ یہ دولت بغیر کسی پیر کامل کی صحبت کے میسّر نہیں ہوتی، حضرات صحابہؓ کو یہ دولت یعنی فنائیت کیسے حاصل ہوئی تھی، اس کا جواب خود لفظ صحابی میں موجود ہے۔ صحابی کا لفظ سُن کر ذہن منتقل ہوجاتا ہے کہ صحبت یافتہ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ اسی کو حضرت عارف رومی فرماتے ہیں

نفس نتواں کُشت الّا ظلِ پیر
دامنِ آں نفس کُش را سخت گیر

حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں کہ نفس نہیں فنا ہوتا ہے مگر پیر کامل کے سایہ سے پس اُس نفس کُش کا دامن مضبوط پکڑ لو ۔

مرنے سے پہلے مرجانے کا مطلب

مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا یعنی "مرجاؤ مرنے سے پہلے" اور عُدَّ نَفْسَکَ مِنْ اَھْلِ القبور "اپنے نفس کو اہل قبور میں سے شمار کرو"

ان دونوں حدیثوں کا یہی مفہوم ہے جو مذکور ہوا، یعنی اپنی مرضیات نفسانیہ کو مرضیاتِ الٰہیہ کا غلام بنا دیا جائے ۔ جس طرح وہ چاہیں تصرّف فرمائیں ، جہاں ان کی مرضی ہو وہیں اپنی خواہش پر عمل ہو ، اور جہاں ان کی مرضی نہ ہو اس خواہش کے تقاضہ پر عمل نہ کریں ، اور صبر کرلیں ؎

نظر کو اپنی جو اُن کی نظر نہ بنا سکے
وہ ہائے پردے کو جلوہ کبھی بنا نہ سکے

اسی کا نام مجاہدہ ہے، اور اسی مجاہدہ سے بندہ اللہ تک پہنچتا ہے ، لیکن چونکہ مریض کی رائے بھی بیمار ہوتی ہے اس لئے اپنا علاج خود نہیں کرسکتا ، کسی اللہ والے سے تعلق اصلاح کے لئے کرنا فرض ہے ، جب اصلاح نفس فرض ہے تو اصلاح نفس جس کے تعلق اور جس

کی صحبت پر موقوف ہے وہ بھی فرض ہے، البتہ مرید ہونا سنّت ہے، فرض نہیں ہے جس کا جی چاہے سنّت کی برکت کے لئے بیعت بھی ہو جائے۔

خشیّتِ حق بقدرِ معرفتِ حق پیدا ہوتی ہے

اللہ تعالیٰ کی معرفت جس قدر حاصل ہوتی ہے اسی قدر اس معرفت کے لئے اللہ تعالیٰ کی خشیت لازم ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ "اے لوگو! میں تم سب سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ جاننے والا ہوں، اس سبب سے تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں، اِنِّیْ اَعْلَمُکُمْ بِاللّٰہِ وَاَتْقَاکُمْ (الحدیث) **ترجمہ** "میں تم سب سے زیادہ عالم باللہ ہوں اور سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں"۔

حضورؐ جب کھانا تناول فرماتے تھے تو ارشاد فرماتے تھے کہ اَنَا اٰکُلُ کَمَا یَاْکُلُ الْعَبْدُ "میں اس طرح بیٹھ کر کھاتا ہوں جس طرح غلام بیٹھ کر کھاتا ہے"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی شانِ عبدیت کو شانِ رسالت پر مقدم فرمانا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عبدیت اور شانِ غلامی کو شانِ رسالت پر مقدم فرما کر امّت کو بہت بڑا سبق پڑھا دیا اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں

عرض کرتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک محمد اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول ہے۔ بندگی کو مقدم فرمایا، اس کے اندر تعلیم ہے کہ میری امت کے لوگو! نبوت کا دروازہ تو ختم ہوچکا ہے، لیکن ولایت کا دروازہ قیامت تک کھلا رہے گا، تم میں بڑے بڑے درجے کے اولیاء اللہ پیدا ہوں گے، مگر بندگی کا یہ سبق مت بھولنا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے تمہیں ابدال، اقطاب، اوتاد، غوث، مجدد جو چاہیں بنا دیں لیکن میرا اسوۂ حسنہ سامنے رکھنا اور یاد رکھنا کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حضور میں اپنا بندہ ہونا پہلے عرض کیا ہے پھر اس اظہار عبدیت کے بعد انعامِ رسالت کا ذکر فرمایا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم راتوں میں نماز کے اندر اسقدر قرآن پڑھتے تھے کہ کھڑے کھڑے پائے مبارک سوج آتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عبودیت

لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ اے اللہ آپ کی عظمت اور جلالت کے شایانِ شان محمد سے عبادت نہ ہوسکی۔ ؏

جن کے رُتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

غیر عارف کا جہل

غیر عارف بے سمجھ آدمی جب کچھ نفلیں پڑھنے لگتا ہے تو خود کو اللہ تعالیٰ کا مقرب اور نہ جانے کیا کیا سمجھ لیتا ہے، اور دوسروں کو حقیر

نظر سے دیکھنے لگتا ہے، یہ بڑی کم ظرفی اور نااہلی اور جہل ہے، عابد غیر عارف کو شیطان اپنا کھلونا بنالیتا ہے۔

شیطانی زہر

اور شیطان جس زہر کو پی کر مردود ہوا تھا وہی اَنَا خَیْرٌ کا زہر آلود سبق پڑھا دیتا ہے۔

کم ظرف اور اہلِ ظرف کا فرق

کم ظرف جلد اُبل جاتا ہے اور اہلِ ظرف میں تحمل ہوتا ہے، عارفین کے حوصلے بھی نورِ معرفت کی برکت سے بلند ہوتے ہیں، باز سلطان دیدہ شیر نر کا شکار کرتا ہے، وہ معمولی جانوروں کے شکار کا خیال بھی دل میں نہیں لاتا۔

عارف کا حوصلہ

عارفین کے حوصلوں کو کون پاسکتا ہے جبکہ وہ جہان سے رُخ پھیرے ہوئے صرف اللہ کے طالب ہیں ؎

شد صفیرِ باز جاں در مرج دیں ؎ نعرہائے لَا اُحِبُّ الْآفِلِیْن

رُوحِ عارِف کی آواز

عارف کی جان جو قربِ سلطان سے مثل باز شاہی کے ہے، دین کی چراگاہ میں لَا اُحِبُّ الْآفِلِیْنَ کے نعرے لگا رہی ہے، یعنی روحِ عارف

کی آواز یہ ہے کہ میں فنا ہونے والی مخلوقات سے محبت نہیں کرتی ہوں ؎

ملکِ دنیا تن پرستاراں را حلال
ما غلامِ عشق ملکِ لازوال،

یہ دنیائے فانی کا ملک تن پرستوں کو مبارک ہو، ہم تو ملک عشق لازوال کے غلام ہیں۔

حکایت ایاز اور شاہ محمود

مولانا رومیؒ نے ایاز اور محمود کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ جب ایاز محمود کا محبوب اور مقرب ہو گیا تو اراکینِ سلطنت کو ایاز پر حسد ہونے لگا، رفتہ رفتہ یہ خبر محمود کو ہوئی، محمود بادشاہ نے ایاز کی خوبی اور اس کا کمال اراکینِ سلطنت پر ظاہر کرنے کے لئے ایک بار بہت سے بیش قیمت موتی اور جواہرات بکھیر دیئے اور اعلان کر دیا کہ جو جس چیز پر ہاتھ رکھ دے وہ اس کی ہے، ہر ایک نے حرص اور طمع سے مختلف چیزوں پر اور جواہرات اور موتیوں پر اپنے اپنے ہاتھ رکھ دیئے، اور ایاز اٹھا اور شاہ محمود کے کندھوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ دیئے کہ میں تو صرف آپ کو چاہتا ہوں۔

یہ ہے عقل کامل کہ جب بادشاہ ہمارا ہوگا تو ساری سلطنت ہماری ہوگی، یہ حوصلہ کی بات ہوتی ہے ؎

سرمد غمِ عشق بوالہوس را ندہند
سوزِ غمِ پروانہ مگس را ندہند

عارفین کی یہی شان ہوتی ہے کہ سارے جہان سے مستغنی ہو کر اللہ

تعالیٰ ہی کی یاد میں لگے ہوئے ہیں ؎

بسود ائے جاناں زجاں مشتغل
بذکر حبیب از جہاں مشتغل
بیاد حق از خلق بگریختہ
چناں مست ساقی کہ مے ریختہ

"محبوب حقیقی کی محبت میں ایسے سرگرم ہیں کہ اپنی جان سے بھی بے پروا ہیں، اور سارے جہاں سے بے پروا ہو کر ذکرِ حبیب میں لگے ہوئے ہیں، یاد حق میں مخلوق سے بھاگے ہوئے ہیں، اور ساقیِ ازل پر ایسے مست ہیں کہ نعمتوں کی طرف سے التفات جاتا رہا اور منعمِ حقیقی کی ذات پر ہر وقت ٹکٹکی بندھی ہوئی ہے۔"

عارف اپنی ہر عبادت میں حق تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کے پیشِ نظر نقصان اور قصور دیکھتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فرض نماز کے بعد استغفار فرمانے کی حکمت

یہی راز ہے کہ نماز فرض کے بعد سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم استغفار فرمایا کرتے تھے، نماز کے بعد فوراً استغفار کرنے میں بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ استغفار نام ہے کسی معصیت سے مغفرت طلب کرنے کا، اور نماز ایک محبوب ترین عبادت ہے، تو اس اشکال کا یہی حل ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے شایانِ شان نماز کا حق بندوں سے ادا نہیں ہو سکتا اس لئے نماز کے بعد بندہ عرض کرتا ہے کہ اے اللہ

آپ کی کبریائی کے مقابلہ میں میری غلامی میں جو نقصان اور قصور ہوا ہو اس کی معافی چاہتا ہوں۔

اور دنیا میں اس کا نمونہ بھی موجود ہے، کہ جب کسی معزز مہمان کو رخصت کرتے ہیں تو باوجود صد احترام اور آداب مہمان نوازی بجالانے کے نہایت شرمندی سے نیازمندانہ چہرہ بنا کر کہا کرتے ہیں کہ کیا بتاؤں آپ کی خاطر کا حق ادا نہ ہو سکا، کوئی تکلیف ہوئی ہو تو معاف فرمائیے گا۔

جب ایک بندہ بندوں کے حق میں کامل طور پر مطمئن نہیں ہوتا ہو کہ نہ معلوم کونسی بات مہمان کو ناگوار ہوئی ہو تو کہاں بندہ اور کہاں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک۔

چراغ مُردہ کجا، شمع آفتاب کجا

پس عارفین ہر عبادت کے بعد اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہیں کہ اے اللہ جو کچھ مجھ سے اس عبادت میں کوتاہی ہوئی ہے معاف فرما دیجئے، وہ جاہل عابد ہوتا ہے جو عبادت کر کے اپنے کو کچھ سمجھنے لگتا ہے۔

حضرت نانوتویؒ کی شانِ فنائیت

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اتنے بڑے عالم تھے اور درویش کامل تھے، مگر ایسی سادگی تھی کہ اجنبی شخص دیکھ کر یہ بھی نہیں سمجھ سکتا تھا کہ مولانا کچھ پڑھے لکھے ہوں گے۔ اکثر کرتہ لنگی میں رہتے تھے، کسی نے حضرت حاجی صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت مولانا قاسم صاحب نے اپنے کو بہت مٹا دیا ہے، تو فرمایا کہ

ابھی کیا مٹایا ہے ؟ اللہ اکبر! نہ جانے فنائیت کے کس مقام پر مولانا کو حضرت حاجی صاحب دیکھنا چاہتے تھے۔

اخبات کی تعریف

اللہ تعالیٰ کی عظمت سے دب جانے کا اخبات ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْا اِلٰی رَبِّھِمْ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ۝	"بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اچھے عمل کئے اور اپنے رب کی طرف جھکے ایسے لوگ اہل جنت ہیں اور وہ لوگ اس میں ہمیشہ رہیں گے"

اَخْبَتُوْا کی ضمیر عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور اٰمَنُوْا دونوں سے متعلق ہے، یعنی ایمان کے ساتھ بھی اخبات کی کیفیت ملی ہوا ور اعمال صالحہ کے ساتھ بھی اخبات کا تعلق ہو، قرآن کریم میں جہاں جہاں ایمان اور اعمال صالحہ کا تذکرہ ہے، وہاں وہاں یہ قید اخبات بھی ملحوظ ہے، تفسیر کا یہ اصول ہے کہ جب ایک حکم کسی جگہ مقید ہوگیا تو جہاں جہاں وہ مطلق بھی مذکور ہوگا اس قید سے مقید سمجھا جائے گا۔

استحضار عظمت الٰہیہ

جس شخص پر جس درجہ عظمت الٰہیہ کا استحضار ہوگا اسی قدر اس کا اخبات بھی قوی ہوتا ہے۔ دنیا میں اس کا نمونہ موجود ہے، کہ جب کسی بڑے حاکم کے سامنے معمولی آدمی کھڑا کر دیا جاتا ہے تو خوف کے مارے کانپنے لگتا ہے،

عجیب سکتہ سا طاری ہو جاتا ہے۔ پس جن بندوں نے اللہ تعالیٰ کو جو احکم الحاکمین ہے پہچان لیا ہے ان پر اللہ کی کبریائی سے اور اپنی بندگی اور عاجزی سے ایک عجیب کیفیت تواضع اور فنائیت کی طاری رہتی ہے۔

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :۔

عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا۔	"رحمٰن کے محبوب اور مقبول بندوں کی نشانی یہ ہے کہ وہ زمین پر نہایت مسکنت اور عبودیت سے چلتے ہیں۔"

ان کی چال سے هَوْن یعنی غلامی کی شان ٹپکتی ہے، هَوْنًا۔ هَوْن لغت میں ذلّت اور خواری کو کہتے ہیں، مگر جو ذلت اور خواری کو بندہ اپنے اللہ کی عظمت کے پیش نظر اپنے اندر دیکھتا ہے اس پر لاکھوں عزتیں اور سلطنتیں قربان ہو جائیں، خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

خاک میں کس نے ملایا یہ تو دیکھ
شکر کر مٹی سوارت ہو گئی

واقعی انسان کی مٹی جب ہی سوارت ہوتی ہے جب اپنے محبوب حقیقی اللہ تعالیٰ شانہٗ کے لئے اپنے کو مٹا دے، اسی مٹانے میں انسانیت کی معراج ہے ؎

نہیں دیکھا جس نے زمین محبت
وہ دیکھے گا کیا آسمان محبت (احمد)

تواضع کا صحیح مفہوم

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ (حدیث) جو اللہ کے لئے اپنے کو گراتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بلند کر دیتا ہے۔

وَضْعٌ کے معنے لغت میں رکھ دینے کے ہیں۔ باب تفاعل میں اس کے معنی اپنے کو گرا دینے کے ہیں، گرانا کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضیات کے سامنے اپنی تمام خواہشات کو بندہ بنا دے، جس چیز کو دیکھنے کی اجازت دیں وہاں آنکھ کھل جائے، جس چیز سے منع فرما دیں کہ اس کو مت دیکھ وہاں آنکھیں نیچی ہو جائیں، اسی طرح ہر خواہش پر عمل ہو۔

اور اپنے کو سب سے حقیر اور کمتر سمجھنا اور دوسروں کو اپنے سے اچھا سمجھنا یہی تواضع کا مفہوم ہے، ایک دفعہ ایک عربی مدرسہ میں دورۂ حدیث کے طالب علموں کا امتحان لینے کا اتفاق ہوا ایک طالب علم سے میں نے اسی حدیث کے متعلق دریافت کیا کہ یہاں تواضع کا کیا مفہوم ہے، جواب دیا کہ تواضع کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی مہمان آجاوے تو حُقّہ اور پان سے خوب خاطر تواضع کرے۔ استغفراللہ، ایسے ایسے طالب علم بھی ہوتے ہیں، اس بیچارے نے تواضع کا وہ مطلب سمجھا جو عوام سمجھتے ہیں۔

عبدیت اور فنائیت یہ بہت وسیع مضمون ہے جس کو حق تعالیٰ جس درجہ کی فہم عطا فرماتے ہیں اسی درجہ کی اس کے اندر عبدیت ہوتی ہے، حدیث شریف میں ہے لَا یُجْزَوْنَ اِلَّا بِقَدْرِ عُقُوْلِهِمْ ہر شخص کو اپنی عقل کے اعتبار سے بدلہ دیا جائے گا۔

دین کی فہم بڑی نعمت ہے

دین کی فہم وہ نعمت ہے کہ عارف کی دو رکعت غیر عارف کی ہزار رکعت سے بہتر ہوتی ہیں۔ کیونکہ عارف سمجھ کر عبادت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی عظمت سامنے ہوتی ہے، نماز میں ہاتھ باندھے ہوئے ہے،

اور یہ دھیان بھی بندھا ہوا ہے کہ میں ایک حقیر بندہ ہوں اور میرا خالق پروردگار میرے سامنے ہے ؎

نماند سراپردہ الاجلال، ؎ بدر دیقیں پردہ ہائے خیال

معرفت سے محبت پیدا ہو جاتی ہے، اور محبت کبر اور نخوت کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے ؎

ہر کہ او را جامہ عشقی چاک شد
او ز حرص و عیب کلی پاک شد

جس شخص کا جامہ اللہ تعالیٰ کی محبت سے چاک ہو گیا وہ حرص اور جملہ امراض سے پاک ہو گیا۔

ایک ان سے کیا محبت ہو گئی ؎ ساری دنیا ہی سے نفرت ہو گئی

محبت سے دین مستحکم نصیب ہوتا ہے

محبت سے جس قدر مضبوط دین ہوتا ہے اس قدر دلائل سے میسر نہیں ہوتا ہے، بے محبت کی پرہیزگاری ذرا سی دیر میں ٹوٹ جاتی ہے، اور محبت والا جان دے دیتا ہے۔

ہمارے خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

میں ہوں اور حشر تک اس در کی جبیں سائی ہے
سرِ زاہد نہیں یہ سر سرِ سودائی ہے،

؎ لاکھ جھڑکو اب کہاں پھرتا ہے دل
ہو گئی اب تو محبت ہو گئی،

* * *

خواجہ صاحبؒ کا ایک واقعہ

ایک بار ہمارے مرشد پاک حضرت تھانویؒ نے حضرت خواجہ صاحبؒ پر عتاب فرمایا اور حکم فرمایا کہ مجلس میں شرکت کی اجازت نہیں ہے حضرت خواجہ صاحبؒ بڑے عاشقِ زار تھے، ایک شعر میں اپنی محبت کا اظہار فرمایا ؎

اُدھر وہ دَر نہ کھولیں گے اِدھر میں دَر نہ چھوڑوں گا
حکومت اپنی اپنی ہے کہیں ان کی کہیں میری

محبت والا کسی حال میں ہمت ہار کے محبوب کی طلب کو ترک نہیں کرتا ہے ؎

دست از طلب ندارم تا کام من برآید
یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

میں محبوب کی طلب سے باز نہ رہوں گا یہاں تک کہ میں مقصود تک نہ پہنچ جاؤں، یا تو میرا تن محبوب تک پہنچ جائے یا تو جان ہی تن سے جُدا ہو جائے۔

محبت کی یہی شان ہوتی ہے کہ محبوب کی ہر ادا سے خوش اور راضی رہتا ہے، ؎

در رہ منزلِ لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں
شرط اوّل قدم آن ست کہ مجنوں باشی

منزلِ لیلیٰ کے راستہ میں جان پر بہت سے خطرات ہیں، شرط اوّل قدم یہ ہے کہ تو مجنوں ہو جائے، پھر کوئی مشکل مشکل نہیں اور

جب تک مجنون نہیں ہوگے تو ہر زخم سے بھاگ نکلو گے

تو ہر زخمے گریزانی ز عشق تو نمی دانی بجز نامے ز عشق

اے مدعی تو ہر زخم کی وجہ سے عشق سے بھاگتا ہے، تو بجز نام عشق کے کام عشق سے بے خبر ہے۔

معرفتِ حق سے جو بندگی اور غلامی کی شان پیدا ہوتی ہے وہ غیر عارف کو کہاں میسّر ہو سکتی ہے۔

حضرت مُرشد پاک تھانویؒ کی شانِ عبدیت

ہمارے حضرتؒ فرماتے تھے کہ[1] مجھے کبھی یاد نہیں آتا کہ میں نے چارپائی کے پائینتی کھانا رکھ کر کھایا ہو۔

اور[2] مجھے کبھی یاد نہیں آتا کہ میں نے اپنی چھڑی کا نچلا حصّہ قبلہ رُو رکھا ہو،

اور[3] مجھے کبھی یاد نہیں آتا کہ میں نے نوکر کو کبھی پیسہ زمین پر پھینک کر دیا ہو

اور[4] مجھے یاد نہیں آتا کہ کبھی داہنے ہاتھ میں جوتا لیا ہو۔

اور[5] مجھے یاد نہیں آتا کہ کبھی روپیہ بائیں ہاتھ میں لیا ہو۔

اور حضرت فرمایا کرتے تھے کہ میں جب کسی کو اس کی اصلاح کے لئے ڈانٹتا ہوں تو اس وقت میں اپنے کو بھنگی سمجھتا ہوں اور مخاطب کو شاہزادہ سمجھتا ہوں، جس طرح کہ بادشاہ شاہزادوں کی تعلیم اور تادیب کے لئے جلّاد کو حکم دیتا ہے کہ اس کو دُرّے لگاؤ، لیکن جلّاد سے پوچھو کہ اس پر کیا گذرتی ہے، اس حکم سے کانپ جاتا ہے اور لرزہ براندام اس حکم کی تعمیل کرتا ہے اور شاہزادوں کی تحقیر کا تو کیا وسوسہ آتا خود اپنی خیر مناتا رہتا ہے کہ بادشاہ کی نظر کہیں بدلی تو نہ جانے میرا کیا حال ہوگا

حضرت فرماتے تھے کہ کسی کو نصیحت کرنا اس وقت میں حرام ہے جس وقت کہ مخاطب کو حقیر سمجھ کر نصیحت کی جائے، عین اصلاح اور نصیحت کے وقت اپنے کو کمتر اور مخاطب کو اپنے سے افضل سمجھنا یہ ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے ؎

بر کفے جام شریعت بر کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

اصلاح کا منصب بڑا نازک منصب ہے۔

حضرت تھانویؒ کا ایک واقعہ

ایک بار حضرت رحمۃ اللہ علیہ سڑک سے بوقت صبح گذر رہے تھے، سرکاری بھنگی سڑک پر جھاڑو لگا رہا تھا، ایک عالم اور مخصوص رفیق نے آگے بڑھ کر جھڑک سے کہا کہ بھائی ذرا سی دیر کو ملتوی کر دو تاکہ ہمارے حضرت گرد سے بچ جاویں، حضرت والا نے سُن لیا اور فرمایا کہ آپ کو کیا حق تھا کہ اس کے سرکاری کام میں دخل دیں، وہ اپنی ملازمت کا حق ادا کر رہا ہے، کیا آپ نے مجھ کو فرعون سمجھ لیا ہے۔

اللہ اکبر، عجیب عبدیت کی شان تھی، ایک طالب نے خط میں باطنی حالت اور فقہی مسائل کا استفسار دونوں جمع کر دیئے، اس پر حضرتؒ نے فرمایا کہ میں نے ان کو یہ جواب لکھا کہ آپ ایک خط میں فقہی مسائل کو اور احوالِ باطنی کو جمع نہ کیا کریں، اور فرمایا کہ میں نے یہ نہیں لکھا کہ احوال

؎ ترجمہ:- ایک ہتھیلی پر جام شریعت ہے اور دوسری ہتھیلی پر عشق کا ہتھوڑا ہے ہر ہوس والا شیشہ کا پیالہ اور لوہے کا ہتھوڑا کھیلنا کب جانتا ہے۔

باطنی کو فقہی مسائل کے ساتھ جمع نہ کریں، مسائلِ فقہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قوانین ہیں ان کا ادب اسی امر کو مقتضی تھا۔

بڑوں سے ان کی سمجھ اور فہم کے اعتبار سے حق تعالیٰ ان کے ساتھ معاملہ فرماتے ہیں۔ ایک بزرگ نے بارش دیکھ کر فرمایا کہ اے اللہ شکر ہے کہ بڑے موقع سے آپ نے بارش فرمائی، آواز آئی کہ او بے ادب! اور میں نے کب بے موقع بارش کی ہے، مقرباں را بیش بود حیرانی۔

حضرت تھانویؒ کا دوسرا واقعہ

ہمارے ضلع کے ایک حاجی صاحب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جمعہ کا دن تھا، حضرت اپنے کرتے پائجامے میں تشریف لائے، حاجی صاحب معمر آدمی تھے، بے تکلف تھے۔ عرض کیا کہ حضرت آپ نے عبا نہیں پہنی، فرمایا عبا بڑوں کا لباس ہے۔ حاجی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آپ بھی تو بڑے ہیں، فرمایا کہ "میں کیا بڑا ہوں، ابھی تو میرا ایک خُلق بھی درست نہیں ہوا"۔ اللہ کی کبریائی جن کے سامنے ہوتی ہے وہ اپنے کو سراپا تقصیر سمجھتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عبدیت

حضرت ابراہیم علیہ السلام جلیل القدر رسول ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے خلیل تھے۔ خلیل کہتے ہیں گاڑھے دوست کو وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا "اور بنالیا اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا گاڑھا دوست"

اور ایک جگہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ اور جس وقت امتحان لیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ان کے پروردگار نے چند باتوں میں اور وہ ان کو پورے طور سے بجالائے تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا مقتدا بناؤں گا۔

اس شانِ مقتدایت اور شانِ خلّت کے باوجود اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عبدیّت کاملہ کی شان دیکھئے، عرض کرتے ہیں وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ " اے اللہ جس دن حساب اور کتاب کے لئے لوگ اٹھائے جائیں گے اس دن آپ مجھے رسوا نہ فرمائیے گا"

اور حق تعالیٰ نے اس دعاء پر یہ نہیں فرمایا کہ آپ ہمارے خلیل ہیں ایسی دعاء آپ کے لئے زیبا نہیں، یا آپ کو میری ذات سے ایسا اندیشہ کیوں ہے، حق تعالیٰ نے اس مقام پر سکوت فرما کر یہ بتادیا کہ ہم بندوں سے بندگی ہی چاہتے ہیں، ہم بندوں کی عاجزی اور خواری اور ان کی پستی ہی دیکھنا چاہتے ہیں خواہ ہم اپنی عطاء سے جس انعام سے چاہیں نوازدیں۔

اب اس مقام پر بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اولوالعزم پیغمبر تھے، اور خلیل اللہ تھے، تو اللہ تعالیٰ سے آپ کو رسوائی کا گمان کیوں گذرا، دنیا میں کوئی معمولی دوست بھی اپنے دوست کو رسوا نہیں کرتا ہے، پھر اس ذات پاک سے خلیل اللہ کو رسوائی کا گمان کیونکر روا ہو سکتا ہے۔

اس ظاہری اشکال کا حل اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ ڈالا ہے

کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کی معرفت انبیاء علیہم السلام کو بدرجۂ کمال نصیب ہوتی ہے، جس وقت کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعاء کی تھی اس وقت حق تعالیٰ شانہٗ کی جلالت اور کبریائی، اور عظمتِ شان کا ایسا غلبہ ہوگیا تھا کہ آپ کو اپنی خُلّت اور رسالت کی طرف التفات نہ رہا، بس اپنی بندگی اور عبدیت کو عظمت الٰہیہ کے سامنے دیکھ کر غلبۂ ہیبت سے یہ دعاء نکل گئی۔

نہ ماند سراپردہ الّا جلال ؎ بدرّد یقیں پردہ ہائے خیال

تحقیقِ سراپردہ

سراپردہ اس بڑے پردے کا نام ہے جو سلاطین کے بالکل قریب پڑا ہوتا ہے، یعنی متعدد پردوں کے بعد یہ آخری پردہ ہوتا ہے۔ تو قیامت کے دن تمام پردے اٹھا دیئے جائیں گے، اور جلال خداوندی کا سراپردہ رہ جائے گا۔

ہمارے حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اَلْعِلْمُ هُوَ الْحِجَابُ الْاَكْبَرُ کے متعلق ارشاد فرمایا تھا کہ جو لوگ علم کو اللہ تعالیٰ سے حجابِ اکبر سمجھتے ہیں وہ سخت غلطی میں مبتلا ہیں۔

اَلْعِلْمُ هُوَ الْحِجَابُ الْاَكْبَرُ کی تحقیق

حجاب اکبر سے مراد ہرگز یہ نہیں ہے کہ علم خدا سے دور کرتا ہے، حجاب اکبر سے مراد وہ بڑا پردہ ہے جو سلاطین کے سامنے پڑا رہتا ہے، جس کو سراپردہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد پھر کوئی پردہ نہیں ہوتا ہے۔

حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعریف میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

ترجمہ :- "بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں دلائل ہیں اہل عقل کے لئے، جن کی حالت یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں کھڑے بھی، بیٹھے بھی، لیٹے بھی، اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں، کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے اس کو لایعنی نہیں پیدا کیا ہم آپ کو منزہ سمجھتے ہیں، سو ہم کو عذاب دوزخ سے بچا لیجئے۔"

حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ "عبث نہیں بنایا" یعنی اس عالم کی انتہا ہے دوسرے عالم میں یعنی اس عالم میں اعمال کی دوسرے عالم یعنی عالم آخرت میں باز پرس ہوگی۔

حضرات صحابہؓ کی شانِ عبودیت

ان آیات میں حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان عبدیت اور شان غلامی کا مقام دکھایا گیا ہے کہ اے لوگو دیکھ لو ہمارے

پہچاننے والوں کی یہ شان ہوتی ہے کہ کثرتِ ذکر اور فکر کے باوجود ان کو اپنی مقبولیت کا ذرا بھی گمان نہیں ہوتا، میری عظمت و کبریائی پیشِ نظر ہے، ہیبتِ حق سے دبے ہوئے ہیں، کیا مجال کہ یہ کثرتِ ذکر اور فکر ان کو ناز اور غرور میں مبتلا کر دے، ہماری کبریائی اور اپنی غلامی اس طرح ان کے پیشِ نظر ہے کہ اس قدر عبادت اور کثرتِ ذکر اور فکر کے باوجود اپنے کو جہنم کے قابل سمجھ کر عذابِ دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں، عارفین کی یہی شان ہوتی ہے کہ کام بھی کرتے رہتے ہیں اللہ ڈرتے بھی رہتے ہیں۔

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس عبدیت سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ وہ بڑا جاہل عابد ہے جو عبادت کر کے اپنے کو کچھ سمجھنے لگتا ہے، اس تکبّر کی نحوست سے ساری محنت عبادت کی اکارت ہو جاتی ہے

؎ خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے
حاصلِ خواجہ بجز پندار نیست

"خواجہ سمجھتا ہے کہ مجھے کچھ حاصل ہو گیا اور حال یہ ہے کہ خواجہ کو کچھ حاصل نہ ہوا بجز تکبّر اور نخوت کے"

عابد مغرور کی مثال

اس بے سمجھ مغرور عابد کی مثال اس بیوقوف چمار کی سی ہے، جو کسی شاہی محل کے لئے اپنی جھونپڑی کا سڑا ہوا بانس بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے جا رہا ہو، اور اس ہدیۂ حقیر پر مغرور بھی ہو کہ اتنی بڑی چیز شاہی محل کے لئے لے جا رہا ہوں۔ اس چمار کے غرور

کی وجہ کیا ہے، اس کو اپنے سڑے ہوئے بانس پر ناز کیوں ہے، اس لئے کہ اس نے شاہی محل کبھی دیکھا نہیں ہے، راستہ میں ہے، جب شاہی محل کی شان اور شوکت دیکھ لے گا تو اس وقت اپنے سڑے بانس کی حقیقت معلوم ہو جاوے گی، ؎

۱۔ گر بہ بینی یک نفس حسنِ ودود
اندر آتش افگنی جانِ ودود

۲۔ گر بہ بینی کرّ و فرّ قرب را
جیفہ بینی بعد ازیں ایں شرب را

(رومی)

۱۔ "اگر تو حق تعالیٰ کے حُسن کو ایک نفس بھی مشاہدہ کر لے تو اپنی جان عزیز کو آتش میں ڈال دے یعنی اللہ پر قربان ہو جائے"۔

۲۔ "اگر تو قرب خداوندی کی جلالتِ شان اور کرّ و فرّ دیکھ لے تو سارے جہان کے عیش و آرام کے اسباب ہیچ اور مردار نظر آنے لگیں"۔

عابد غیر عارف کا یہی حال ہوتا ہے، کہ عظمت الٰہیہ کی معرفت نہ ہونے سے اس کی نظر اپنی عبادت پر تو ہوتی ہے، لیکن حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت اور کبریائی پر نہیں ہوتی، اُس نے اس چمار کی طرح ابھی شاہی محل کا مشاہدہ نہیں کیا ہے، ابھی منزل سے دور ہے، اس لئے اپنی ٹوٹی پھوٹی اور کھوٹی عبادت پر اس قدر نازاں ہے۔

اور عارف کی نظر حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت اور جلالت پر ہوتی ہے اس لئے باوجود یکہ اس کی دو رکعت بے سمجھ عابد کی ہزار رکعت کے

برابر ہے، لیکن عبادت کی اس بڑی کمیت اور کیفیت کے باوجود اپنے کو اللہ کی عظمت کے سامنے کتوں سے بدتر سمجھتا ہے، کہ نہ معلوم میاں کو بھی پسند ہے یا نہیں، اللہ تعالیٰ کی عظمت کے شایانِ شان اپنی غلامی اور عبادت کو ناقص پاتا ہے۔

حضرت حاجی صاحبؒ کی شانِ عبدیت

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ کی ستّاری ہے، ورنہ میاں اگر ہمارے اترے پتّرے کھول دیں تو ایک بھی معتقد نہ رہے، یہ دین کی سمجھ والے ہیں۔ بات یہ ہے کہ اللہ والا اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ سے رکھتا ہے، اور حق تعالیٰ کی نظر سے اپنے اعمال کو پرکھتا ہے، اصلی کسوٹی تو میاں کے پاس ہے۔ تمام مخلوق کی تعریف کرنے سے کیا ہوتا ہے، جب وہ پسند فرمالیں تو وہ پسند کام آنے والی ہے اور ان کی پسند کا یقینی فیصلہ مرنے کے بعد ہی معلوم ہوگا، لوگوں کی واہ واہ تو آدمی کو واہی بنا دیتی ہے۔ لوگوں کی واہ واہ کا خواہاں نہ رہنا چاہیئے۔ اپنی آہ سے اپنے اللہ کو خوش رکھنا چاہیئے۔ اللہ والوں کی یہی شان ہوتی ہے، کہ وہ کرتے رہتے ہیں اور ڈرتے رہتے ہیں ؎

ازیں بر ملائک شرف داشتند
کہ خود را بہ از سگ نہ پنداشتند

فرشتوں پر اسی سبب سے اولیاء اللہ سبقت لے جاتے ہیں کہ اپنے کو عظمتِ الٰہیہ کے سامنے کتوں سے بہتر نہیں جانتے، کہ نہ معلوم کس بات

پر پکڑ ہو جائے، کیونکہ بعض اعمال ایسے ہیں جن کو ہم معمولی سمجھ کر بے فکر رہتے ہیں، اور وہ اللہ کے نزدیک اشد اور سنگین ہوتے ہیں، قال تعالیٰ: وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ الآیہ ترجمہ: "اور تم لوگ اس کو ہلکی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بھاری بات تھی۔"

حضرت مرشد پاک تھانویؒ کی عبدیت اور فنائیت

ہمارے مرشد پاکؒ فرمایا کرتے تھے کہ الحمد للہ میں اپنے کو تمام مسلمانوں سے کمتر سمجھتا ہوں، فی الحال، اور کافروں سے اپنے کو بدتر سمجھتا ہوں، فی المآل۔ یعنی ہر مسلمان کے متعلق یہ خیال کرتا ہوں کہ چونکہ فی الحال ایمان کی نعمت موجود ہے اس لئے ممکن ہے کہ ایمان کے ساتھ کوئی عمل اللہ کے نزدیک ایسا محبوب ہو جو اس کی مقبولیت کا سبب ہو اور میرے ساتھ ممکن ہو کہ کوئی ایسا عمل موجود ہو جو اللہ کے نزدیک میری نامقبولیت کا سبب بن جائے، پس ان احتمال کے ہوتے ہوئے ہمیں ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ہم کسی فاسق اور گنہگار مسلمان کو حقیر سمجھیں اور اس سے اپنے کو بہتر سمجھیں۔

اسی طرح کافر کے متعلق یہ خیال کرتا ہوں کہ فی الحال تو ایمان اس کو حاصل نہیں ہے لیکن ممکن ہے کہ مرنے سے پہلے پہلے اس کو ایمان نصیب ہو جائے اور اعتبار خاتمہ ہی کا ہے، اور ممکن ہے کہ مرنے سے پہلے پہلے کسی معصیت کی نحوست سے میرا ایمان سلب کر لیا جائے، پس جب تک

خاتمہ ایمان پر نہ ہو جائے اس وقت تک ہم کو ہرگز حق نہیں ہے کہ ہم اپنے کو کسی کافر سے افضل سمجھیں اور اس کو حقیر سمجھیں۔ البتہ اس کے کفر سے عداوت رکھنا مطلوب ہے۔

حضرت بڑے پیر صاحبؒ کی شان عبدیت

حضرت بڑے پیر صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

ایمان چوں سلامت بہ لب گور بریم
احسنت بریں چستی وچالاکی ما

حضرت غوث پاکؒ فرماتے ہیں کہ جب ایمان کو سلامتی کے ساتھ قبر میں پہنچائیں گے اس وقت اپنی چستی وچالاکی پر تعریف کریں گے، اور جب تک زندگی ہے اس وقت تک خطرہ ہے۔ جب تک کشتی طوفان کے تھپیڑوں سے دوچار ہے اس وقت تک مطمئن ہو جانا بیوقوفی ہے۔ عارفین کی شان یہی ہے کہ کرتے رہتے ہیں اور ڈرتے رہتے ہیں، یہی ڈرنا ہی ولایت کی نشانی ہے، اگر یہ ڈر نکل گیا تو ولایت بھی ہاتھ سے نکل گئی۔

تقویٰ شرط ولایت ہے

کیونکہ ایمان اور تقویٰ شرط ولایت ہے۔ اولیاء اللہ کی تعریف یہی ہے کہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ "جو ایمان لائے اور اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں" اور حق تعالیٰ اسی کو مقتدی بناتے ہیں، جو متقی ہوتا ہے، اسی لئے سورۂ فاتحہ میں جس صراط مستقیم کی درخواست ہے

اور اس کی منظوری میں ہدایت کی جو کتاب تیس پارے کی نازل فرمائی گئی ہے

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ
کے عجیب تفسیری لطائف

عنوان اوّل

اس کا ابتدائی عنوان ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ہے، یعنی اس کتاب سے اوّلاً ہدایت اس خاص جماعت کو ہوگی جو علمِ الٰہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور تربیت کے لئے پہلے ہی سے منتخب تھی، پھر انہی تربیت یافتہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افراد سے تمام انسانوں کی ہدایت کا کام لیا جائے گا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ .	"تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی، تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بُری باتوں سے روکتے ہو"

اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ بتا رہا ہے کہ اس جماعت کے افراد دوسرے انسانوں کی ہدایت کے لئے امام بنائے گئے ہیں، اور امام مقتدی سے آگے ہوتا ہے، پس حق تعالیٰ نے هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کو مقدم فرمایا، کہ اوّلاً قرآن سے حضرات صحابہؓ کو ہدایت ہوگی، پھر اُن کے ذریعہ سے تمام انسانوں کو ہدایت ہوگی، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :-

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ۔ (او کما قال)	"میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں ان میں سے جن کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پاجاؤ گے"

دنیا کا یہ قاعدہ مسلّمہ ہے کہ جب کوئی اہم اور عظیم الشان کام کیا جاتا ہے تو اپنے مخصوص اور مخلص دوستوں کو بلا لیتے ہیں، اور اس اہم کام کے متعلق مشورہ کرتے ہیں کہ اس کام کو کس طرح پھیلایا جائے، پھر مشورہ کے بعد جب طریقۂ کار طے پالیتا ہے تو ان مخلصین دوستوں میں سے ہر ایک کو اس طریقۂ کار کی عملی مشق کرائی جاتی ہے، حتیٰ کہ جب ہر فرد خوب پختہ کار ہو جاتا ہے، تو انہی پختہ کار دوستوں کے ہر فرد کو اس طریقۂ کار کا امام بنا کر ہر طرف منتشر کر دیا جاتا ہے، تاکہ یہ پختہ کار افراد اپنے اپنے حلقوں میں اس کام کو عام اور تام کریں۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے دین اسلام کو سارے عالم میں پھیلانے کے لئے جب اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو علم الٰہی میں جو افراد اللہ تعالیٰ کے مخصوص اور مخلص دوست تھے ان کو اس دین کی نصرت اور تبلیغ کے لئے منتخب فرمایا، اس انتخاب کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے: ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ "یہ ان کے یعنی حضرات صحابہؓ کے اوصاف مذکورہ یعنی ابتغاءِ فضل و رضاءِ حق کے لئے شدت علی الکفار رحمت فیما بینہم رکوع اور سجود اور ان کے چہروں کے انوار کا بیان توریت میں ہے، اور انجیل میں ان کا یہ وصف ہے کہ جیسے کھیتی کہ اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے اس کو قوی کیا پھر وہ کھیتی اور موٹی ہوئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی، کہ کسانوں کو بھی بھلی

معلوم ہونے لگی تاکہ اُن سے کافروں کو جلا دے (پ۲۶، سورۂ حجرات)
کیونکہ جس قدر کام اہم اور عظیم الشان ہوتا ہے اسی اعتبار سے اس کے لئے چُنے ہوئے مخلص احباب کا انتخاب بھی کیا جاتا ہے، تاکہ اس اہم کام کے لئے اگر سر اندازی اور جانبازی کا بھی موقع آئے تو وہاں ان مخلصین اور محبین کا اخلاص اور ان کی شدّتِ محبت ان کو ثابت قدم رکھے، اور غیر مخلص غیر محبّ سے اہم امور میں کام نہیں لیا جاتا ہے، کیونکہ ان کا عدم اخلاص اور ان کی قلّتِ محبت یا عدم محبت وقت پڑنے پر راہ فرار اختیار کر لیتی ہے۔

تو جس وقت یہ کتاب نازل فرمائی گئی اور سارے عالم کی ہدایت کے عظیم الشان کام کی بنیاد ڈالی گئی، اس وقت حق تعالیٰ نے اوّلاً اپنے اولیاء یعنی متقین کو منتخب فرمایا اور قرآنی ہدایات پر ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ پاک میں عملی مشق کرائی گئی، حتیٰ کہ یہ اپنے اخلاص اور شدّت محبت کے سبب بڑی ہمت اور بڑے حوصلہ کے ساتھ پختہ ہو کر علیٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ کا خطاب پا گئے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے حق تعالیٰ نے سارے عالم کو اعلان فرمادیا کہ اب ہمارے یہ اولیاء محبین و مخلصین اس اہم کام کی انجام دہی کے لئے خوب پختہ کار ہو گئے ہیں، اب اے ہمارے رسولؐ آپ اعلان فرما دیجئے کہ:۔

هٰذِهٖ سَبِيْلِيْ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ

"یہ میرا راستہ ہے، جس طرح علیٰ وجہ البصیرۃ اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، اسی طرح میرے یہ احباب (یعنی حضرات اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) میری اتباع کی برکت

سے پختہ کار ہو کر علی وجہ البصیرۃ اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں ۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان متقین اولیاء اللہ ساتھیوں کو منتشر فرما دیا تاکہ اقصائے عالم میں انوار پھیلائیں ۔

عام طور پر ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ پر یہ اشکال اور خلجان لوگوں کو ہوا کرتا ہے کہ قرآن جب متقین کو ہدایت کرتا ہے تو ان کو ہدایت حاصل ہی ہے ، ہدایت تو غیر متقین کو ہونی چاہیئے ، اشکال تقریر مذکور سے بفضلہٖ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے خوب واضح طور پر حل ہو جاتا ہے ۔

دوسرا عنوان

ایک عنوان اس تقریر کا اور بھی ہے وہ یہ کہ یہ کتاب حق تعالیٰ کی طرف سے ایک والا نامہ ہے ، اور والا نامہ دوستوں کے پاس بھیجا جاتا ہے ، دشمنوں کے پاس نہیں بھیجا جاتا ہے اور متقین بندے اللہ تعالیٰ کے غلام بھی ہیں ، اور دوست بھی ہیں ۔

حضرات صحابہؓ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے مخلص اور جاں نثار بندے تھے ، پس قرآن کی اوّل ہدایت انہی متقین دوستوں کے لئے ہے ، اوّل اوّل مخاطب قرآنی آیات کے یہی حضرات تھے ، پھر ان کی ہدایت کے صدقہ میں دوسروں کو ہدایت ہوئی ۔

یہ بہت علمی مقام ہے جس میں اکثر اہل علم بھی الجھ کر پریشان ہو جاتے ہیں ، اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ اس مقام کی نہایت آسان تقریر میرے دل میں ڈال دی ۔

تیسرا عنوان

سورۂ فاتحہ سے ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ کا عجیب ربط

تیسرا عنوان یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ میں بندوں کی طرف سے حق تعالیٰ شانہٗ نے ہدایت کی درخواست نازل فرمائی ہے، کیونکہ بڑے دربار سے جب کوئی چیز ملتی ہے تو کہتے ہیں درخواست لکھ کر لاؤ، اس وقت کسی واقف کار سے جو اس حاکم کا ادب شناس ہوتا ہے خوشامدیں کرتے ہیں کہ ہماری عرضی کا مضمون لکھ دو۔

تو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی عظمت اور جلالتِ شان کا ادب بندوں کو کہاں سے آسکتا تھا۔ وہاں تک تو ان کی عقل کی پرواز ہی ناممکن تھی، پس بندوں کی عاجزی دیکھ کر حق تعالیٰ کی رحمت خود وکیل بن گئی اور وہ ذات نعم الوکیل ہے، وہ ہمارے اللہ بھی ہیں اور ہمارے وکیل بھی ہیں۔

چنانچہ سورۂ فاتحہ میں ان کی رحمت نے اپنی کبریائی اور عظمت کے شایانِ شان ہدایت کی درخواست نازل فرمائی، اور اس درخواست کی منظوری میں تیس پارے نازل فرمائے جس کی ابتداء الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ سے ہے، اور درخواست ہدایت ہی میں یہ سبق بتا دیا گیا تھا کہ صراط مستقیم یعنی سیدھا راستہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ہے، یعنی انعام والوں کا راستہ ہے، اور چونکہ لفظِ انعام سے اندیشہ تھا کہ یہود و نصاریٰ دنیا کے

آرائش اور زیبائش کو دکھا کر اپنے کو انعام والوں میں ہونے کا دعویٰ کر کے فریب دینے لگیں، اس لئے حق تعالیٰ نے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ فرما کر یہود کو اور وَلَا الضَّآلِّیْنَ فرما کر نصاریٰ کو انعام والوں سے الگ فرما دیا، اور انعام والوں کے انعامات کی تصریح فرما دی کہ انعام سے مراد انعام نبوت و صدیقیت و شہادت و صالحیت ہے، اَلَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ (الآیۃ)۔

اب ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ کا اس عنوان سے یہ ربط ہوا کہ درخواست ہدایت میں چونکہ سیدھا راستہ انعام والوں کا راستہ بتایا گیا ہے اس لئے اس درخواست کی منظوری میں جو کتاب نازل کی جا رہی ہے اس میں سب سے پہلے انعام والوں ہی کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

چنانچہ مُتَّقِیْنَ کا لفظ ایسا جامع اختیار فرمایا گیا جو انعام والوں کے ہر فرد پر صادق آتا ہے، تقویٰ کا وصف سب پر مشترک ہے، قرآن سے سید المتقین کو بھی ہدایت ہوئی ہے، حق تعالیٰ شانہٗ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرماتے ہیں:

وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی "اور اللہ نے آپ کو بیخبر پایا سو رستہ بتلا دیا"

حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ اپنی تفسیر موضح القرآن میں اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ "جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جوان ہوئے قوم کی راہ و رسم سے بیزار تھے اور اپنے پاس کوئی رسم و راہ نہ تھی اللہ نے دینِ حق نازل کیا ۱۲" موضح

پس ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ فرما کر یہ بتا دیا گیا کہ جن انعام والے بندوں

کی راہ تم نے سورۂ فاتحہ میں طلب کی ہے وہ یہی متقین بندے ہیں جن کا ہم تذکرہ کر رہے ہیں، جن کی صفات و علامات یہ ہیں کہ اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ (الیٰ) اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" وہ چھپی ہوئی چیزوں پر یقین لاتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ یقین رکھتے ہیں، اس کتاب پر بھی جو آپ کی طرف اتاری گئی، اور ان کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری جا چکی ہیں، اور آخرت پر بھی وہ لوگ یقین رکھتے ہیں، بس یہ لوگ ہیں ٹھیک راہ پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ملی ہے۔ اور یہ لوگ ہیں پورے کامیاب"

اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ فرما کر بتا دیا کہ یہی ہمارے منعم علیہم بندے ہیں جو اپنے رب کی ہدایت پر خود بھی چلنے والے ہیں، اور انہی کے پیچھے اگر تم بھی سیدھ باندھ لو تو تم کو بھی صراطِ مستقیم پر چلنا نصیب ہو جائے گا۔

الحمد للہ کہ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ کا سورۂ فاتحہ سے عجیب و غریب ربط میرے اللہ نے میری زبان سے بیان کرا دیا، اور کئی عنوان سے اس کی تقریر ہو گئی، اور یہ سب ہمارے حضرت مرشد پاک تھانوی کا فیض ہے

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
میرے مولیٰ یہ تیری مہربانی

عارفین کی عبدیت اور ان کی فنائیت کا مضمون چل رہا تھا کہ جو جتنا ہی اللہ کو پہچانتا ہے، اسی قدر وہ عظمتِ الٰہیہ کے استحضار سے اپنے کو حقیر اور کمتر بلکہ ارذل الخلائق دیکھتا ہے، اور یہی درجہ تصدیق کا ہے۔

اپنے کو حقیر سمجھنا درجۂ تصوّر میں ناکافی ہے

فنائیت درجۂ تصدیق میں مطلوب ہے

غیر عارف کا اپنے کو حقیر سمجھنا درجۂ تصوّر میں ہوتا ہے، لیکن اس میں نفس کی چال بھی شامل ہوتی ہے، یعنی غیر عارف اپنے دل میں یہ کہتا ہے کہ دراصل میرے اندر تو اوصافِ حمیدہ ہیں لیکن چونکہ حکم ہے کہ اپنے کو سب سے کمتر سمجھو اور کسی کو حقیر نہ جانو، اس لئے اپنے کو سب سے کمتر سمجھتا ہوں، تو یہ سمجھنا تصوّر کا درجہ ہے، اور محض تصوّرات غیر مفید ہوتے ہیں، اور عارف کی شان تصوّرات سے بالاتر ہوتی ہے اس کو معرفتِ عظمتِ الٰہیہ کے سبب اپنی عبودیّت اور کمتریت اور کا یقین نصیب ہوتا ہے، اور اذعانِ نسبت ہی کا نام تصدیق ہے، اور اہل فن اس امر سے واقف ہیں کہ مقصود تصدیقات ہوتے ہیں، تصوّرات ذریعۂ مقصود ہوتے ہیں۔

اعمالِ حسنہ کرکے ڈرتے رہنے پر ایک آیت سے استدلال

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ جو آیت ہے یُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ "یعنی دیتے ہیں جو دیتے ہیں اور ان کے دل خوف زدہ ہیں" (یہ تمام افعال کو عام ہے، کیونکہ سب میں ان کو عدم سے ہستی میں لانا ہے، اور وجود دینا ہے) کیا مراد اس سے وہ شخص ہے جو چوری اور زنا کرکے

(کیونکہ خوف تو انہی افعال کے بعد ہوتا ہے) آپ نے فرمایا نہیں بلکہ مراد وہ شخص ہے جو روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور صدقہ دے اور پھر ڈرے کہ اس سے قبول نہ کیا جاوے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت سے امید نہ رکھے، پر خوف کو غالب رکھا جائے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اعمال پر اعتماد نہ کرنا چاہئے، اور اچھے اعمال کرکے غرور و ناز میں مبتلا نہ ہو، پس آیت اَلَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ میں حق تعالیٰ نے ہدایتِ کاملہ کی تعلیم فرما دی کہ کرکے بے خوف نہ ہونا چاہئے، اور اس آیت میں ان بندوں کی تعریف فرمائی گئی ہے جو اچھے اعمال کرکے خوف زدہ رہیں۔ حق تعالیٰ کا راستہ تذلل اور خواری اور غلامی کا ہے، ناز و پندار اور عُجب اور تکبر شیطان کا راستہ ہے، طریق کا حاصل یہی ہے کہ کرتا رہے اور ڈرتا رہے، مرتے دم تک یہ دونوں کام جاری رہیں ؎

دریں راہِ حق عجز و مسکینیت
بہ از طاعت و خویشتن بینیت

حق تعالیٰ کے راستہ میں عاجزی اور مسکنت اس طاعت سے بہتر ہے جو خود بینی کے ساتھ ہو۔ اسی کو ہمارے خواجہ صاحبؒ نے فرمایا ہے ؎

ناز تقویٰ سے تو اچھی ہے نیازِ رندی
جاہ زاہد سے تو اچھی ہے مری رسوائی

؎ اے جلیلؔ اشکِ گنہگار کے اک قطرہ کو
ہے فضیلت تری تسبیح کے سو دانوں پر

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی کا ایک ارشاد

حضرت مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی معرفت کی بات ارشاد فرمائی ہے :-

ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ کے دربار میں ایک چیز نہیں ہے اور جس دربار میں جو چیز نہیں ہوتی اس کی بڑی قدر ہوتی ہے۔ وہ چیز کیا ہے، بندوں کی گریہ وزاری اور ان کی ندامت وخواری، اللہ تعالیٰ کے دربار میں ان چیزوں کی بڑی قدر ہوتی ہے، حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

کہ برابر میکند شاہِ مجید ؎ اشک را در وزن با خونِ شہید

کہ وہ شاہِ مجید برابر رکھتا ہے، اشک گریہ کو وزن میں خونِ شہید کے ساتھ

نالۂ مومن ہمی داریم دوست گو تضرع کن کہ ایں اعزاز اوست

ہم مومن کے نالہ کو دوست رکھتے ہیں، مومن سے کہو کہ تضرع کرتا رہے کیونکہ یہ اس کا اعزاز ہے

دُعا کی مقبولیت میں تاخیر کی ایک حکمت

مولانا فرماتے ہیں کہ بہت سے مخلص جو کہ دعا میں نالہ کرتے ہیں، اور ان کے اخلاص کا دھواں یعنی اُن کے آہ و نالے آسمان تک پہنچتے ہیں، یہاں تک کہ اس سقف عالی کے اوپر تک یعنی عرش تک نالۂ گنہگاراں کی خوشبو جاتی ہے، مگر اس کی اجابت اور قبولیت میں دیر ہوتی ہے، اس تاخیر کو دیکھ کر ملائکہ خدا تعالیٰ سے زار زار نالہ کرتے ہیں کہ اے اجابت کرنے والے ہر دعا کے، اور اے وہ

ذات پاک جس کی پناہ طلب کی جاتی ہے، یہ بندۂ مؤمن تضرع کر رہا ہے اور وہ بجز آپ کے کسی کو تکیہ گاہ نہیں جانتا ہے، آپ تو بیگانوں کو یعنی کفار کو عطا کرتے ہیں، آپ سے ہر خواہش مند آرزو رکھتا ہے، اور باوجود اس کے اس کی عرض اور درخواست قبول فرمانے میں اس قدر توقف ہوا اس میں کیا مصلحت ہے ؟

مؤمن کیلئے تاخیرِ قبولیت دُعا کا عین عطا ہونا

حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ تاخیرِ قبولیت اس کی بے قدری کے سبب نہیں ہے بلکہ عین یہی تاخیر عطا اس کی امداد اور عطا ہے، کیونکہ ہم مؤمن کے نالہ کو دوست رکھتے ہیں، اس مؤمن سے کہو کہ تضرع کرتا رہے، یہی اس کا اعزاز ہے جو حاجت اس کو غفلت سے میری طرف لائی ہے جس حاجت نے موکشاں میرے کوچہ میں اس کو پہنچایا ہے، اگر میں اس حاجت کو پوری کر دوں تو وہ میرے کوچہ سے پھر غفلت کی طرف واپس چلا جاوے گا۔ اگرچہ یہ دعا میں تو جان سے نالہ کر رہا ہے، اور دعا کی حالت میں اس کا سینہ خستہ اور دل شکستہ ہے، اور نالہ و فریاد کا مقتضا یہ تھا کہ اس کی حاجت جلدی پوری کر دی جاتی، لیکن توقف اس لئے ہے کہ مجھ کو اس کی آواز بھلی معلوم ہوتی ہے اور دعا میں اس کا اے اللہ اے اللہ کہنا اور اس کا یہ راز و نیاز اور یہ امر کہ وہ تملق اور مناجات میں ہر ہر طرح سے مجھ کو پھسلاتا ہے، یہ سب مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے۔

پھر مولانا اس کو ایک مثال سے سمجھاتے ہیں، فرماتے ہیں کہ

طوطیوں اور بلبلوں کو پسندیدگی کی وجہ سے خوش آوازی کے سبب، قفس میں بند کر دیتے ہیں، اور کوّے یا اُلّو کو قفس میں نہیں بند کرتے، کیونکہ ان کی آواز کانوں کو تکلیف دیتی ہے۔

دنیا مومن کیلئے قید خانہ اور کافر کیلئے جنت کس اعتبار سے ہے

یہ دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ اس لئے ہے کہ اس کی حاجات کم پوری ہوتی ہیں جس سے وہ تنگ رہتا ہے، اور اصلی سبب نہیں جانتا جس طرح طوطی اور بلبل کے لئے قفس تجویز کیا جاتا ہے اور وہ تنگ ہوتی ہے۔ اور کافروں کے لئے یہ دنیا جنت ہے، کیونکہ انکی اکثر حاجتیں پوری کر دی جاتی ہیں۔

ف: تاخیر اجابت کی علت یا حکمت کا اسی میں انحصار مقصود نہیں، بلکہ منجملہ دیگر اسباب کے ایک یہ بھی ہے چونکہ یہ مشہور نہ تھی اس لئے اس پر تنبیہ مناسب ہوئی اور حدیث اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ کی ایک توجیہ یہ بھی ہے۔ یہاں بھی اس میں انحصار نہیں اور توجیہات بھی مشہور ہیں، مثلاً یہ کہ مؤمن کو جو نعمتیں جنت میں ملنے والی ہیں دنیا میں کیسی ہی خوش عیشی ہو مگر اس کے اعتبار سے قید خانہ ہے، وعلیٰ ہذا القیاس کافر کی عقوبت کے اعتبار سے دنیا کی مصیبت بھی جنت ہے۔ اور مثلاً یہ کہ مؤمن کا دنیا میں مثل قید خانہ کے دل نہیں لگتا ہے اور کافر

کا دنیا میں خوب جی لگتا ہے وَبِهٰذَا الْاَخِيْرِ يَتَشَهَّدُ ذَوْقِيْ اور یہ آخری توجیہ میرے جی کو زیادہ لگتی ہے (کلید مثنوی، دفتر ششم ۴۲۹)

دوسری جگہ عارف رومیؒ فرماتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ کے بندے اپنے گناہوں کو یاد کر کے اور قیامت کے دن پیش ہونے کا خیال کر کے رو پڑتے ہیں تو گنہگاروں کی آوازِ گریہ سے عرش کانپنے لگتا ہے ؎

نالۂ گنہگاراں کا اثر

؎ چوں برآرند از پشیمانی حنیں
عرش لرزد از امین المذنبیں
آنچناں لرزد کہ مادر بر ولد
دست شاں گیرد بالا می کشد
(عارف رومیؒ)

"جب یہ لوگ ندامت و توبہ کے سبب آوازِ نالہ نکالتے ہیں تو عرش کانپنے لگتا ہے، گنہگاروں کی آوازِ گریہ سے، اور ایسا کانپتا ہے جیسے ماں اپنے بچہ پر کانپ اٹھتی ہے جب وہ روتا ہے، پس عرش اس وقت اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے، اور اوپر کھینچ لیتا ہے جیسے ماں بچہ کو گود میں لے لیتی ہے، اور عرش ان سے کہتا ہے کہ اے لوگو تم کو خدا تعالیٰ نے دنیا اور شیطان کے دھوکہ سے چھڑا دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء برائے طلب گریہ وزاری

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ عَیْنَیْنِ ھَطَّالَتَیْنِ تَسْقِیَانِ الْقَلْبَ بِذُرُوْفِ الدَّمْعِ مِنْ خَشْیَتِکَ قَبْلَ اَنْ تَکُوْنَ الدُّمُوْعُ دَمًا وَالْاَضْرَاسُ جَمْرًا ۔

" حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ مجھے ایسی آنکھیں برسنے والی عطا فرما دیجیے جو آپ کے خوف سے اپنے آنسو برسا کر میرے دل کو سیراب کریں قبل اس کے کہ آنسو خون ہو جائیں اور ڈاڑھیں انگارے ہو جائیں، اور آنکھیں کب روتی ہیں، جب دل روتا ہے تب محبت میں شدت آتی ہے۔

حضرت رومیؒ فرماتے ہیں :۔

عاشقی پیداست از زاریِ دل
نیست بیماری چو بیماری دل
اے دریغا اشک من دریا بُدے
تا نثارِ دلبرِ زیبا شدے
نعرۂ مستانہ خوش می آیدم
تا ابد جاناں چنیں می بایدم

(عارف رومیؒ)

۱۔ "عاشقی ظاہر ہوتی ہے زاری دل سے اور دل کی بیماری عشق جیسی کوئی بیماری نہیں ہے۔ ۲۔ اے کاش میرے آنسو دریا ہو جاتے، تاکہ اس دلبر زیبا پر نثار ہوتے۔ ۳۔ نعرۂ مستانہ مجھے بہت اچھا معلوم ہوتا ہے، اے محبوب تا ابد میں اسی طرح چاہتا ہوں۔"

ایک عربی شاعر کہتا ہے ؎

سَهَرُ الْعُيُوْنِ لِغَيْرِ وَجْهِكَ ضَائِعٌ
وَبُكَائُهُنَّ بِغَيْرِ فَقْدِكَ بَاطِلٌ

"غیر حق کے لئے آنکھوں کا بیدار رہنا بیکار اور لغو ہے، اصلی جاگنا تو وہ ہے کہ آپ کے چہرۂ مبارک کو دیکھتا رہے، اور اسی طرح غیر حق کے لئے رونا باطل ہے، اصلی رونا تو وہ رونا ہے جو آپ کی جدائی کے غم سے رویا جائے۔"

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ؎

مردم ازیں الم کہ نہ مردم برائے تو
اے خاک برسرم کہ نشد خاک پائے تو
من کیستم کہ بہر تو جاں را فدا کنم
اے صد ہزار جانِ مقدس فدائے تو
غم نیست گر ز مہر تو دل پارہ پارہ شد
اے کاش ذرہ ذرہ شود در ہوائے تو
می خواہم از خدا بدعا صد ہزار جاں
تا صد ہزار بار بمیرم برائے تو

۱۔ "میں اس غم سے مُردہ ہوں کہ آپ کے لئے کیوں نہ قربان ہوا،

اور خاک پڑے میرے سر پر کہ یہ سر آپ کا خاکِ پا نہ ہوا۔

۲۔ "میں کیا حیثیت رکھتا ہوں کہ آپ پر فدا ہوں، آپ کی ذات پاک پر تو لاکھوں مقدس جانیں قربان ہیں۔"

۳۔ "وہ غم، غم کہلانے کا مستحق نہیں جب تک کہ آپ کی محبت سے دل پارہ پارہ نہ ہو اے کاش دل آپ کی محبت میں ذرہ ذرہ ہو جائے۔"

۴۔ "میں خدا تعالیٰ سے صد ہزار جان دعا میں مانگتا ہوں تاکہ صد ہزار بار آپ کی رضا کے لئے قربان ہوں۔"

درحقیقت محبت کے لائق صرف حق تعالیٰ ہی کی ذات ہے، کیونکہ صرف انہی کی ایک ایسی ذات ہے جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔

فانی سے محبت کا انجام

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ اَحْبِبْ مَنْ شِئْتَ فَاِنَّكَ مُفَارِقُهٗ۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ "تم جس سے چاہو محبت کرو، پس تحقیق کہ تم اس سے جدا ہونیوالے ہو" یا تم پہلے چل بسو گے یا وہ پہلے چل بسے گا ؎

یہ چمن یونہی رہے گا اور ہزاروں جانور
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے

دین بڑی لذیذ نعمت ہے تجربہ کر کے کوئی دیکھ لے، لذتِ ایں می نہ شناسی بخدا تا نہ چشی، اس شہادت کی لذت نہیں پہچان سکتے ہو بخدا جب تک اُسے تم چکھ نہ لو، دنیا ہی میں جنت کا لطف

شروع ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جس بندے سے خوش ہوتے ہیں تو اُس بندے کو بھی خوش فرما دیتے ہیں

اللہ تعالیٰ کی خوشی اور رضا مندی تو حاصل ہی ہوتی ہے لیکن تم بھی خوش ہو جاؤ گے، میاں جس سے راضی ہوتے ہیں تو اس کو بھی خوش کر دیتے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں:۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ "اللہ ان سے یعنی صحابہؓ سے راضی ہو گیا اور یہ لوگ بھی اللہ سے راضی ہیں۔"

اہل اللہ فاقے اور پیوندی لباس میں بھی خوش اور مطمئن رہتے ہیں!

ظاہری تکلیف بھی سہی فاقہ اور پیوندی لباس بھی سہی لیکن دل ان کا مطمئن ہے، کس سبب سے مطمئن ہے، ذکر اللہ کی غذا سے روحانی سے مطمئن ہے، حق تعالیٰ کی محبت سے ان کی سمجھ نورانی ہوتی ہے، یہ دل کو سمجھا لیتے ہیں کہ میرا پیدا کرنے والا مجھے اسی حال میں رکھنا پسند کرتا ہے، اور اسی میں میرا نفع ہے، کیونکہ وہ ہمارے پالنے والے ہیں، وہ رب العالمین ہیں تو رحمٰن و رحیم بھی ہیں، بڑی رحمت سے پرورش فرماتے ہیں، اور وہ حکیم مطلق بھی ہیں، جو خواہشات

ہمارے لئے مضر ہیں خواہ ضرر دنیوی کے اعتبار سے یا ضرر اخروی کے اعتبار سے، ان کی حکمت اور رحمت ان خواہشات کے اسباب سے ہم کو دور رکھتی ہے، اگر دنیا کا کوئی کافر ڈاکٹر بھی ہمیں مشورہ دیتا ہے کہ تمہارے لئے مثلاً تین وقت کا فاقہ ضروری ہے ورنہ سخت ضرر کا اندیشہ ہے، ہم بے چون وچرا خوشی خوشی فاقے کر لیتے ہیں، اس معالج سے غلطی کا بھی احتمال ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی ذات تو پاک ہے، حق تعالیٰ کا ہر تصرف بندوں کے ساتھ عین حکمت ہے، اور یہ حکمت عین رحمت ہے، اللہ والوں کو اللہ تعالیٰ ہر حال میں خوش رکھتے ہیں، جب اللہ تعالیٰ راضی ہو جاتے ہیں تو ان کی رضا کا پرتو اس مقبول بندہ کے قلب پر پڑتا ہے جس کے فیض سے یہ بھی ہر وقت خوش رہتا ہے۔

مقبول بندوں کو انتقال کے وقت حق تعالیٰ کی طرف سے بشارت

اور جب اس مقبول بندہ کا چل چلاؤ کا وقت ہوتا ہے تو ارشاد فرماتے ہیں:۔ یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ "اے اطمینان والی رُوح!" سبحان اللہ، اس خطاب میں حق تعالیٰ نے بتادیا کہ میرے اس مقبول بندہ کو میری یاد کی برکت سے دنیا ہی میں اطمینان حاصل تھا اِرْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ "تو اپنے پروردگار کی طرف چل" رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً "اس طرح سے کہ تو اللہ سے خوش

اور اللہ تجھ سے خوش ہے۔"

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ میں تو اپنی خوشی کو مقدم فرمایا تھا، اور اب چل چلاؤ کا وقت ہے تو بندے کی خوشی کو مقدم فرمایا ہے، جس میں یہ لطیف اشارہ بتادیا کہ اب تک تو میری مرضیات کا تابع تھا، اور اپنی خوشی کو میری خوشی پر قربان کرتا تھا، اب عالم بدل رہا ہے، اب صرف تیری خوشی رہے گی، اب تجھے اتنا دوں گا کہ تیری خوشی تھک جائے گی اور میری عطا دینے سے نہ تھکے گی، چنانچہ جنت میں مومن کی ہر خواہش پوری ہوگی۔

ف ۱۔ اُن آیتوں کی یہ تفسیر نہیں ہے، کیونکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ یہ خطاب قیامت کے دن ہوگا، جیسا کہ قرینۂ مقام بتاتا ہے البتہ بعض روایات میں آیا ہے کہ مرنے کے وقت مؤمن سے یہ کہا جاتا ہے، لیکن ان روایات میں نہ تو تفسیر اس آیت کی مقصود ہے اور نہ وقتِ موت کی تخصیص، پس یہاں جو مضمون ان آیتوں سے متعلق ہے وہ حدیثوں سے ماخوذ ہے۔

ہر بندے کے ساتھ حق تعالیٰ کا الگ معاملہ ہے

دنیا میں بندے ہر طرح کے ہیں کوئی راحت میں ہے کوئی تکلیف میں ہے، ہر بندہ کے ساتھ حق تعالیٰ کا معاملہ الگ ہے، ہر ایک کے ساتھ تربیت کا جداگانہ تعلق ہے، جس طرح شفاخانہ میں

بہت سے مریض آتے ہیں، مگر ہر مریض کا نسخہ الگ ہوتا ہے، کسی کے لئے کوئی دوا کسی کے لئے کوئی دوا۔

بگوش گل چہ سخن گفتہ کہ خنداں است
بہ عندلیب چہ فرمودہ کہ نالاں است

آپ نے پھول کے کان میں کیا کہہ دیا ہے کہ وہ خنداں ہے، اور آپ نے بلبل سے کیا بات فرما دی ہے کہ وہ نالاں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات ظلم سے پاک ہے، جس کے ساتھ جو معاملہ ہے وہی عینِ رحمت ہے۔ اور وہی عین حکمت ہے، خواہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے، جس طرح دنیا میں معالج کی تجویز کا سمجھ میں آنا ضروری نہیں۔

عالمِ حادث عالمِ غیب کا نمونہ ہے

پس اس عالم کے اندر جو نمونے حق تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں وہ سب عالمِ غیب کے کارخانے کے پرتو ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ عالمِ شہادت یعنی دنیا عالمِ غیب کا نمونہ ہے، حق تعالیٰ کے تصرفات سے راضی رہنا ہی عین عقل ہے اور یہی عینِ عبدیت ہے، عارفین کے اندر رضا بالقضا تفویض اور تسلیم کی شان غالب ہوتی ہے، ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایسے موقع پر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں ؛ بلبل چہ گفت چہ شنید و صبا چہ کرد

"یہ کس کا حوصلہ ہے کہ باغباں سے دریافت کرے کہ
بلبل نے کیا کہا پھول نے کیا سنا اور صبا نے کیا کیا"

بندوں کا کام بندگی ہے چون وچرا نہیں

دنیا میں ہم چون وچرا کے لئے پیدا نہیں فرمائے گئے، ہم بندے ہیں اور بندگی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، یہ تمام اشکالات و اعتراضات اسی وقت تک ہیں جب تک محبت نہیں پیدا ہوتی، ورنہ محبت تو ذکر محبوب سے فرصت ہی نہیں دیتی، عاشق کی شان تو یہ ہوتی ہے۔

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
اِلّا حدیثِ یار کہ تکرار می کنیم

"جو کچھ ہم نے پڑھا تھا سب فراموش کر بیٹھے، مگر اب محبوب کا ذکر ہے اور اسی کا تکرار کرتا ہوں"

حضرت خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

اب بھی مجذوب جو محروم پذیرائی ہے
کیا جنوں میں ابھی آمیزشِ دانائی ہے

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ عجیب شانِ وجد سے فرمایا کرتے تھے ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم
از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

"ہم نے سکندر اور دارا کا قصہ نہیں پڑھا ہے۔ ہم

سے بجز مہر و وفا کی حکایت کے کچھ نہ پوچھو"

مجنوں کی حکایت

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مجنوں کی ایک حکایت لکھی ہے، ایک شخص نے دریا کے کنارے مجنوں کو دیکھا کہ ریت پر اپنی انگلی سے کچھ لکھ رہا ہے، اس نے دریافت کیا کہ اے مجنوں! کیا لکھ رہے ہو؟ ؎

گفت اے مجنون شیدا چیست ایں
می نویسی نامہ بہرِ کیست ایں

اے مجنونِ شیدا یہ کیا کر رہے ہو کس کے لئے یہ خط لکھ رہے ہو؟

مجنوں نے جواب دیا ؎

گفت مشقِ نامِ لیلیٰ می کنم
خاطرِ خود را تسلی میدہم

"مجنوں نے جواب دیا کہ لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں اور اسی طرح سے اپنے دل کو تسلی دیتا ہوں"۔ جب ایک مردار کی محبت میں یہ حال ہو جاتا ہے، تو

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند
صاف گر باشد ندانم چوں کند
عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود
گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

عشق مولیٰ، لیلیٰ سے کب کم ہو سکتا ہے، ان کے لئے گیند بن جانا اَوْلیٰ ہے، یعنی جس طرح گیند لوگوں کے پیروں سے ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہے اسی طرح حق تعالیٰ کی محبت میں دربدر پھرنا زیادہ اَوْلیٰ ہے۔

حق تعالیٰ کی محبّت میں عجیب لذّت ہے

حق تعالیٰ کی محبت میں عجیب لذت ہے، دنیا میں اس لذت کے مقابلہ میں کوئی لذت نہیں ہے، یہی لذت عارفین کو سارے جہان سے بے پرواہ کر دیتی ہے، لیکن اس بے پرواہ سونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ لوگوں کے ساتھ اَخلاق میں بے پروائی برتتے ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے قلب میں کسی مخلوق سے ہراس اور طمع کا تعلق نہیں ہوتا ؎

موحّد چہ بر پائے ریزی زرش
چہ فولاد ہندی نہد بر سرش
امید و ہراسش نباشد زکس
ہمین است بنیاد توحید و بس

توحید جس کے قلب میں راسخ ہو جاتی ہے تو اس کے پاؤں پر خواہ تو سونے کا ڈھیر رکھدے یا اس کے سر پر ہندی تلوار رکھدے لیکن وہ سونے کی طمع سے یا ہندی تلوار کے خوف سے توحید سے ہٹ نہیں سکتا، توحید کی قوت کے فیض سے موحّد کو نہ کسی سے امید ہوتی ہے، نہ کسی سے ہراس ہوتا ہے اور اسی

پر توحید کی بنیاد ہے، حق تعالیٰ کے ساتھ جب رابطہ قائم ہو جاتا ہے تو وہی گدڑی والا بزبانِ حال یہ کہتا ہے ؎

زرُخ زرینِ من منگر کہ پائے آہنی دارم
چہ می دانی کہ در باطن چہ شاہے ہمنشیں دارم

"اے شخص میرے زرد چہرے کو مت دیکھ، کیونکہ میں آہنی پیر رکھتا ہوں، اے مخاطب تجھ کو کیا معلوم کہ میں اپنے باطن میں کس شہنشاہِ حقیقی کو ہمنشین رکھتا ہوں۔"

حضرت عارف رُومیؒ فرماتے ہیں ؎

رُو بہے کہ ہست اورا شیر پشت
بشکند کلّہ پلنگا را بمشت

"جس لومڑی کو شیر کا سہارا نصیب ہو گیا تو وہ چیتے کا کلّہ ایک گھونسہ سے پھاڑ دیتی ہے۔"

پس یہی بندۂ ضعیف اور عاجز جب اپنے باطن میں حق تعالیٰ شانہٗ سے رابطہ قائم کر لیتا ہے تو اس کی ہمت اور اس کا حوصلہ عام انسانوں سے ممتاز ہو جاتا ہے، اسی روحانی قوت کے متعلق مولانا فرماتے ہیں کہ اہل اللہ بظاہر تو شکستہ حال ہوتے ہیں لیکن ؎

ضعفِ قلب از تن بود رُوح نے
ضعف در کشتی بود در نوح نے

"یہ ضعف صرف ان کے جسم میں ہوتا ہے ان کی روح میں ضعف نہیں ہے، ضعف صرف کشتی میں ہے حضرت نوح علیہ السلام میں نہیں ہے۔"

یہی باطنی قوت جو فیضِ توحید سے عطا ہوتی ہے اللہ والوں کو ماسوا اللہ سے مستغنی رکھتی ہے۔

حضرت غوث پاکؒ کا واقعہ

حضرت غوث بڑے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جب شاہِ سنجر نے خط لکھا کہ حضرت آپ کی خانقاہ کا بڑا خرچ ہے اگر اجازت ہو تو میں آپ کے لئے ملک نیمروز وقف کر دوں؟ تو کس استغناء کے ساتھ دو شعر لکھ کر بھیج دیئے ؎

چوں چترِ سنجری رُخِ بختم سیاہ باد
گر در دلم بود ہوسِ ملکِ سنجرم
آنگہ کہ یافتم خبر از ملکِ نیم شب
من ملکِ نیمروز بیک جو نمی خرم

"مثل شاہ سنجر کے چتر کے میرا نصیبہ سیاہ ہو جائے اگر میرے دل میں ملکِ سنجر کی ہوس داخل ہو، جس وقت سے کہ میں نے آدھی رات کی سلطنت کی خبر پالی ہے میں ملکِ نیمروز کو ایک جَو کے عوض میں نہیں خرید سکتا۔"

اللہ والوں کی شکستہ حالی کا سبب اللہ کی محبت ہے۔

عشق سب آرائش و زیبائش کو ختم کر دیتا ہے

یہ محبت کے لوازم سے ہے، جب دل میں عشقِ حق آتا ہے تو بدن کی آرائش اور زیبائش کی فرصت نہیں دیتا ؎

سہ نشانی عاشقاں را اے پسر
آہ سرد و روئے زرد و چشم تر

عاشقوں کی تین نشانیاں ہیں، آہ سرد، چہرہ زرد اور چشم تر۔

حضرت حاجی صاحبؒ کے تین شعر

حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

رُخ سے کاکل ہٹا دیا کس نے
رات کو دن بنا دیا کس نے
حُسن لیلیٰ دکھا کے اے امداد
مجھ کو مجنوں بنا دیا کس نے

اور فرماتے ہیں :-

بس ہے اپنا ایک نالہ بھی اگر پہنچے وہاں
گرچہ کرتے ہیں بہت سے نالہ و فریاد ہم

حق تعالیٰ کی عظمت کا استحضار اللہ والوں کو مٹا دیتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فنائیت اور عبدیت کاملہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ "اگر تمہیں یہ دیکھنا منظور ہو کہ مُردہ زمین پر چل رہا ہے تو میرے ابوبکر صدیق کو دیکھو" اللہ اکبر! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق کس قدر بلند عبدیت کی خوش خبری فرمائی ہے،

یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت کا کس درجہ قوی استحضار حضرت صدیق اکبرؓ کو نصیب تھا کہ جس نے آپ کو اپنی ہستی سے اس درجہ بے خبر کر دیا تھا، یعنی جس طرح مردہ بدست زندہ کا حال ہوتا ہے اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ تفویض اور تسلیم کا حال غالب ہو کر مقام بن گیا تھا۔

حضرت عزرائیل علیہ السلام پر غلبۂ عظمتِ الٰہیہ کا اثر

تفسیر خازن میں لکھا ہے کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام پر جب حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت و جلالت کا ظہور ہوتا ہے تو سکڑ کر مثل چڑیا گوریا ہو جاتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ایک روایت

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں :۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَدِّثُنَا وَنُحَدِّثُهُ فَاِذَا حَضَرَتْهُ الصَّلٰوةُ كَاَنَّهٗ لَمْ يَعْرِفْنَا وَلَمْ نَعْرِفْهُ .

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے باتیں کرتے مگر جب نماز کا وقت آجاتا تو آپ کی یہ حالت ہو جاتی کہ گویا نہ آپ ہم کو پہچانتے ہیں اور نہ ہم آپ کو پہچانتے ہیں۔"

اور ایک روایت میں ہے کہ :۔

وَاِذَا سَمِعَ الْاَذَانَ كَاَنَّهٗ لَا يَعْرِفُ اَحَدًا مِنَ النَّاسِ .

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اذان سنتے تو آپ کی یہ حالت ہو جاتی کہ گویا آپ کسی کو بھی نہیں پہچانتے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص اوقاتِ قرب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرب کے بعض اوقات ایسے گذرتے تھے کہ آپ بجز ذاتِ حق کے کسی کو نہ پہچان سکتے تھے

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا واقعہ

چنانچہ ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ اس وقت حق تعالیٰ کی معیت اور قرب کی تجلیات میں محو تھے، غلبۂ حضور مع الحق کا یہ عالم تھا کہ آپ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو پہچان نہ سکے، اور دریافت فرمایا کہ مَنْ اَنْتِ تو کون ہے؟ عرض کیا اَنَا عَائِشَةُ میں عائشہ ہوں، پھر بھی حضورؐ نے نہ پہچانا لہذا پھر دریافت کیا کہ مَنْ عَائِشَةُ عائشہ کون؟ عرض کیا بِنْتُ اَبِیْ بَكْرٍ ابوبکر کی بیٹی۔ پھر بھی آپ کو اس حالت سے افاقہ نہ ہوا، دریافت فرمایا کہ مَنْ اَبُوْ بَكْرٍ ابوبکر کون ہیں؟ عرض کیا اِبْنُ اَبِیْ قُحَافَةَ ابوقحافہ کے بیٹے۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ مَنْ اَبُوْ قُحَافَةَ ابوقحافہ کون؟ تب حضرت عائشہ صدیقہ پر دہشت اور خوف کا غلبہ ہوا، اور چپکے سے

واپس ہوگئیں۔

پھر جب آپؐ کو اس حالت سے افاقہ ہوا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے سب ماجرا کہہ سنایا، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ میرے اور میرے اللہ کے درمیان ایک مخصوص وقت ہوتا ہے اس وقت میں مجھے ایسا قرب نصیب ہوتا ہے کہ اس مقامِ قرب میں نہ تو کسی نبی مرسل کی رسائی ہو سکتی ہے اور نہ کسی مقرب فرشتہ کی ؎

ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربطِ خفی سے
معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے

؎ نمودِ جلوۂ بے رنگ سے ہوش اس قدر گم ہیں
کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالتِ خشیّت نماز میں

حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے تو استحضارِ عظمتِ حق سے آپ کے قلب سے ایسی آواز آتی تھی جیسے کوئی ہانڈی جوش کر رہی ہو۔

یُسْمَعُ لِصَدْرِہٖ اَزِیْزٌ کَاَزِیْزِ الْمِرْجَلِ (الحدیث)

حضورؐ کی شانِ عبدیّت

اس درجۂ قرب اور رفعتِ شانِ رسالت کے باوجود آپؐ کی شانِ عبدیت یہ تھی کہ آپؐ بکثرت استغفار فرمایا

کرتے تھے ، ارشاد فرماتے ہیں :-

اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ	"حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد
فَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِي	فرماتے ہیں کہ میرے قلب پر بھی
الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ	غبار چھا جاتا ہے ، سو شب و روز
سَبْعِيْنَ مَرَّةً ۔	میں ستر بار استغفار کرتا ہوں"

ہمارے حضرت مرشد پاکؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ منتہی پر بھی تغیرات طاری ہوتے ہیں جو اس کی شان کے مناسب ہوتے ہیں ، اسی تغیرِ احوال کی وجہ سے ایک بار حضرت حنظلہ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کو اپنے اوپر نفاق کا شبہ ہو گیا اور دونوں حضرات گھبرائے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس پاک میں حاضر ہوئے ، اور عرض کیا یا رسول اللہ جب ہم لوگ آپ کی مجلس میں ہوتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا جنت اور جہنم ہماری آنکھوں کے سامنے ہے ، اور جب ہم اپنے بال بچوں میں مشغول ہو جاتے ہیں تو ایمان کی وہ کیفیت باقی نہیں رہتی ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہی حالت باقی رہے جو ہمارے پاس رہتی ہے تو ملائکہ تم لوگوں سے مصافحہ کرنے لگیں ، تمہارے بستروں پر اور تمہارے راستوں پر ، لیکن ساعۃً کذا و ساعۃً کذا ، یعنی کبھی یہ حالت مناسب ہے ، کبھی وہ حالت مناسب ہے ۔ اگر ہمیشہ ایک ہی حالت قائم

رہے تو انتظام معاش وغیرہ منہدم ہو جاتے، یعنی یہ تغیرِ احوال کچھ مضر نہیں ہے، بلکہ اسی میں حکمت ہے، اسی کو حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینیم ؛ گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینیم
اگر درویش بر حالے بماند ؛ سرِ دست از دو عالم بر فشاند

سو سالک کو تغیرِ احوال سے تنگ دل نہ ہونا چاہئے جب تک وہ معاصی تک نہ پہنچا دیں اور معاصی سے بچنا امر اختیاری ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ کا یہ تغیر دوسرے سالکین کے تمکن سے بھی ارفع ہے، مگر آپؐ کے تمکن کے مقابلہ میں تغیر ہے۔

تقریر اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ

نیز آپؐ کے ارشاد پاک اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ میں جو غین مذکور ہے وہ مانع یا منقص تجلی نہیں ہے، کیونکہ وہ تجلی جو آپ کے قلب پر ہوتی ہے اس قدر قوی النور ہے کہ خود اس غین کو بھی منور کر دیتی ہے۔ چنانچہ ظاہر بھی ہے کہ وہ تعلقات اور توجہات اِلی الخلق جو مصداق ہیں اس غین کا اور عامۂ مومنین کے لئے ساترِ تجلیات ہیں آپ کے لئے موجب زیادت قرب اور عین طاعت تھے، پس خود ان کی ظلمت جو اُن کی اصل وضع کا مقتضا تھا بالکلیہ محو ہو گئی اور یہی حکم سب انبیاء علیہم السلام کے لئے عام ہے، بخلاف اولیا کے کہ اُنکے لئے حجب بشریہ کسی وقت ساترِ تجلیات ہوتے ہیں گو قوی الستر نہ ہوں۔ (از کلید مثنوی دفتر ششم صفحہ ۱۸۸)

حضرت گنگوہیؒ کی تحقیق کہ حضورؐ کا استغفار کن اُمور سے تھا

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مغفرت چاہنا کس بات سے تھا کہ آپ کی ذات مبارکہ معصوم تھی

تو حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ بات یہ ہے کہ قرب کے درجات ہوتے ہیں جن کی حد نہیں ہے، نہ نبوّت کے درجاتِ قرب ختم ہوتے ہیں نہ ولایت کے، پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار فرمانا کسی معصیت سے نہ تھا، بلکہ آپ کو جو ترقی درجاتِ قرب میں عطا ہوتی تھی تو ماسبق کے اعتبار سے استغفار فرماتے تھے یعنی قرب کا ماسبق کا درجہ مابعد کے درجہ سے کمتر معلوم ہوتا تھا، اور خیال ہوتا تھا کہ اب تک کونسی چیز قرب کے اس درجۂ عالی پر پہنچنے میں مانع تھی، پس آپ اس چیز کو ذنب سے تعبیر فرما کر استغفار فرماتے تھے، یہ حضرات مغزِ دین جانتے تھے۔

قرب کے درجات کے غیر متناہی ہونے کا ثبوت

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا کی آیت سے

قرب اور یقین کے غیر متناہی مراتب کا ثبوت اس آیت سے ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا "اے ایمان والو ایمان لاؤ"

ہمارے مرشد پاک حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر "بیان القرآن" کے حاشیہ "مسائل السلوک" میں اس آیت کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ ایمان لانے والوں کو ایمان لانے کا حکم فرمانا بظاہر تحصیل حاصل معلوم ہوتا ہے کیونکہ جب ایمان قلب میں موجود ہے تو پھر ایمان لانے کا حکم کیوں ہوا ہے۔

تو اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ یقین کے مراتب بہت ہوتے ہیں، اتنے مراتب ہیں کہ ان کا احاطہ محال ہے، بمعنی لَا تَقِفْ عِنْدَ حَدٍّ، کیونکہ حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات پاک اور اس کی صفتیں غیر محدود ہیں، پس مؤمنین سے ایمان لانے کا امر اس اعتبار سے ہے کہ فی الحال قلب میں جو درجہ یقین کا حاصل ہے اس کے اوپر کے مرتبہ کی تحصیل کی کوشش کرتے رہو، اسی کو حضرت عارف رومی فرماتے ہیں :۔

اے برادر بے نہایت در گہیست
آنچہ بروے می رسی بر وے مایست

"اے برادر حق تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب کے غیر متناہی مراتب ہیں جس مقام قرب پر تم اس وقت فائز ہو اس پر قناعت کر کے ٹھہر نہ جاؤ بلکہ اس کے اوپر کے مراتب کی فکر میں لگ جاؤ۔"

اصلی علم اور اصلی فکر کیا ہے

اصلی علم اور اصلی فکر یہ ہے جو بندوں کو اللہ تک پہنچا دے، ؎

فکر آں باشد کہ بکشاید رہے ؛ راہ آں باشد کہ پیش آید شہے

" اصلی فکر وہ ہے کہ راستہ کھول دے اور اصلی راہ وہ ہے جو شہنشاہِ حقیقی یعنی حق تعالیٰ تک پہنچی ہوئی ہو۔

ایہا القوم الذی فی المدرسہ
کل ما حصلتموہ وسوسہ
علم نبود غیر علم عاشقی
ما بقی تلبیس ابلیس شقی

" حضرت عارف رومی فرماتے ہیں کہ اے وہ قوم جو مدرسہ میں صرف درس و تدریس پر مطمئن ہے جو کچھ تم لوگوں نے حاصل کیا وہ سب وسوسہ ہے، کیونکہ علم حقیقی تو صرف وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کردے، اور جس علم نے حق تعالیٰ کی محبت قلب میں نہ پیدا کی وہ سب ابلیس شقی کا آلۂ مکر ہے "

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ عالم بے عمل کے پاس بیٹھنا بھی مضر ہے۔

طلباء اور مدرسین کیلئے حضرت تھانویؒ کا ارشاد!

ہمارے حضرت مرشدؒ فرمایا کرتے تھے کہ طلباء کو چاہئے کہ جب مدارس سے فارغ ہوں تو کم از کم چھ ماہ کسی اللہ والے کی صحبت میں رہ پڑیں، تاکہ جو کچھ مدرسہ میں حاصل کیا ہے اس پر عمل کرنے کی ہمت اور قوت قلب میں پیدا ہو جاوے، دین فقط کتابوں کے نقوش کا نام نہیں ہے۔

آجکل اہلِ علم اعمال سے غافل کیوں ہیں؟

مولینا سید سلیمان صاحب ندویؒ پہلے تو ہمارے حضرات سے کچھ مستغنی سے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق عطا فرمائی، تھانہ بھون حاضر ہوئے اور حضرت والا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم سے فائدہ حاصل کرکے فرمایا کہ افسوس اب تک میں کیوں محروم رہا، میں تو سمجھتا تھا کہ مجھے کچھ آتا ہے، مگر حضرت تھانویؒ کے علوم کے سامنے تو میں بالکل جاہل معلوم ہوتا ہوں۔

پھر تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ایک والہانہ تعلق ہوگیا، بفضل الٰہی سید صاحب مجاز بیعت بھی ہوگئے، پھر ایسی نورانی سمجھ عطا ہوئی کہ ایک بار کسی نے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے کہ مدارس کے طلبار اس زمانہ میں عملی کوتاہیوں میں مبتلا ہیں؟

تو بہت عمدہ جواب دیا، فرمایا کہ "دین مجموعہ ہے دو جز کا، ایک علمِ نبوت اور دوسرے نورِ نبوت، چونکہ طلبار علم نبوت تو حاصل کرتے ہیں اور اللہ والوں سے نورِ نبوت نہیں حاصل کرتے، اس لئے علم پر قوتِ عملیہ سے محروم رہتے ہیں"

حق تعالیٰ نے میرے قلب میں اس کی تائید میں قرآن پاک کی ایک آیت ڈالی ہے جس سے اس مضمون کی تائید اور تفصیل ہوجاتی ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ۔ "اے لوگو! تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا ہے اور کتاب مبین نازل ہوئی ہے"

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرات صحابہؓ نے کتاب کی تعلیم حاصل کی یعنی علمِ نبوت بھی حاصل کیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ سے انوارِ نبوّت کو بھی اپنے سینوں میں حاصل کیا، علمِ نبوت کے نقوش تو کتابوں میں سے لئے جا سکتے ہیں، لیکن انوارِ نبوت کا محل کاغذ نہیں بن سکتا، نور کا محل تو مومن کا قلب ہی ہو سکتا ہے، پس علومِ نبوت تو کتابوں سے کتابوں میں منتقل ہوتے آرہے ہیں، اور انوارِ نبوّت سینوں سے سینوں میں منتقل ہوتے آرہے ہیں، اسی کو حضرت خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

جو آگ کی خاصیّت وہ عشق کی خاصیّت
اک خانہ بخانہ ہے اک سینہ بسینہ ہے

حدیث پڑھنے اور پڑھانے کا لطف کب ہے

ہمارے حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ حدیث پڑھنے کا لطف تو جب ہی آتا ہے جب شاگرد بھی صاحب نسبت ہو اور استاد بھی صاحب نسبت ہو، طلباء میں جو عملی کوتاہیاں زیادہ بڑھتی جارہی ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ اس زمانہ میں طلباء صرف علم نبوّت مدارس میں حاصل کر لیتے ہیں، اور نورِ نبوت کو کسی صاحب نسبت بزرگ سے نہیں حاصل کرتے، پس کیوں نہ دین ادھورا رہے۔

دین کامل تو اسی وقت نصیب ہو سکتا ہے جبکہ اس کے دونوں اجزاء حاصل کئے جائیں، یعنی علمِ نبوت بھی حاصل کریں اور بعد میں کسی صاحبِ نور سے نورِ نبوّت بھی حاصل کریں، ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ اکثر جج اکبر

الٰہ آبادی کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

(اکبر الٰہ آبادی)

جج اکبر الٰہ آبادی مرحوم کے یہاں ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے تھے، دیندار آدمی تھے، اور بڑے ظریف الطبع تھے، صحبت اہل اللہ کی ترغیب میں نوجوان طبقہ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں ؎

نہیں سیکھا انھوں نے دین رہ کر شیخ کے گھر میں
پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں (اکبر الٰہ آبادی)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار فرمانے پر جو تحقیق فرمائی ہے یہی تحقیق ہمارے حضرت والا کی بھی ہے، حضرت نے تفسیر بیان القرآن میں تحریر فرمایا ہے کہ :-

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ
میں ذنب سے کیا مراد ہے

حق تعالیٰ نے سورۂ فتح پ ۲۶ میں جو ارشاد فرمایا ہے کہ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ، "تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف کردے"، تو یہاں خطا سے مراد معصیت نہیں ہے، یہاں ذَنْبٌ سے مراد ذنب مجازی ہے، کیونکہ ہر نبی معصوم ہوتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فعل عبادت تھا، اور آپ کے لئے جس فعل کو ترک کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے تو اس فعل متروک سے دوسرا فعلِ مامور زیادہ عبادت

تھی ، پس جس عبادت سے اعلیٰ عبادت کی طرف آپ کو متوجہ فرمایا گیا تو اس اعلیٰ کے مقابلہ میں ماسبق کو حق تعالیٰ شانہٗ نے مجازاً ذنب فرما کر اس کی مغفرت کی بشارت دیدی تاکہ آپ کو قلق نہ رہے ، ورنہ مقربان را بیش بود حیرانی کے تحت آپ ملول خاطر ہوتے ۔

حضرت آدم علیہ السلام کا عصیان نسیان تھا

حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق حق تعالیٰ شانہٗ نے جو ارشاد فرمایا ہے کہ عَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی " اور آدم علیہ السلام سے اپنے رب کا قصور ہو گیا سو غلطی میں پڑ گئے " ۔

تو اس کا جواب حضرت مولٰینا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ارشاد فرمایا ہے فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا " سو اُن سے غفلت ہو گئی اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی "

اب یہ سوال ہوتا ہے کہ جب نسیان تھا تو اس کو عصیان سے تعبیر کیوں فرمایا تو اس کا جواب حق تعالیٰ شانہٗ نے بہت عجیب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فیض سے میرے دل میں ڈالا ہے ، جس کے اندر طریق اور سلوک سے متعلق ایک لذیذ اور نافع تقریر ہے ، اور حضرت مولٰینا قاسم صاحب نانوتویؒ کی تائید مذکور سے اس کے بیان کی ہمت بھی ہو گئی ، جب اکابر سلف کی تائید ہو جاتی ہے تو قلب کو اطمینان ہو جاتا ہے ، تقریر یہ ہے :-

حضرت آدم علیہ السلام کے نسیان کو عصیان سے تعبیر فرمانے پر ایک عجیب تقریر

نسیانِ حضرت آدم علیہ السلام کو عصیان سے تعبیر فرمانے کے ساتھ

حق تعالیٰ نے اپنی صفتِ ربوبیت کا ذکر فرمایا ہے وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ " اور آدم علیہ السلام سے اپنے رب کا قصور ہوگیا "، یہاں رب فرماکر یہ بتادیا کہ نسیان کو عصیان کے عنوان سے تعبیر فرمانے میں حضرت آدم علیہ السلام کی تربیت مقصود ہے، چنانچہ عصیان میں جو شانِ عتاب ہے اس کے استحضار سے حضرت آدم علیہ السلام کے قلبِ مبارک پر ایسی ندامت اور شکستگی طاری ہوئی کہ آپ اس حزن اور ندامت کی راہ سے عبدیت کے اس عالی مرتبہ پر فائز ہوگئے جس مرتبہ پر کہ علم الٰہی میں آپ کو تاجِ خلافت عطا ہونا تجویز ہوا تھا، غلبۂ حزن اور ندامت سے آپ کی عبدیت کے بیج کو پختہ کرنا تھا تاکہ عبدیت آدم علیہ السلام خلافت الٰہیہ کا بار اٹھا سکے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی گریہ وزاری کا اثر

علی آزاد سید عبدالجلیل صاحب بلگرامی نے اپنی کتاب "سبحۃ المرجان" میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام پر جب حق تعالیٰ شانہٗ کا عتاب ظاہر ہوا تو آپ اس قدر روئے کہ آپ کے گریہ وزاری کے آنسوؤں سے چھوٹے چھوٹے چشمے پیدا ہوگئے۔

حضرت مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

تا جبرِ ما جنس درد از راہِ دور آوردہ است
از برائے داغ دل آتش زطور آوردہ است
سیلِ خوں از سینۂ گرمم رواں کردست عشق
نازم اعجازش کہ طوفاں از تنور آوردہ است

پھر حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے جمع شدہ آنسوؤں کے چشموں

سے خوشبو دار پھول کے درخت پیدا فرمائے۔

یہ روایت اگرچہ کہیں حدیثوں میں نہیں دیکھی ہے لیکن انہوں نے کہیں سے اس کو نقل کیا ہوگا، بہرحال کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، کیونکہ یہ آنسو بھی تو بڑے قیمتی تھے۔

علم الٰہی میں تو آپ خلیفۃ اللہ فی الارض بنا کر پیدا ہی فرمائے گئے تھے جیسا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ "اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ میں ضرور بناؤں گا زمین میں ایک نائب"، لیکن یہ خلافت کس راہ سے ملے گی؟ پہلے رُلالیں گے تب دیں گے۔

اس راہ میں صاحب الحزن بہت جلد ترقی کرتا ہے

حضرت مرشد پاکؒ فرمایا کرتے تھے کہ صاحب الحزن بہت جلد حق تعالیٰ کے راستہ کو قطع کرتا ہے، اور جب کسی سالک کا خط آتا کہ حضرت آج کل قبض باطنی سے دل غمگین رہتا ہے تو تحریر فرمادیتے کہ دلگیر نہ ہوں، یہ حالت قبض منجملہ حالاتِ رفیعہ سے ہے، اگر ہمیشہ بسط کی حالت طاری رہے تو انسان عُجب و پندار میں مبتلا ہو جائے۔

تربیت کا مقتضا یہی تھا کہ نسیان کو عصیان سے تعبیر فرمادیا جائے، کیونکہ وہ ربّ بھی ہیں اور حکیم مطلق بھی ہیں، ان کی تربیت حکمت کے ساتھ ہوتی ہے، تربیت کہتے ہیں کسی شے کو تدریجاً اس کے اُس درجۂ کمال کو پہنچادینا جو درجہ کہ علم الٰہی میں بربنا حکمت الٰہیہ اس شے کے لئے تجویز ہو چکا ہے۔

وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ میں جو ربوبیت ہے اسی شان ربوبیت کو حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے قلب مبارک پر منکشف فرمادیا، فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ "بعد ازاں حاصل کرلئے آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند الفاظ" اور عرض کئے: رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ "اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کرلیا، اگر آپ ہماری مغفرت نہ فرمائیں گے اور ہم پر رحم نہ فرمائیں گے تو ہم بڑے ٹوٹے میں پڑ جائیں گے"۔

اس دعا میں بھی صفتِ ربوبیت کی تلقین فرمائی گئی ہے

عجیب لطائف علومِ قرآں کے ہیں
جب چاہتے ہیں پردہ اٹھا دیتے ہیں
مخدراتِ سرا پردہ ہائے قرآنی چہ دلبر اند کہ دل می برند پنہانی

پھر حق تعالیٰ نے صفتِ ربوبیت کے ساتھ ارشاد فرمایا ثُمَّ اجْتَبٰہُ رَبُّہٗ فَتَابَ عَلَیْہِ وَھَدٰی "پھر اُن کے رب نے مقبول بنالیا، سو اُن پر توجہ فرمائی اور راہ پر قائم رکھا"۔

ربوبیتِ الٰہیہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ندامت اور زاری کی راہ سے آپ کے شایانِ شان مرتبۂ عبدیت پر پہنچا کر اس پر خلافت کا تاج رکھ دیا، اتنے مراحل سے گذار کر خلیفۃ اللہ فی الارض کی گیڑی دیری گئی تھی کیسے کیسے امور راہ میں پیش آجاتے ہیں، جس کو مقتدر بناتے ہیں اس کو خوب پختہ کر کے بناتے ہیں تب دوسروں کی رہبری سپرد فرماتے ہیں۔

اب جب سب کام مکمل ہوگیا، یعنی گریہ وزاری سے تربیتِ خاص کی نگرانی میں حضرت آدم علیہ السلام کی عبدیت کامل اور اکمل ہوکر تاج خلافت

سے مشرف ہوگئی تو حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا ہوا کہ اب آپ کی تسلی فرمادی جائے، کیونکہ غلبۂ حزن کی حالت میں بربنا ربشریت خلافت کا کام کماحقہٗ انجام دینے سے اعضاء قاصر رہتے۔

لوازمِ بشریہ کا انفکاک کاملین سے بھی نہیں ہوتا ہے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ لوازم بشریہ کا انفکاک کاملین سے بھی نہیں ہوتا ہے، اسباب خوشی و رنج سے کاملین بھی متاثر ہوتے ہیں، ورنہ جو حکمتیں طبائع بشریہ سے متعلق ہیں مثلاً مسرت پر شکر اور رنج پر صبر و رضا وغیرہ فوت ہو جائیں۔

پس ضرورت ہوئی کہ اب آپ کی تسلی فرما کر آپ کا غم بھلا دیا جائے، اور انبساط کے ساتھ کارِ خلافت کی انجام دہی میں لگ جائیں۔

چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں: ۔ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۔ "آپ کا عصیان تو نسیان تھا، ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ کے قلب میں اس چوک کا ارادہ نہ تھا۔

دنیا میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ بعض طبائع اپنی شرافت کی بناء پر آقا کی ناراضگی سے اس قدر منفعل ہوتی ہیں کہ ان کی شکستگی اور ندامت کو دیکھکر آقا کا کرم جوش میں آجاتا ہے، اور آقا خود سمجھانے لگتا ہے کہ جاؤ بے فکر رہو، خوب دل لگا کر کام کرو وہی غم لئے نہ پڑے رہو، انسان ہی سے غلطی ہو جاتی ہے۔

اسی طرح مقربان بارگاہِ حق اپنی معمولی چوک سے اس قدر منفعل اور شکستہ ہوتے ہیں کہ دوسرے لوگ کبائر کے ارتکاب سے بھی ندامت کے

اس رفیع مقام پر نہیں پہنچتے، جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ مقرب بارگاہ کے سامنے حق تعالیٰ کی عظمت وجلالت اور اپنی ذلت وعبدیت ہوتی ہے، اسی امر کے پیش نظر بزرگوں نے لکھا ہے کہ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ، اور صوفیہ کا قول مشہور ہے مقرباں را بیش بود حیرانی۔

بڑوں کی معمولی چوک کو بھی اہمیت دی جاتی ہے

بڑوں کی معمولی چوک کو بھی اہمیت دی جاتی ہے، جیساکہ حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

وَصْلَتِ عامہ حجاب خاص داں طاعتِ عامہ گناہِ خاصگاں

عوام کا مقامِ قرب خواص کیلئے حجاب ہوتا ہے

حضرت عارفؒ فرماتے ہیں عوام کا مقامِ قرب خواص کے لئے مقامِ حجاب ہے، اور عوام کی عبادت خواص کے لئے معصیت ہے، وصال کا ترجمہ قرب سے اس لئے کیا ہے کہ ؎

قربِ اورا وصال میگویند وصلِ اورا محال میگویند

"ان کے قرب کو مجازاً وصال کہتے ہیں اور ان کے وصل بالمعنی الحقیقی کو محال کہتے ہیں"

عوام کی طاقت چونکہ اخلاص اور خشیت کی روح سے خالی ہوتی ہے اس لئے یہ طاعت عامہ مقربان حق کے لئے معصیت اور گستاخی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو چونکہ مقتدا بنانا تھا، اس لئے شانِ مقتدائیت کا اقتضاء یہ تھا کہ آپ کے نسیان کو عصیان سے تعبیر فرمایا جائے، اس تعبیر سے حضرت آدم علیہ السلام کی رفعتِ شان کا ظہور ہوتا ہے، جیساکہ

حضرت عارف فرماتے ہیں ؎

گر خفاشے رفت در کور و کبود باز سلطاں دیدہ را بارے چہ بود

" اگر خفاش[1] کور و کبود میں چلا گیا تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ اس کی فطرت ہی ظلمت پسند واقع ہوئی ہے، لیکن وہ باز جو سلطان کا مقرب ہے تو اس مصاحبِ آفتاب کا تاریکی اور ظلمت کی طرف مائل ہونا بیشک تعجب خیز امر ہے۔"

حق تعالیٰ کی ربوبیت کی شانیں غیر محدود ہیں، کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ، وہ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے۔" تعبیر عصیان سے جو ربوبیت مقصود تھی اس کی تکمیل کے بعد حق تعالیٰ نے اس شانِ ربوبیت کو دوسری شانِ ربوبیت سے بدل دیا، یعنی تعبیرِ عصیان کو تعبیرِ نسیان سے بدل کر آپ کے غمزدہ اور ٹوٹے ہوئے دل پر نسیان کا مرہم رکھ دیا، تاکہ اب کارخانۂ خلافت کا کاروبار گرم ہو جائے۔ یہ قرآنی لطائف ہیں جن کے اندر اہل طریق کیلئے احوال باطنیہ سے متعلق مفید مضامین حق سبحانہٗ تعالیٰ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے کہلا دیئے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی عبدیت

حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے ہُدہُد نے جب تذکرہ کیا کہ مُلکِ سبا میں بلقیس (جو ایک جنیہ کی لڑکی تھی) کی بڑی بادشاہت دیکھ کر آیا ہوں، تو آپ نے اس کے نام ایک خط لکھ کر دیا کہ اس کا جواب لاؤ۔

---

[1] چمگادڑ ۱۲ [2] اندھیری ۱۲

سورۂ نمل میں حق تعالیٰ نے اس واقعہ کو بیان فرمایا ہے سبحان اللہ خط کا عنوان عجیب شان عبدیت لئے ہوئے ہے، خط کا عنوان یہ ہے:

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ	"وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اس میں یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم،
اَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ	تم لوگ میرے مقابلہ میں تکبر مت کرو
مُسْلِمِيْنَ ۝	اور میرے پاس مطیع ہو کر چلے آؤ۔"

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے والا نامہ میں اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ تحریر فرمایا، اپنے نام کے ساتھ اپنا کوئی لقب نہیں لکھا، حالانکہ آپ اتنے بڑے بادشاہ تھے کہ آپ کی حکومت انسانوں کے علاوہ جنوں پر اور تمام پرندوں پر بھی تھی، آپ تمام پرندوں کی بولیاں سمجھ لیتے تھے، اس شان کی سلطنت کے باوجود آپ نے اپنے والا نامہ میں صرف اپنا نام تحریر فرمایا حق تعالیٰ شانہٗ کا نام جہاں ہو وہاں عبودیت کا مقتضا یہی تھا کہ ؎

تو مباش اصلاً کمال این است و بس

رو در دو گم شود وصال این است و بس

"تو بالکل نہ رہ یعنی اپنے کو مٹا دے، یہی مٹانا بندگی کے لئے کمال ہے، جا اپنے ٹمٹماتے ہوئے فانی چراغِ ہستی کو اس حقیقی باقی آفتابِ حق کی جلالت و عظمتِ شان کے سامنے فنا کر دے، بس اسی کا نام وصال ہے ؎

پیش یوسف نازش و خوبی مکن — جز نیاز آہ یعقوبی مکن

چوں تو یوسف نیستی یعقوب باش — ہمچو او با گریہ و آشوب باش

(عارف رومی)

مولانا فرماتے ہیں کہ "حق تعالیٰ کی جلالت وعظمتِ شان کے سامنے تم عجز بیچارگی اور عاجزی کے اظہار کے ناز اور خوبی مت دکھاؤ"

جب تم یوسف نہیں ہو یعنی باعتبار اپنی ذات کے فانی، عاجز، محتاج ہو تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرح گریہ وزاری کی راہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اختیار کرو"

مگر اللہ تعالیٰ نے اس سارے عنوان میں عجیب اثر پیدا فرمادیا، کیونکہ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ "جو اپنے کو اللہ کے لئے گرادیتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ بلند فرمادیتا ہے"

چنانچہ جب یہ والا نامہ بلقیس نے دیکھا تو اس کا دل مرعوب ہوگیا، اور اس نے اپنے درباریوں سے کہا:۔ یٰٓاَیُّھَا الْمَلَؤُا اِنِّیْٓ اُلْقِیَ اِلَیَّ کِتٰبٌ کَرِیْمٌ "اے اہل دربار میرے پاس ایک خط باوقعت ڈالا گیا ہے"

پھر بلقیس نے درباریوں سے کہا کہ اس خط کے جواب میں میں کچھ تحفے بھیجتی ہوں، اگر حضرت سلیمان علیہ السلام نے قبول کرلیا تو سمجھ لینا کہ دنیادار ہیں، ان کا مقابلہ کچھ مشکل نہیں ہوگا، اور اگر انہوں نے تحفے واپس کردیئے تو یقین کرلینا کہ وہ اللہ کے سچے نبی ہیں، اس صورت میں ان کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا۔

چنانچہ جب تحفے واپس آگئے تو بلقیس کو یقین آگیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں، حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے اہل دربار سے فرمایا کہ تم میں کوئی ایسا ہے کہ بلقیس کا تخت قبل اس کے کہ وہ میرے پاس مطیع ہوکر آدیں حاضر کردے، ایک قوی جن نے جواب دیا کہ حضور میں

قبل اس کے کہ آپ اجلاس سے اٹھیں تخت کو حاضر کر دوں گا اور عرض کیا وَاِنِّیْ عَلَیْہِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ " اور میں اس پر طاقت رکھتا ہوں اور امانتدار ہوں "

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نوکر مضبوط اور امانتدار رکھنا چاہئے، قوت اور امانت دونوں صفتیں ضروری ہیں۔

اہل دربار میں سے دوسرے شخص نے کہا کہ حضور میں آپ کے سامنے آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت لاکر حاضر کر سکتا ہوں، پس حضرت سلیمان علیہ السلام کی آنکھ جھپکنے سے پہلے آپ کے سامنے بلقیس کے تخت کو اس شخص نے لاکر کھڑا کر دیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی عبدیت رفیعہ اس مقام پر قابلِ عبرت ہے۔ فرماتے ہیں :۔

هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ لِیَبْلُوَنِیْ	" حضرت سلیمان علیہ السلام تخت کو
أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ ۖ وَمَنْ	روبرو دیکھکر فرمانے لگے کہ یہ بھی میرے
شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ	پروردگار کا ایک فضل ہے تاکہ وہ میری آزمائش
وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ	کرے کہ میں شکر کرتا ہوں، یا ناشکری،
كَرِيْمٌ ۝	اور جو شخص شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کے
(پ ۱۹، سورہ نمل)	لئے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری
	کرتا ہے تو میرا رب غنی اور کریم ہے "

سبحان اللہ ہر ہر لفظ سے بندگی کی شان ظاہر ہو رہی ہے، کہیں سے اپنے اوپر نگاہ نہیں ہے کہ میری سلطنت ایسی ہے یا میرے رفقاء ایسے ہیں ہٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ سے نفس کی جڑ کاٹ دی۔

خاص بندوں کی نگاہ تو ہر وقت انہی کے فضل پر رہتی ہے، اپنے اوپر نگاہ عبودیت کی رہتی ہے، اور اس فضل کو بھی اپنے لئے آزمائش سمجھتے ہیں خاص بندوں کو عبودیت بھی نہایت بلند عطا کی جاتی ہے۔

خواص بندے انعاماتِ الٰہیہ کو امتحاناتِ الٰہیہ سمجھتے ہیں

وہ انعاماتِ الٰہیہ کو امتحاناتِ الٰہیہ سمجھتے ہیں، عجب اور پندار تو نااہلوں کو پیدا ہو جاتا ہے ناکساں کم ظرف اور کم حوصلہ ہوتے ہیں، حوصلہ کہتے ہیں چڑیوں کے پیٹ میں جہاں ان کا دانہ جمع ہوتا ہے، ہندی زبان میں اس کو پوٹی کہتے ہیں، حوصلہ عربی لفظ ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ صاحب نے موضح القرآن میں هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ "یہ ظاہر کے اسباب سے نہیں آیا ہے اللہ کا فضل ہے کہ میرے رفیق اس درجہ کو پہنچے جن سے کرامت ہونے لگی"

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ سے مراد خود حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں۔

عارفین اپنے اعمالِ حسنہ کو عطاءِ حق سمجھتے ہیں

عارفین کی یہی شان ہوتی ہے کہ ان کی جو کچھ بھلائیاں پہنچتی ہیں، یا اُن سے جو کچھ اچھے اعمال صادر ہوتے ہیں ان کو اللہ کی عطاء اور انعام سمجھتے ہیں، اپنے نفس کی طرف منسوب نہیں کرتے ہیں، اسی وجہ سے ان کو اپنی تکثیر عبادت و نوافل پر کبھی ناز نہیں پیدا ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ط (الآیۃ ، پ ۵)

"اے انسان تجھ کو جو کوئی خوش حالی پیش آتی ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کی جانب سے پیش آتی ہے اور جو کوئی بدحالی پیش آتی ہو وہ تیرے ہی سبب سے ہے"

عارفین پر اس تعلیم کی وجہ سے ہر وقت ادب کی خاص شان غالب ہوتی ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام کا ادب

حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی توڑنے کے فعل کو اپنی طرف منسوب فرمایا:

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ط

"وہ جو کشتی تھی سو چند غریب آدمیوں کی تھی، جو اس کے ذریعہ سے دریا میں محنت مزدوری کیا کرتے تھے اور اس پر ان کی گذر اوقات ہوا کرتی تھی، سو میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈال دوں، اور وجہ اس کی یہ تھی کہ ان لوگوں سے آگے کی طرف ایک ظالم بادشاہ تھا جو ہر اچھی کشتی کو زبردستی پکڑ رہا تھا، سو اگر ان کی کشتی میں عیب نہ ڈالا جاتا تو اس کو بھی چھین لیتا، اور ان غریبوں کا ٹکڑا مارا جاتا، پس اس توڑنے میں یہ مصلحت تھی۔" (بیان القرآن)

حضرت خضر علیہ السلام کا کشتی کو عیب دار کرنا اگرچہ خدا تعالیٰ ہی کے حکم سے تھا، مگر ادباً اس فعل کی نسبت حق تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف نہ کی، اور یوں کہا کہ میں نے یہ چاہا، اسی طرح جس لڑکے کو حکم خدا سے مار ڈالا اس کو بھی اپنی طرف منسوب کیا:۔

فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ۝

"پس ہم کو منظور ہوا کہ بجائے اس کے ان کا پروردگار ان کو ایسی اولاد دے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر ہو اور محبت کرنے میں اس سے بڑھکر ہو"

اور جب اس دیوار کا ذکر آیا ہے جس کی بنیاد میں دو یتیم بچوں کا مدفونہ مال تھا، اس کے متعلق یوں عرض کیا :-

فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ،

"سو آپ کے رب نے اپنی مہربانی سے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جاویں اور اپنا دفینہ نکال لیں"

حضرت خضر علیہ السلام نے پہلے دونوں کاموں کو یعنی کشتی کے عیب دار کرنے اور لڑکے کے مار ڈالنے کے ارادوں کو اپنی طرف منسوب کیا، اور دیوار اٹھانے کے ارادے کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کیا، عبدیت کاملہ کی یہی شان ہوتی ہے، حالانکہ ہر کام خدا تعالیٰ ہی کے حکم سے کیا تھا، جیسا کہ آگے فرماتے ہیں :- وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ "اور کوئی کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا" لیکن کیسا ادب کو نباہا ہے سبحان اللہ۔

قصہ حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق تفسیری لطائف

اس مقام پر ایک عجیب بات یاد پڑی، ایک مفسر علی مہائمی گذرے ہیں، ان کی قبر بمبئی میں ہے، میں ان کے مزار پر حاضر ہوا ہوں، اپنی تفسیر مہائمی

میں تحریر فرمایا ہے کہ

"حضرت خضر علیہ السّلام کے جن افعال پر حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو اشکال ہوا کہ وہ سب امور خود اُن پر بیت چکے تھے، اگر اپنے اندر غور کرتے تو ہر اشکال کا حل خود اپنے اندر موجود پاتے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ:۔

۱۔ جس کشتی میں چھید کر دینے سے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو اشکال ہوا کہ اب اس کشتی کے سوار ہلاک ہو جائیں گے تو خود حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی والدہ نے بحکم خدا جب حضرت موسیٰ علیہ السّلام پیدا ہوئے تھے تو ایک صندوقچہ میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو بند کر کے دریا میں ڈال دیا تھا، کیونکہ فرعون کو نجومیوں نے یہ خبر دی تھی کہ اس سال بنی اسرائیل میں ایک بچہ ایسا پیدا ہوگا جو تیری ہلاکت اور زوالِ سلطنت کا سبب ہوگا۔ پس اس ظالم نے حکم جاری کر رکھا تھا کہ اس سال بنی اسرائیل میں جتنے بچے پیدا ہوں سب قتل کر دیئے جائیں۔

حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی والدہ کو الہام فرمایا کہ جب تک ان کا اخفاء ممکن ہو تم ان کو دودھ پلاؤ، پھر جب تم کو اس کی نسبت جاسوسوں کے مطلع ہونے کا اندیشہ ہو تو بے خوف و خطر ان کو صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دینا اور تم نہ تو ان کے غرق سے اندیشہ کرنا اور نہ مفارقت پر غم کرنا، کیونکہ ہم ضرور ان کو تمہارے ہی پاس واپس پہنچا دیں گے، پھر اپنے وقت میں ان کو پیغمبر بنائیں گے۔

غرض وہ اسی طرح دودھ پلاتی رہیں، پھر جب افشاء راز کا خوف ہوا تو صندوق میں بند کر کے اللہ کے نام پر دریائے نیل میں چھوڑ دیا، اس کی کوئی شاخ فرعون کے محل میں جاتی تھی، یا تقریباً فرعون کے متعلقین دریا کی

سیر کو نکلے تھے۔

غرض وہ صندوق کنارہ پر لگا تو فرعون کے لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کو مع صندوق کے اٹھالیا تاکہ وہ ان لوگوں کے لئے دشمن اور غم کا باعث بنیں، بلاشبہ فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین اس بارے میں بہت چوکے، کہ اپنے دشمن کو اپنی بغل میں پالا، اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام صندوق سے نکال کر فرعون کے پاس لائے گئے، تو فرعون کی بی بی حضرت آسیہ نے فرعون سے کہا کہ یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، یعنی اس کو دیکھ کر جی خوش ہوا کرے گا، تو اس کو قتل مت کر، عجب نہیں کہ بڑا ہو کر ہم کو کچھ فائدہ پہنچادے، یا ہم اس کو اپنا بیٹا ہی بنالیں"۔

اور ان لوگوں کو انجام کی خبر نہ تھی کہ یہ وہی بچہ ہے جس کے ہاتھ فرعون کی سلطنت غارت ہوگی، ادھر یہ قصہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل خیالات مختلفہ کے ہجوم سے بے قرار ہوگیا، اور بے قراری بھی ایسی ویسی نہیں بلکہ ایسی سخت بے قراری کہ قریب تھا کہ غایت بے قراری سے وہ موسیٰ علیہ السلام کا حال سب پر ظاہر کردیتیں، اگر ہم ان کے دل کو اس غرض سے مضبوط نہ کئے رہیں کہ یہ ہمارے وعدہ پر یقین کئے بیٹھی رہیں، غرض بمشکل انہوں نے دل کو سنبھالا، اور تدبیر شروع کی، وہ یہ کہ انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کی بہن یعنی اپنی بیٹی سے کہا ذرا موسیٰ کا سراغ تو لگا، سو وہ چلیں، اور یہ معلوم کر کے کہ صندوق محل میں کھلا ہے محل میں پہنچیں، اور موسیٰ علیہ السلام کو دور سے دیکھا، اور ان لوگوں کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ ان کی بہن ہیں، اور اس فکر میں آئی ہیں، اور ہم نے پہلے ہی سے یعنی جب سے صندوق سے نکلے تھے موسیٰ علیہ السلام پر دودھ پلانے والیوں کی بندش کر رکھی تھی یعنی

کسی کا دودھ نہ لیتے تھے، سو وہ اس حال کو دیکھ کر موقع پاکر کہنے لگیں، کیا میں تم کو گوں کو کسی ایسے گھرانے کا پتہ بتاؤں جو تمہارے لئے اس بچہ کی پرورش کریں اور دل سے اس کی خیر خواہی کریں؟ ان لوگوں نے ایسے وقت میں کہ دودھ پلانے کی مشکل پڑ رہی تھی اس مشورہ کو غنیمت سمجھا اور ایسے گھرانے کا پتہ پوچھا، انھوں نے اپنی والدہ کا پتہ بتادیا۔

چنانچہ وہ بلائی گئیں، اور موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کی گود میں دیدیئے گئے، اور جاتے ہی دودھ پینا شروع کردیا، اور ان لوگوں کی اجازت سے چین سے اپنے گھر لے آئیں، گاہے گاہے لیجا کر ان کو دکھلا آتیں۔

غرض حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اس طرح ان کی والدہ کے پاس اپنے وعدہ کے موافق واپس پہنچادیا، تاکہ اپنی اولاد کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، اور تاکہ فراق کے غم میں نہ رہیں اور تاکہ مرتبۂ معاینہ میں اس بات کو اور زیادہ یقین کے ساتھ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوتا ہے۔" (بیان القرآن، سورۂ قصص)

اور فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سال کے نوزائیدہ بچوں کے قتل عام کے تحت کیوں نہیں قتل کیا، اس کی وجہ حق تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں:۔ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ (سورۂ طٰہٰ) "اور میں نے تمہارے اوپر یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرے کے اوپر اپنی طرف سے ایک اثر محبت ڈال دیا تاکہ جو تم کو دیکھے پیار کرے، اور تاکہ تم میری خاص نگرانی میں پرورش پاؤ۔"

(بیان القرآن، سورۂ طٰہٰ)

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو دیکھتا تھا اسے بے اختیار پیار

آتا تھا، پس اس طرح حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اپنے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تربیت اپنے اور اپنے رسول کے دشمن فرعون کے گھر میں کرائی، حالانکہ فرعون نے نجومیوں کی خبر سے کیا کیا انتظامات کر رکھے تھے، مگر حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :۔ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَ جُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خَاطِئِيْنَ ط بلاشبہ فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین بہت چوکے " یہ ترجمہ ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، یہاں خطا کا ترجمہ چوک سے فرمایا ہے۔

۲۔ اور دوسرا اشکال جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک بے گناہ لڑکے کے قتل سے پیدا ہوا تھا تو حضرت خضر علیہ السلام نے تو حکم خدا سے اس کو قتل کیا تھا، کیونکہ وہ لڑکا بالغ ہو کر کافر ہوتا، اور ماں باپ پر اس کی طغیانی اور سرکشی کا اثر پڑتا، اور ماں باپ نیک ایماندار تھے، اس لئے حق تعالیٰ نے والدین کی راحت کی خاطر اس لڑکے کے قتل کا حکم فرمایا، یہ وجہ تو خود حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اشکال ظاہر کرنے پر بیان فرمائی تھی، لیکن صاحب تفسیر علی مہائمی اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ معاملہ خود گذر چکا تھا، کیونکہ ایک مظلوم اسرائیلی کی حمایت میں ایک قبطی شخص کو ایک ایسا گھونسہ رسید کیا کہ اس کا کام ہی تمام ہو گیا فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ " تو موسیٰ نے اس کو ایک گھونسہ مارا سو اس کا کام ہی تمام کر دیا" یعنی اتفاق سے وہ مر ہی گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس خلاف توقع نتیجہ سے بہت پچھتائے، اور عرض کیا،

رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ " اے میرے پروردگار مجھ سے

فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ط

قصور ہوگیا آپ معاف کردیجئے، سو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا، بلاشبہ وہ غفور رحیم ہے۔" (سورہ قصص)

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی عبدیّت کاملہ

حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے جس شخص کو گھونسہ مارا تھا وہ فرعونی تھا بوجہ حربی ہونے کے اس کا قتل مباح تھا، نیز ارادہ محض تادیب کا تھا قتل کا نہ تھا، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی عبدیت کاملہ نے خلاف اَوْلیٰ کو کمال خوف سے گناہ سمجھا، کیونکہ اَوْلیٰ یہ تھا کہ زیادہ زور سے گھونسہ نہ مارا جاتا، پس خلاف اَولیٰ کو کمال خشیتِ الٰہی سے معصیت سمجھ کر عرض کیا اے میرے پروردگار مجھ سے قصور ہوگیا۔

۳۔ تیسرا اشکال، دو یتیم بچوں کی دیوار کو جو عنقریب منہدم ہونے کو تھی، جب حکم الٰہی سے حضرت خضر علیہ السّلام نے درست کر دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا کہ بدون عوض یہ کام کیوں کیا جب کہ ہم دونوں بھوک سے پریشان ہیں، قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَیْهِ اَجْرًا (سورۂ کہف) "حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ اجرت ہی لے لیتے ۱۲ کیونکہ اس گاؤں کے لوگوں مسافر کا حق نہ سمجھا کہ ہم لوگوں کو اپنا مہمان بنا لیتے، کیا ضرورت تھی کہ ان کی دیوار مفت بنادی جائے (موضح القرآن)

صاحب تفسیر علی مہائمی تحریر فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ بھی حضرت

موسیٰ علیہ السلام پر گذر چکا تھا، چنانچہ جب اس قبطی کو ایک گھونسہ مارا اور وہ مرگیا، اور یہ خبر فرعون تک پہنچی تو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق درباریوں سے مشورہ کیا، اور اخیر رائے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی قرار پائی، اس مجمع میں ایک شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے محب اور خیر خواہ تھے وہ دوڑے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور اس خبر کی اطلاع دے کر مشورہ دیا کہ آپ یہاں سے چل دیجئے، یہ سنکر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ط "اے میرے پروردگار مجھ کو ان ظالموں سے بچا لیجئے"

پھر یہ دعا کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام توکّلاً علی اللہ غیبی القائے مدین کی طرف ہولئے، جب مدین کے کنویں پر پہنچے تو اس پر مختلف آدمیوں کا ایک مجمع دیکھا جو اس کنویں سے کھینچ کھینچ کر اپنے مواشی کو پانی پلا رہے تھے، اور ایک طرف کو دو عورتیں دیکھیں کہ وہ اپنی بکریاں روکے کھڑی ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن سے پوچھا کہ تمہارا کیا مطلب ہے، وہ دونوں بولیں کہ ہمارا معمول یہ ہے کہ ہم اپنے جانوروں کو اس وقت تک پانی نہیں پلاتیں، جب یہ چرواہے جو کنویں پر پانی پلا رہے ہیں پانی پلا کر جانوروں کو ہٹا کر نہ لیجائیں، ایک تو حیا کے سبب دوسرے مَردوں سے مزاحمت ناتوانوں سے کب ہوسکتی ہے، اور اس حالت میں تو ہم آتے بھی نہیں، مگر ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں اور گھر پر اور کوئی کام کرنے والا نہیں، اور کام ضروری ہے، اس مجبوری سے ہم کو آنا پڑتا ہے۔

پس یہ سنکر موسیٰ علیہ السلام کو رحم آیا، اور انہوں نے ان کے لئے پانی کھینچکر ان کے جانوروں کو پلایا اور ان کو انتظار اور پانی

کھینچنے کی تکلیف سے بچایا، پھر وہاں سے ہٹکر ایک سایہ کی جگہ میں جا بیٹھے، پھر جناب باری تعالیٰ سے دعاء کی کہ اے میرے پروردگار اس وقت جو نعمت بھی قلیل یا کثیر آپ مجھ کو بھیجدیں، میں اس کا سخت حاجت مند ہوں (کیونکہ اس سفر میں کچھ کھانے پینے کو نہ ملا تھا) حق تعالیٰ نے اس کا یہ سامان کیا کہ وہ دونوں بیبیاں اپنے گھر لوٹ کر گئیں تو باپ نے معمول سے جلدی آجانے کی وجہ دریافت کی، انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کا تمام قصہ بیان کیا، انہوں نے ایک لڑکی کو بھیجا کہ ان کو بلا لاؤ، موسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک لڑکی آئی کہ شرماتی ہوئی چلتی تھی جو کہ اہل شرافت کی طبعی حالت ہے، اور آکر کہنے لگی کہ میرے والد تم کو بلاتے ہیں، تاکہ تم کو صلہ دیں کہ تم نے ہماری خاطر ہمارے جانوروں کو پانی پلادیا تھا، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم میرے پیچھے ہو جاؤ، میں اولاد ابراہیم سے ہوں، اجنبیہ کو بے وجہ بے قصد دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔

غرض اس طرح ان بزرگ کے پاس پہنچے، یہ بزرگ یعنی لڑکیوں کے والد حضرت شعیب علیہ السلام تھے، حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تسلی دی اور فرمایا کہ اب اندیشہ نہ کرو، تم ظالم لوگوں سے بچ آئے۔ (بیان القرآن، سورۂ قصص)

صاحبِ تفسیر علی مہائمی تحریر فرماتے ہیں، کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بدون اجرت طے کئے حضرت شعیب علیہ السلام کے جانوروں کو پانی پلایا، اور پانی پلاکر الگ سایہ میں بیٹھکر حق تعالیٰ سے دعا کی:۔

رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ	اے میرے پروردگار جو نعمت بھی قلیل
اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ط	یا کثیر آپ مجھ کو بھیجدیں میں اس کا سخت
	حاجت مند ہوں؟

حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چاہتے تو کچھ اجرت ٹھہرا لیتے مگر باوجود بھوک کی حاجت کے بدون اجرت کام کر دیا، اور یہ معاملہ حضرت خضر علیہ السلام نے کیا تو اس پر اعتراض فرمایا۔

یہ قرآنی لطائف ہیں جو حق تعالیٰ شانہٗ اپنے مقبول بندوں کو القاء فرماتے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کے واقعہ سے عوام کو ایک دھوکہ اور اس پر تنبیہ

حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے اس قصہ سے بعض لوگوں کو یہ دھوکا لگا کہ علم باطن جو حضرت خضر علیہ السلام کو حاصل تھا علم شریعت سے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا افضل ہے، ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کی شاگردی کیوں اختیار فرماتے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم پیغمبر ہیں، اور انبیاء اولوالعزم کے برابر دوسرے کو یہ علم نہیں ہوتا، لیکن قصہ یہ ہوا کہ ایک بار حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں وعظ فرمایا تو کسی نے پوچھا کہ اس وقت آدمیوں میں سب سے بڑا عالم کون شخص ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں، مطلب یہ تھا کہ ان علوم میں کہ جن کو قرب الی اللہ کی تحصیل میں دخل ہے، میرے برابر کوئی نہیں، لیکن چونکہ ظاہر لفظ مطلق تھا اس لئے اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ آپ کو احتیاط فی الکلام کی تعلیم دی جائے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے ارشاد

فرمایا کہ ہمارا بندہ مجمع البحرین میں تم سے بھی زیادہ علم رکھتا ہے۔
مطلب یہ تھا کہ بعض علوم میں وہ زیادہ ہیں گو ان علوم کو قربِ الٰہی میں دخل نہ ہو، پس یہاں حضرت خضر علیہ السلام کی فضیلت جزئی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلتِ کلی کے منافی نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کی شاگردی کا حکم نہیں ہوا تھا، بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی مصلحت کے لئے از خود حضرت خضر علیہ السلام کی مصاحبت کا اپنے اوپر التزام فرمالیا تھا۔

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے جن بزرگوں کے سپرد دین کی خدمت ہوتی ہے، یہ قطب الارشاد اولیاء اللہ افضل ہیں ان اولیاء اللہ سے جن کے سپرد تکوینی خدمات کی جاتی ہیں۔

اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ مجاذیب کی صحبت سے کچھ نفع نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو وہی کریں گے جو ان کو حق تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا ہے، اور قطب الارشاد حضرات سے دین کا نفع تو ظاہر ہی ہے، لیکن وہ مباح مقاصدِ دنیویہ کے لئے بھی نافع ہیں، اس طور سے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں، اور حدیث شریف میں ہے لَا یَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا بِالدُّعَاءِ یعنی قضاء الٰہی نافذ ہونے کے بعد بھی دعا کی برکت سے واپس ہو جاتی ہے، اس تقدیر کا نام تقدیرِ معلق ہے، علم الٰہی میں اس قسم کی قضا مشروط ہوتی ہے کہ مثلاً فلاں بندہ جب دعا کرے گا تو یہ بلا فلاں بندے پر نازل نہ ہوگی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کا واقعہ ارشاد فرمایا تھا کہ

——— انہوں نے کسی بزرگ کے متعلق لوح محفوظ میں دیکھا کہ جہنمی لکھا ہوا ہے، پھر انہوں نے دعا کی، کچھ دن کے بعد پھر کشف ہوا، دیکھتے ہیں کہ اب لوحِ محفوظ میں انہی بزرگ کے متعلق جنتی لکھا ہوا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ادب اور ان کی عبدیت کاملہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عبدیت اور شانِ ادب کو حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں :۔

اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ	" اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ایسی
یَهْدِیْنِ ۝ وَالَّذِیْ	ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر
هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ۝	وہی میری مصلحتوں تک رہنمائی کرتا
وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ	ہے یعنی عقل اور فہم دیتا ہے جس سے
یَشْفِیْنِ ۝	نفع وضرر کو سمجھتا ہوں، اور جو

کہ مجھ کو کھلاتا پلاتا ہے، اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں جس کے بعد شفاء ہو جاتی ہے تو وہی مجھ کو شفاء دیتا ہے۔" (بیان القرآن)

حضرت مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ مرض جو کہ ایک گونہ نقص یعنی عیب کی بات ہے اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی طرف منسوب کیا، اور آگے جو فرمایا وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ اور جو مجھ کو وقت پر موت دے گا، پھر قیامت کے روز مجھ کو زندہ کرے گا" تو

موت کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف جو کی اس میں شبہ نہ کیا جاوے کہ موت بھی تو عیب اور نقص ہے، پھر اس کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کیوں کی، کیونکہ موت کا دینا بوجہ عموم کے نقص سے نکل گیا۔

آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کرتے ہیں وَالَّذِیْ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ" اور جس سے مجھ کو یہ امید ہے کہ میری خطاؤں کو قیامت کے روز معاف کردے گا، اس میں دو ادب ہیں:۔

۱۔ ایک تو یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام معصوم اور خلیل اللہ تھے، لیکن اس درجہ مقبولیت اور محبوبیت اور معصومیت کے باوجود اپنی اجتہادی چوک کو خطیئہ، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے سامنے اپنی عبودیت کا یہی حق تھا۔

۲۔ دوسرا ادب یہ تھا کہ باوجود رسالت اور خُلّت کے اپنی مغفرت کے لئے یقین کا لفظ نہیں استعمال فرمایا، تاکہ اللہ تعالیٰ پر کسی امر کا واجب ہونا نہ ظاہر ہو، عبدیت کاملہ کا مقتضا یہی تھا کہ حق تعالیٰ سے مغفرت کی امید رکھی جائے (از بیان القرآن)

حضرت نوح علیہ السلام کا ادب اور ان کی عبدیت کاملہ

حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان جب کفر کے سبب سے طوفان میں غرق ہونے لگا تو حضرت نوح علیہ السلام نے اس کے غرق ہونے

سے قبل اس امید پر کہ شاید حق تعالیٰ اپنی قدرت سے اس کے دل میں ایمان القاء فرمادے اور یہ ایمان لے آوے، حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے میرے رب میرا یہ بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے، اور آپ کا یہ وعدہ بالکل سچا ہے، کہ گھر والوں میں جو ایمان والے ہیں ان کو بچالوں گا، اور گو یہ کنعان سردست ایمان والا اور مستحق نجات نہیں ہے، لیکن آپ احکم الحاکمین ہیں اور بڑی قدرت والے ہیں،

رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ ۔ "اے میرے رب میرا یہ بیٹا
وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ، میرے گھر والوں میں سے ہے اور
وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ۔ آپ کا وعدہ بالکل سچا ہے اور آپ
احکم الحاکمین ہیں"

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے نوح! یہ شخص ہمارے علم ازلی میں تمہارے ان گھر والوں میں نہیں جو ایمان لاکر نجات پاویں گے، یعنی اس کی قسمت میں ایمان نہیں ہے، بلکہ یہ خاتمہ تک تباہ کار یعنی کافر رہنے والا ہے، سو مجھ سے ایسی چیز کی درخواست مت کرو جس کی تم کو خبر نہیں، یعنی ایسے امر محتمل کی دُعا مت کرو، میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم آئندہ نادان نہ بن جاؤ۔

فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ ۔ "اے نوح! مجھ سے ایسی چیز کی
بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ درخواست مت کرو جس کی تم کو
اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ۔ خبر نہیں میں تم کو نصیحت کرتا ہوں
کہ تم نادان نہ بن جاؤ"

حضرت نوح علیہ السلام نے جب شانِ عتاب دیکھی تو کانپ گئے،

اور دعا میں جو کلمات عرض کئے ان کے اندر کس درجہ ادب اور عبودیت ہے، فوراً عرض کیا کہ :۔

رَبِّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ	"اے میرے رب میں اس امر
اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ	سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں کہ
بِهٖ عِلْمٌ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ	آپ سے ایسے امر کی درخواست کروں
وَتَرْحَمْنِیْ اَكُنْ مِّنَ	جس کی مجھ کو خبر نہ ہو، اور اگر آپ
الْخٰسِرِیْنَ ط	میری مغفرت نہ فرماویں گے اور

مجھ پر رحم نہ فرماویں گے تو میں تو بالکل تباہ ہی ہو جاؤں گا"

شانِ عتاب میں جو عنوان تھا فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ، اسی عنوان کا ادب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی دعا رَبِّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ میں کیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی عبدیت کاملہ

حضرت زلیخا علیہا السلام کے بارے میں سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت کے سلسلہ میں خود حضرت زلیخا علیہا السلام کے خاندان کے ایک بچے نے شہادت دی کہ

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ	"اور اس عورت کے خاندان
اَهْلِهَا اِنْ كَانَ قَمِیْصُهٗ	میں سے ایک گواہ نے جو شیر خوار
قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ	بچہ تھا اور حضرت یوسف علیہ
وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۝ وَ	السلام کے معجزے سے بول پڑا
كَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ	اس کی برأت پر شہادت دی کہ

دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ	ان کا کرتہ اگر آگے سے پھٹا ہے
الصّٰدِقِيْنَ ۝	تو تنزلاً و تبرعاً تسلیم کر لیا کہ عورت
(پارہ ۱۲ سورۂ یوسف)	سچی اور یہ جھوٹے، اور اگر کرتہ

پیچھے سے پھٹا تو عادتاً یقینی ہے کہ عورت جھوٹی اور یہ سچے۔"

۲۔ دوسری شہادت حضرت یوسف علیہ السلام کے اس ساتھی کی ہے جس نے قید خانہ میں آپ کے اندر بزرگی کے آثار پا کر آپ سے یوں عرض کیا :۔ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ (پ ۱۲ سورۂ یوسف) ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ عجیب ترجمہ تحریر فرماتے ہیں، "اے یوسف! اے صدق مجسم" سبحان اللہ یہ ترجمہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے، وجد آجاتا ہے ؎

پیرِ ما سرِّ عالم مستی　　با دلِ ہوشیار می گوید

۳۔ تیسری شہادت ان عورتوں کی ہے، جنھوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حُسن کو دیکھتے ہی بجائے لیموں کاٹنے کے اپنی اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں تھیں، جب ان عورتوں سے عزیز مصر نے دریافت کیا کہ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ "عزیز مصر نے ان عورتوں سے دریافت کیا کہ تمھارا کیا واقعہ ہے جب تم نے یوسف علیہ السلام سے اپنے مطلب کی خواہش کی (یعنی ایک نے خواہش کی اور بقیہ نے اس کی اعانت کی کہ اعانت بھی مثل فعل کے ہے) عورتوں نے جواب دیا کہ حَاشَ لِلّٰہ ہم کو ان میں ذرا بھی تو برائی کی بات معلوم نہیں ہوئی۔"

۴۔ چوتھی شہادت خود عزیز مصر کی بیوی کی ہے، جب اس نے دیکھ لیا کہ حق ظاہر ہوگیا قَالَتِ امْرَأَةُ الْعَزِيزِ الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ۝ "خود عزیز مصر کی بیوی نے دیکھا کہ حق ظاہر ہوگیا تو عزیز مصر سے کہنے لگیں کہ اب تو حق بات سب پر ظاہر ہوہی گئی، اب اخفاء بیکار ہے، سچ یہی ہے کہ میں نے ان سے اپنے مطلب کی خواہش ظاہر کی تھی، اور بیشک اس بات میں کہ ھِیَ رَاوَدْتُنِیْ حضرت یوسف علیہ السلام سچے ہیں"

۵۔ حق تعالیٰ بھی شہادت دے رہے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے مجھ سے اس اضطراب کی حالت میں دعا کی:۔

رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ ۖ وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُنْ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

ترجمہ و تفسیر: حضرت یوسف علیہ السلام نے (جو یہ باتیں سُنیں اور دیکھا کہ یہ عورت تو بیڈھب پیچھے پڑی ہے، اور سب اسی کی ہاں میں ہاں ملاتی ہیں تو حق تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے رب جس (واہیات) کام کی طرف یہ عورتیں مجھ کو بلا رہی ہیں، اس سے تو جیل خانہ میں جانا ہی مجھ کو زیادہ پسند ہے، اور اگر آپ ان کے داؤ پیچ کو مجھ سے دفع نہیں کریں گے، تو ان کی صلاح کی طرف مائل ہو جاؤں گا، اور نادانی کا کام کر بیٹھوں گا، سو اُن کی دعاء اُن کے رب نے قبول کی، اور ان عورتوں کے داؤ پیچ

کو ان سے دور رکھا، بے شک وہ دعاؤں کا بہت سننے والا اور ان کے احوال کا خوب جاننے والا ہے۔"

اتنی شہادتوں کے باوجود حضرت یوسف علیہ السلام کی عبدیت کاملہ کو دیکھئے، فرماتے ہیں: وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِيْ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ إِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ "میں اپنے نفس کو (بالذات) بری (اور پاک) نہیں بتلاتا (کیونکہ) نفس تو (ہر ایک کا) بُری ہی بات بتلاتا ہے، بجز اس نفس کے جس پر میرا رب رحم کرے (اور اس امر بالسُّوء کا مادّہ نہ رکھے جیسے انبیاء علیہم السلام کے نفوس ہوتے ہیں، مُطمئنّہ، جن میں یوسف علیہ السلام کا نفس بھی داخل ہے، خلاصۂ مطلب یہ ہوا کہ میری نزاہت و عظمت میرے نفس کا ذاتی کمال نہیں کہ تخلّف محال ہو، بلکہ رحمت و عنایت الٰہیہ کا اثر ہے، اس لئے وہ امر بالسُّوء نہیں کرتا ورنہ جیسے اوروں کے نفوس ہیں ویسا ہی میرا ہوتا، بلاشبہ میرا رب بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے۔" (بیان القرآن)

نفس کی صفت أَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ بروزن فَعَّالَةٌ صیغۂ مبالغہ ہے، یعنی بہت امر کرنے والا بُری باتوں کا، پھر یہی نفس جب بُری باتوں سے توبہ کرلے تو مرتبۂ توبہ میں یہ نفس لَوَّامَہ کہلاتا ہے، اب توبہ کی برکت سے حق تعالیٰ کی رحمت و عنایت اس پر ہوتی ہے، جس کے اثر سے یہ نفس مُطمئِنّہ ہو جاتا ہے، پھر جب دنیا سے چل چلاؤ ہوتا ہے تو دو خطاب اس کو اور عطا ہوتے ہیں، رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً اے نفس مطمئنہ تو اللہ سے راضی اور اللہ تجھ سے راضی ہے

دونوں جانب سے اشارے ہو چکے
ہم تمہارے تم ہمارے ہو چکے

نفس کے پانچ خطابات

پس اِس نفس کے پانچ خطابات ہیں :۔ امارہؔ بالسوء، لوامہؔ، مطمئنہؔ، راضیہؔ، مرضیہؔ۔ حق تعالیٰ کے مقبول بندوں کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ اپنے نفس پر ہمیشہ بدگمان رہتے ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی عبودیت اور عجز کو عظمت الٰہیہ کے سامنے پیش کر دیا، کہ میں اپنے نفس کو بَری نہیں بتلاتا، نفس تو بُری ہی بات بتلاتا ہے۔

اور حق تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے اس قول پر یہ نہیں فرمایا کہ ایسا کیوں کہہ رہے ہو جب کہ ہم آپ کی برأت پر شہادت دے رہے ہیں، اس سے یہ بتا دیا کہ بندوں کی طرف سے ہم کو یہی پسند ہے۔

یہاں تک تو اپنی عبدیت کاملہ کا اظہار تھا، آگے حق تعالیٰ کی رحمت کاملہ کا حق ادا فرما رہے ہیں اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ بجز اس کے جس پر میرا رب رحم کرے۔

عارفین کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ اپنی طاعات وحسنات کو حق تعالیٰ کی رحمت اور عنایت سمجھتے ہیں، جن اعضاء سے ہم عبادت کرتے ہیں وہ بھی تو انہی کے دیئے ہوئے ہیں، اور ان اعضاء میں قوتیں کام کرنے کی کہاں سے آئیں، ایسے جوڑدار اعضاء جو قیام، رکوع، سجدہ میں بآسانی پھیلنے اور سکڑتے ہیں کس نے پیدا کئے؟

کیا ہمارا ہے؟ جو ہم اپنے وجود کا نام لیتے ہیں۔

لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ الخ کی عجیب تقریر

لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "یہ دعا جنت کے خزانوں سے ایک خزانہ ہے" اس میں فنائیت اور عبدیت کی عجیب تعلیم ہے، بندوں کی طرف سے درخواست ہو رہی ہے کہ اے علو اور عظمت والی ذات آپ اپنی بلندی اور رفعتِ شان کا استحضار مجھ کو نصیب فرما دیجئے، تاکہ میں اپنی نگاہ میں پست ہو جاؤں، اور اپنی عظمت و کبریائی کا استحضار مجھ پر غالب فرما دیجئے، تاکہ میں اپنی نگاہ میں حقیر ہو جاؤں۔ علی اور عظیم دو ناموں کی برکت سے استعانت کی درخواست ہو رہی ہے، علو کے مقابلہ میں پستی۔ اور عظمت کے مقابلہ میں حقارت ہے، اس دعا میں حق تعالیٰ کی یہ دونوں صفتیں بندوں سے یہ مطالبہ کر رہی ہیں کہ میرے علو کے سامنے پست ہو جاؤ، اور میری عظمت کے سامنے حقیر ہو جاؤ، جب یہ نعمتیں مل گئیں تو سب کچھ مل گیا، یہی پستی اور نیستی تو حاصلِ عبدیت ہے، بندگی نبود بجز افگندگی، بندگی اسی کا نام ہے کہ اپنے کو مٹا دے

فہم خاطر تیز کردن نیست راہ جز شکستہ می نگیرد فضلِ شاہ

"بندگی کا راستہ فہم خاطر تیز کرنے کا نام نہیں ہے بغیر شکستگی کے حق تعالیٰ کا فضل دستگیری نہیں فرماتا ہے"

جب علو اور عظمتِ الٰہیہ کا غلبہ ہوا تو اپنی حقیقت معلوم ہوئی کہ

ہم تو محض مٹی کے ایک ڈھیر ہیں اور جب ہم نہایت ضعیف اور عاجز ہیں تو حق تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت کے شایان شان کیسے عبادت ہو سکتی ہے، اور غلامی کا حق ادا کرنا ضروری ہے، پس کوئی چارہ نہ دیکھا بجز اپنی عاجزی اور بیچارگی کے اظہار کے اور حق تعالیٰ سے استعانت طلب کرنے کے، لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ، میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بندوں کو درخواست کا مضمون بتلادیا کہ اس طرح سے عرض کرو، کہ اے اللہ نہ گناہوں سے پھرنے کی طاقت ہے نہ نیک اعمال کرنے کی قوت ہے مگر آپ کے دو ناموں علی اور عظیم کی مدد سے۔

اس دعا میں اپنی بیچارگی پیش نظر ہے، کہ ہم ضعیف ہیں، ہماری نگاہ تو صرف آپ کے کرم پر ہے، بس اس حقیر پر کرم فرمادیجئے، کہ اس کی نگاہ جب صرف ہماری ذات پر ہے تو اس کو محروم کیسے کروں، میرے علو اور میری عظمت کی شان کے خلاف ہے کہ میں ایسے عاجز پر رحم نہ کروں اور خالی ہاتھ اپنے دربار سے واپس کردوں۔

جب اپنے حول اور قوت پر نگاہ ہوتی ہے اس وقت وہاں سے مدد نہیں آتی، کیونکہ رحمت کا پانی نشیب اور پستی تلاش کرتا ہے، یہی راز ہے کہ جب مؤذن حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ "آؤ نماز کے لئے" کہے تو لَبَّيْكَ يَارَبِّيْ "حاضر ہوں اے میرے رب" کی تعلیم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دی، بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ اس وقت اپنی عاجزی اور ضعف ظاہر کرو، یعنی لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہو، "اے اللہ نہیں طاقت ہے گناہوں سے پھرنے کی، اور نیک عمل کرنے کی،

مگر آپ کی مدد سے۔"

ایک بزرگ تحریر فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز سے قبل لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ کو اس کے معنی کا خیال کر کے پڑھ لیا کرے تو اس کی نماز بہت عمدہ نماز ہوگی، اور کثرتِ وساوس سے محفوظ رہے گی۔

اب کوئی کہے کہ صاحب یہاں تو جو کچھ حول اور قوت تھی اس کی بھی نفی ہو رہی ہے تو خزانہ جنت کا بھلا کیا ہاتھ لگے گا؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ سلب اور نفی کس سے ہو رہی ہے، اپنے بودے لچر نفس سے، اور اس حول اور قوت کو کہاں جوڑا جا رہا ہے اس ذات پاک کے خزانہ سے جو باقی ہے، یہ خبر حکم میں انشاء کے ہے، یعنی اَسْئَلُکَ الْحَوْلَ وَالْقُوَّۃَ بِعَوْنِ اللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ، پس از راہِ نیستی و عبودیت سلب و نفیِ حول اور قوت سے جلبِ رحمت کا سوال ہے، اور جب اُن کی رحمت ہماری دستگیری فرمانے لگے تو سمجھ لو کہ جنت کا خزانہ مل گیا، جب یہاں رحمت فرمانے لگے تو وہاں بھی محروم نہ فرمائیں گے، اور ان کی رحمت جب سائلین کو بھیک عطا کرتی ہے تو وہ عطا اُن کی شان کے اعتبار سے ہوتی ہے، پس بندہ جب بھیک کا پیالہ اپنے فانی حول اور قوت سے خالی کر کے حق تعالیٰ کے دربار میں پیش کر دیتا ہے تو حق تعالیٰ کا کرم جوش میں آ کر جنت کا خزانہ سونپ دیتا ہے، جس کے ثمرات اور نعمتوں کو کبھی فنا نہیں، مَا عِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ بَاقٍ "جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ فانی ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی ہے۔"

جب اپنے حول اور اپنی قوت کو بندہ اپنی ذات سے نفی کر کے

حق تعالیٰ کے خزانہ میں جمع کر دیتا ہے تو حق تعالیٰ کے یہاں سے عطا فرمودہ حول اور قوت سے جو اعمال حسنہ پیدا ہوتے ہیں وہ غیر فانی ہوتے ہیں، اور اس کی غیر فانی جزا اور ثمرات جنت تک پہنچا دیتے ہیں حتیٰ کہ شہداء جس جسم کو حق تعالیٰ کی راہ میں قربان کرتے ہیں وہ جسم بھی باقی ہو جاتا ہے وہ ایسے باقی ہے کہ ان کے خزانہ میں پہنچکر فانی بھی باقی ہو جاتا ہے، کیونکہ حق تعالیٰ نے قاعدہ کلیہ بیان فرمادیا، مَاعِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَاعِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ، جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ فانی ہے اور جو حق تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی ہے۔

پس انسان اپنی تمام قوت بینائی، شنوائی، گویائی کو اللہ کی مرضی کے مطابق خرچ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق چلتا ہے، دیکھتا ہے، سنتا ہے تو یہ سب اعمال باقی بن جاتے ہیں، اور خزانۂ الٰہی میں جمع ہو جاتے ہیں ؎

رنگِ صدق و رنگِ تقویٰ و یقیں
تا ابد باقی بود بر عابدیں

پس اپنی قوتوں کی نفی کر کے باقی سے تعلق جوڑ لو، حق تعالیٰ کی عنایت سے جو حول اور قوت عطا ہو گی وہ ایسی باقی ہو گی کہ مع اپنے ثمرات اعمال حسنہ کے تم کو جنت میں لیجاوے گی، اور اپنی خواہشات نفسانیہ میں اگر یہ قوتیں خرچ ہوتی رہیں گی تو وہ سب فانی ہو کر مستوجب سزا ہوتی ہیں۔

ہدایت اور اصلاح کے لئے اس ورد کی کثرت نہایت مفید ہے اور عجیب التاثیر ہے، کم از کم پانچ سو مرتبہ اگر یہ ورد لَاحَوْلَ

وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ پڑھ لیا جاوے تو گناہوں سے بچنے کی ہمت اور نیک اعمال کرنے کی قوت حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو جاتی ہے، اگر اتنا نہ ہو سکے تو ستر ہی بار پڑھ لیا جاوے، عبادت کرتے کرتے اگر اپنے اوپر خود بینی والی نگاہ پڑنے لگے تو فوراً اس وِرد کو اس کے معانی کا خیال کر کے پڑھنے لگے، اس وِرد کی برکت سے شیطانی قدم تکبّر اور خود بینی کا اکھڑ جاتا ہے۔

گناہوں سے پھرنے کی طاقت کی درخواست کو مقدم فرمایا ہے، کیونکہ ہر گناہ سببِ ناراضگی حق ہے، اور نیکی کی توفیق فضل و رحمتِ حق ہے، پس جلبِ رحمتِ حق کے لئے دفعِ ناراضگی حق کا تقدم ضروری ہے، جو شخص اصلاحِ نفس سے عاجز ہو رہا ہو اس کے لئے اس وِرد کی کثرت ازبس نافع ہے، حضرت میاں چاند شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں کو اکثر یہی وِرد تعلیم فرمایا کرتے تھے۔

اس راہ میں فنانیت اور عاجزی ہی سے کام چلتا ہے، بڑے بڑے عابدین ناز اور تکبّر کی وجہ سے ہلاک ہو گئے، ان کو معرفت نہ تھی، اگر اللہ کی عظمت کو پہچانتے تو ہرگز کبھی اپنے اعمالِ حسنہ اور طاعات پر نظر نہ جاتی، اللہ والے اگر کبھی اپنے اندر وسوسہ بھی کبر کا محسوس کر لیتے ہیں تو فوراً نفس کا مزاج درست کر دیتے ہیں۔

واقعہ حضرت عمرؓ

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ایک مشک پانی سے بھری ہوئی اپنی پشت پر رکھ کر کسی غریب مسلمان کے، روانے

پر آواز دی کہ دروازہ کھولو بہشتی پانی بھرے گا، لوگوں نے عرض کیا یا امیر المومنین یہ آپ کیا کر رہے ہیں، آپ خلیفۃ المسلمین ہیں، آپ کو سقہ بننے کی کیا ضرورت پیش آئی، ارشاد فرمایا کہ میرے نفس میں خیال گذرا کہ عمر کے پاس قیصر کسریٰ کے وفود آتے ہیں، پس میں نے اپنے نفس کا یہ علاج کیا ہے، تاکہ نفس کا مزاج درست ہو جائے۔

اللہ اکبر! عارفین کی یہی شان ہوتی ہے، عارفین تو عبادت کر کے ڈرتے رہتے ہیں، کہ نہ معلوم کوئی گستاخی نہ ہو گئی ہو، سید العابدین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ اے اللہ آپ کی عظمت کے شایانِ شان آپ کی غلامی کا ہم سے حق ادا نہ ہو سکا تو پھر کس کا منہ ہے جو دعویٰ کرے ادائیگی حق عبدیت کا، خوب سمجھ لینا چاہئے کہ مغفرت بدون رحمتِ حق کے محض اعمال نہ ہوگی۔

کوئی شخص محض اعمال سے نہ بخشا جائیگا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "کوئی شخص محض اپنے اعمال سے نہ بخشا جائے گا" حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ بھی نہیں؟ فرمایا۔ "ہاں میں بھی نہیں بخشا جاؤں گا، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مجھے ڈھانپ لیں"

ہمارے اعمال درحقیقت جزاء کے قابل نہیں ہیں، کیونکہ ہم ناقص ہیں ہماری ذات میں احتیاج اور ضعف داخل ہے، ہمارے اعضاء سے جو اعمال صادر ہوتے ہیں ان میں نقصان ہوتا ہے۔

اعمال پر جزاء در اصل عطا ہے

قرآن پاک میں جہاں جہاں بندوں کے اعمال پر جزاء کا وعدہ آیا ہے، تو وہ درحقیقت ہمارے ٹوٹے پھوٹے اعمال کی جزاء نہیں ہوگی، بلکہ وہ حق تعالیٰ کی عطا ہوگی، اس حقیقت کو حق تعالیٰ شانہٗ نے تصریحًا ارشاد بھی فرمادیا ہے جَزَاءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا (ان نیکیوں کا بدلہ ملے گا جو کہ کافی انعام ہوگا آپؐ کے رب کی طرف سے) یعنی تمہارے اعمال تو جزاء کے قابل نہ تھے، لیکن چونکہ ان ناقص اعمال کا تعلق تمہارے اعضا سے تھا اس وجہ سے ہم نے غایت کرم سے حوصلہ افزائی کے طور پر ان انعامات کا نام جزاء رکھ دیا تاکہ تمہارا دل خوش ہو جائے، ورنہ یہ جزاء درحقیقت ہماری طرف سے عطاء ہی ہوگی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آخری وصیت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب خنجر لگا اور شہادت کا وقت قریب آپہنچا تو آپ نے آخری وصیت یہ فرمائی کہ اپنے کو سب سے برا سمجھنا، جو اپنے کو اچھا سمجھے گا ہلاک ہو جائے گا، اتنے میں حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے، (یہ رومی نہ تھے، لیکن اہل روم ان کو پکڑ کر لے گئے تھے اس لئے رومی کا لقب پڑ گیا تھا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حالت نزع میں دیکھکر رونے لگے، وَاعُمَرَاہُ وَا حَبِیْبَاہُ وَا اَخَاہ کہنے لگے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا بات

فرمائی، ایسی بات فرمائی جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، دوسروں کو بندگی سکھا گئے، ارشاد فرمایا:۔ "اے صہیب میری تعریف مت کرو، اگر حق تعالیٰ مجھے کسی عمل پر اجر نہ دیں صرف برابر سرابر چھوڑ دیں تو میں اس کو غنیمت سمجھوں گا۔"

یہ حضرات دین کی سمجھ رکھنے والے تھے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مَنْ نُوْقِشَ فِی الْحِسَابِ فَقَدْ عُذِّبَ "جس سے حساب میں کرید ہوگی قیامت کے دن تو سمجھ لو کہ بس اس کی خیر نہیں وہ عذاب میں پکڑ لیا گیا۔"

اسی لئے اس دعاء کی تعلیم دی گئی کہ اَللّٰھُمَّ حَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَسِیْرًا "اے اللہ! قیامت کے دن مجھ سے حساب آسان فرما۔"

اسی کو حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

ذرۂ سایہ عنایت بہتر است
از ہزاراں کوشش طاعت پرست

"ایک ذرّہ عنایت حق کا سایہ بہتر ہے طاعت پرست کی ہزاروں کوشش سے۔"

زانکہ شیطاں خشت طاعت برکند
گرد وصد خشت است خود را کند

"اس واسطے کہ شیطان عبادت کی اینٹ ہٹا دیتا ہے، اور دو سو اینٹیں بھی ہوں تب بھی اس کے اندر اپنا راستہ کر لیتا ہے۔"

یعنی طاعات میں ریاء و نمود کی آمیزش کر کے طاعات کو خراب

کر دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جو سالک کسی اللہ والے سے دین کی باریک سمجھ نہیں حاصل کرتا ہے، اس کی ہر عبادت میں نفس اور شیطان کا شمول ہو جاتا ہے۔

عابد بے سمجھ

عابد بے سمجھ چند رکعت نفلیں اور کچھ ذکر و تلاوت کے بعد دوسروں سے اپنے کو افضل سمجھنے لگتا ہے، اور دوسروں کو حقیر اور گنہگار سمجھ کر خلوت میں اپنے ناز اور پندار کی بت پرستی میں مبتلا رہتا ہے، ایسے ہی خلوت نشینوں کے متعلق حضرت سعدی فرماتے ہیں ؎

خیالات نادانِ خلوت نشیں
بہم برکند عاقبت کفر و دیں

"جاہل بے سمجھ خلوت نشیں کے خیالات بالآخر کفر اور دین کو خلط ملط کر دیتے ہیں"

ایسے شخص کی یہ خلوت نشینی اور بھی موجب ہلاکت ہے، کیونکہ مخلوق سے تو الگ ہوا، لیکن اپنے نفس سے نہ الگ ہوا۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی نصیحت

حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے دو شعر میں اپنے پیر کی دو نصیحتیں بیان فرمائی ہیں، فرماتے ہیں ؎

مرا پیر دانائے فرخ شہاب
دو اندرز فرمود بر روئے آب

یکے آنکہ برخویش خود بیں مباش

دویم آنکہ برغیر بد بیں مباش

حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے کہ میرے پیر حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے ہمیں دو نصیحتیں ارشاد کی ہیں، ایک تو یہ کہ اپنے اوپر کبھی نگاہ خود بینی کی مت ڈالنا، دوسرے یہ کہ کسی دوسرے پر بد بیں مت ہونا۔

خلوت نشینی کب محمود ہے؟

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب کوئی خلوت اختیار کرے تو یہ سمجھ کر کرے کہ ہم گنہگار ہیں اور بُرے ہیں، مخلوق ہماری برائی اور شر سے محفوظ رہے گی، اور جو شخص مخلوق کو بُرا اور بد عمل سمجھ کر خلوت نشین ہو جائے یہ نہایت بُرا شخص ہے، تکبّر میں مبتلا ہے، اس کی نیّت درست نہیں ہے، کاملین نے تو اپنے کو جانوروں سے بھی بدتر سمجھا ہے، کیونکہ اپنے خاتمہ کا حال نہیں معلوم کہ کیا ہوگا، پس اس اعتبار سے تو فی الحال جانور ہم سے اچھے ہیں، کیونکہ ان کے لئے حساب کتاب جنّت جہنّم کچھ نہیں ہے ؎

ازیں بر ملائک شرف داشتند

کہ خود را بہ از سگ نہ پنداشتند

"اولیاء اللہ اس سبب سے فرشتوں سے فوقیت لے جاتے ہیں کہ اپنے کو کتّے سے بھی بہتر نہیں سمجھتے ہیں"

حضرت حاجی صاحبؒ کا ارشاد

ہمارے دادا پیر حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں اس نیت سے بیعت کر لیتا ہوں کہ قیامت کے دن مُرید پیر کو جہنم میں جاتا ہوا دیکھکر ترس کھائے گا ہاتھ پکڑنے کی لاج آوے گی، شاید اسی کی برکت سے بخش دیا جاؤں۔

اللہ اکبر! یہ شیخ العرب والعجم کے کلمات ہیں، یہ ہیں اولیاء اللہ، یہی ولایت کی نشانی ہے، کہ اپنے کو سب سے کمتر سمجھتے ہیں، جاہل پیر خود کو مریدوں سے افضل سمجھتا ہے، جاہل استاد شاگردوں سے اپنے کو افضل سمجھتا ہے، لیکن اللہ والے بظاہر تو مریدوں اور شاگردوں کی تربیت کے لئے ڈانٹ ڈپٹ بھی کرتے ہیں، لیکن وہ سوچتے ہیں کہ مرغی کے نیچے کبھی بط اور بطا کے انڈے بھی رکھ دیئے جاتے ہیں، ان انڈوں سے جو بچے نکلیں گے وہ مرغی سے افضل ہونگے، البتہ تربیت کا حق اپنی جگہ پر ہوگا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اپنوں کو دوسروں سے کمتر سمجھنے کے لئے احتمال کافی ہے، یقینی علم تو حق تعالیٰ ہی کو ہوتا ہے، کاملین اپنے نفس کی عُجب اور کبر سے ہر وقت نگرانی رکھتے ہیں، اور اپنے متعلقین کو بھی نفس کی چالوں سے باخبر کرتے رہتے ہیں،

سچّا پیر

سچّا پیر طالب کے لب و لہجہ اور اس کی گفتگو اس کی چال

ڈھال اس کے انداز نشست میں تکبر کی لہروں کا پتہ بتاتا ہے، طالب کو ہر قدم پر روک ٹوک کرتا ہے، اس کی تمام حرکات و سکنات میں اس کی نفسانی چالوں کی نگرانی کرتا رہتا ہے، اور جہاں سے نفس کی رگ ابھری ہوئی دیکھتا ہے، وہیں ڈانٹ ڈپٹ سے اس رگِ بد کو کچل دیتا ہے، اسی کا نام پائمالی ہے۔

قال را بگذار مرد حال شو پیش مردے کاملے پامال شو

شیخ کی ایک معتد بہ صحبت اٹھانے کے بعد طالب میں دین کی باریک سمجھ پیدا ہو جاتی ہے۔

غفلت کے تالے

غفلت کے تالے قلب کے ٹوٹ جاتے ہیں، یہ وہی تالے ہوتے ہیں جن کی بابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے: اَللّٰھُمَّ افْتَحْ اَقْفَالَ قُلُوْبِنَا "اے اللہ ہمارے دلوں کے تالوں کو کھول دیجئے" اب یہ طالب خود بھی اپنے نفس کو ہر سوراخ سے دیکھ لیتا ہے، اور ریا، و تکبر کے اثر کو اپنے لب و لہجہ میں اپنی چال میں نشست و برخاست میں پہچان لیتا ہے اور ہر وقت اپنے کو تراش و خراش کا محتاج پاتا ہے، اور مرتے دم تک اس نگرانی سے فرصت نہیں پاتا ؎

اندریں رہ می تراش و میخراش تا دمے آخر دمے فارغ مباش

اس مقام پر عارف جب نور بصیرت سے اپنے نفس کو مثل سانپ کے ہر سوراخ تن سے سر نکالتے ہوئے مشاہدہ کرتا ہے تو بیساختہ بزبانِ حال کہہ اٹھتا ہے،

عارف کی مناجات

۱۔ نالہ کردم کہ تو علّام الغیوب
زیرِ سنگِ مکر بد مارا مکوب

"اے علّام الغیوب میں تجھ سے اپنے نفسِ نافرجام سے نالہ کرتا ہوں کہ اس مکر بد کے پتھر کے نیچے مجھے کوٹنے سے پناہ دیجئے"

۲۔ دست ما چو جائے مارا می خورد
بے امانِ تو کسے جاں کے برد

"جب ہمارا ہاتھ ہی ہمارے پیر کو کھائے لیتا ہے، تو آپ کی امان کے بغیر کوئی جان کو محفوظ کب لیجا سکتا ہے"

۳۔ اے خدا آں کن کہ از تو می سزد
کہ زہر سوراخ مارم میگزد

"اے خدا وہ معاملہ فرمائیے جو آپ کے لائق ہے، یعنی عنایت کاملہ، کیونکہ ہر سوراخ سے میرے نفس کا سانپ مجھے ڈس رہا ہے"

۴۔ خوش سلامت ما بساحل بازبر
اے رسیدہ دستِ تو در بحر و بر

"اے وہ ذات کہ آپ کا دستِ قدرت بحر و بر میں ہر جگہ ہے، اپنی اس قدرتِ کاملہ کے صدقہ میں سلامتی کے ساتھ میری کشتی کو ساحل تک پہنچا دیجئے"

۵۔ کیمیا داری کہ تبدیلش کنی
گرچہ جوئے خون بود نیلش کنی

"اے اللہ آپ اپنی قدرت میں وہ اثر کیمیاوی رکھتے ہیں کہ میرے دریائے خون یعنی اخلاق رذیلہ (بری عادتوں) کو دریائے نیل یعنی اخلاق حمیدہ (اچھی عادتوں) سے تبدیل فرما سکتے ہیں۔"

اصلاح نفس کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد فرمودہ دعاء

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو نفس کی چالوں سے بچنے کے لئے عجیب جامع دعاء تعلیم فرمائی ہے، اس دعاء کو ہر روز کم از کم ستر بار ضرور معمول بنا لینا چاہئے، دنیا اور آخرت دونوں جہان کی درستی اس دعا کی برکت سے ہو جاتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ اَصْلِحْ لِیْ شَانِیْ کُلَّہٗ وَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ ط

"اے حقیقی زندہ! اے حقیقی سنبھالنے والے! میری ہر حالت کو درست کر دیجئے، اور مجھے پلک جھپکنے تک کو بھی میرے نفس کے حوالے نہ کیجئے۔"

جب آدمی اس راستہ کو قطع کرتا ہے، اور کسی عارف کامل کی صحبت میسر ہو جاتی ہے تب نفس کے خفیہ مکائد کا ادراک ہوتا ہے۔

کبھی اخلاق حمیدہ اور اخلاق رذیلہ میں نفس خلط کر دیتا ہے

کبھی اخلاقِ رذیلہ اور اخلاقِ حمیدہ دونوں میں نفس خلط کر دیتا ہے، بے سمجھ سالک کی تواضع کو حد ناشکری تک پہنچا دیتا ہے، اس کی تحدیث بالنعمۃ میں ریاء اور فخر شامل ہو جاتا ہے، اور اس کو پتہ بھی نہیں لگتا، اسی طرح استغناء عن الخلق یعنی مخلوق سے بے پروائی کو بد خلقی کی حد تک پہنچا دیتا ہے، یہ شیخ مبصر کا کام ہے، جو سالک کو آگاہ کرتا ہے کہ تمہاری اس تواضع میں کفرانِ نعمت ہے، یا تمہاری اس تحدیث نعمت میں ریاء اور تفاخر داخل ہے، تمہارا یہ استغناء عن الخلق غلبۂ توحید سے ناشی نہیں بلکہ تکبر کے سبب ہے۔

استغناء از تکبر اور استغناء از غلبۂ توحید کا فرق

غلبۂ توحید سے جس استغناء کی شان بزرگوں پر غالب ہو جاتی ہے اس میں تواضع کا اثر ہوتا ہے، کسی کی دل آزاری نہیں ہوتی، اور جو استغناء تکبر سے پیدا ہوتی ہے، اس میں مخلوق کے ساتھ خشکی اور بد خلقی کے آثار پائے جاتے ہیں، اسی کو حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

بحر تلخ و بحر شیریں ہمعناں
درمیان شاں برزخ لایبغیاں

"دریائے شور یعنی اخلاقِ رذیلہ اور دریائے شیریں یعنی اخلاق حمیدہ دونوں دوش بدوش چلتے ہیں، لیکن ان کے درمیان فرق ہوتا ہے جس کو شیخ کامل نورِ فراست سے سمجھ لیتا ہے اور اس کی صحبت کے فیض سے طالب میں بھی یہ سمجھ پیدا ہو جاتی ہے۔"

مُبتدی کیلئے تحدیث بالنعمۃ جائز نہیں ہے

ہمارے حضرت مرشد پاکؒ فرمایا کرتے تھے کہ مبتدی کے لئے تحدیث بالنعمۃ جائز نہیں، کیونکہ ابھی اس کے اندر اخلاص کا رسوخ نہیں، عادۃً اس کا ریا سے محفوظ رہنا ناممکن ہے، تحدیث بالنعمۃ کا مقام منتہی کا ہے۔

مدارات اور مداہنت کا فرق

اسی طرح مدارات اور مداہنت میں فرق ہو جاتا ہے، جو محقق پیر ہوتا ہے، وہ دونوں کے فرق سے طالب کو آگاہ کرتا ہے، ہمارے حضرت مرشد پاکؒ نے مداراۃ اور مداہنت کا یہ فرق ارشاد فرمایا ہے کہ مدارات کا حاصل اہل جہل کے ساتھ نرمی کرنا ہے تاکہ وہ دین کی طرف آجاویں، اور اہل شر کے ساتھ نرمی کرنا ہے۔ تاکہ ان کے شر سے حفاظت رہے، اور یہ دونوں امر مطلوب ہیں، اول تو خود دین میں مقصود ہے، ثانی مقصود میں معین ہے، کیونکہ شریر کی ایذا میں مُبتلا ہو جانے سے احیاناً طاعت میں بھی اور اکثر تبلیغ میں بھی خلل پڑ جاتا ہے۔

اور مداہنت بددینوں کے ساتھ نرمی کرنا ہے، تاکہ ان سے مال اور جاہ کا نفع حاصل کرے، مدارات کے متعلق حضورؐ ارشاد فرماتے ہیں "بُعِثْتُ بِمُدَارَاۃِ النَّاسِ" (ذھب عن جابرؓ) "میں صفتِ مدارات کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں" (اور بعثت کے مقاصد میں یہ صفت معین ہے) عارف سالک اور غیر عارف سالک میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

خوفِ ریاء سے ترک عبادت بھی ریاء ہے

غیر عارف سالک کبھی ریاء کے خوف سے عبادت ہی ترک کر دیتا ہے، حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ریاء کے خوف سے عبادت کا ترک کرنا بھی ریاء ہے۔

اخلاص کا طریقہ

بس رضاء الٰہی کی نیت سے عبادت شروع کر دو۔ اصل تو نیت کی درستی ہے، پھر بھی اگر وسوسہ ریاء کا آوے تو وہ ریاء نہیں ہے، ریاء کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو خود بخود چپک جاوے۔

ریاء کی حقیقت

ریاء کا تحقق جب ہی ہوتا ہے جب رضاء مخلوق کے لئے عبادت کی نیت کی جائے، وسوسۂ ریاء اور چیز ہے، ریاء اور چیز ہے، جیسے کہ آئینہ کے اوپر مکھی بیٹھ جاوے تو معلوم ہوتا ہے

کہ اندر مکھی بیٹھی ہوئی ہے حالانکہ آئینہ کے اندر نہیں ہے، باہر بیٹھی ہے، اسی طرح وسوسہ قلب کے باہر ہوتا ہے، مگر سالک کو اندر معلوم ہوتا ہے، پس وہ پریشان ہوتا ہے، یہ سب حضرت مرشد پاکؒ کی تعلیمات ہیں۔

حضرت تھانویؒ کا ۷۱ سال کی عمر میں اپنے ایک معمول سے رجوع

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ بڑے محقق عارف تھے، اور حد درجہ حق پرست تھے۔ حضرت کے یہاں پہلے ضابطہ تھا کہ جب کوئی نو وارد آئے تو بدون سوال کئے ہوئے خود بتادے کہ میں فلاں ہوں، فلاں جگہ سے آیا ہوں، اور فلاں مقصد کے لئے حاضر ہوا ہوں، لیکن جب حضرت والا کی نظر مبارک سے یہ حدیث گذری کہ بِالدَّاخِلِ دَهْشَةٌ فَتَلَقَّوْنَهُ بِمَرْحَبًا (للدیلمی) "نئے آنے والے کو اجنبیت کے سبب ایک قسم کی حیرت زدگی یعنی بدحواسی ہوتی ہے سو اس کو آؤ بھگت کر لیا کرو" تاکہ اس کی طبیعت کھل کر مانوس ہو جائے، اور حواس بجا ہو جاویں، اور ہر قول و فعل کا موقع سمجھکر نہ خود پریشان ہو نہ دوسرے کو پریشان کرے۔

حضرت والا نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ حدیث میری نظر سے اس وقت گذری جبکہ میری عمر ۷۱ سال کو پہنچ چکی، اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کی برکت سے مجھے توفیق عطا فرمائی کہ اب

آنے والے سے میں خود اس کا مقام اور غرض آمد اور اس مقام میں جو مشغلہ تھا اس کو پوچھ لیا کرتا ہوں ، اس سے ضروری حالت معلوم ہو جاتی ہے ، اور وہ مانوس ہو جاتا ہے ۔

کیسی حق پرستی تھی کہ اپنا کچا چٹھا سب بیان فرما دیا ، اہل حق کی یہی شان ہوتی ہے کہ خلق سے نظر اٹھ جاتی ہے صرف رضاء حق مقصود ہوتی ہے ۔

سالک غیر عارف اور عارف کا فرق

سالک غیر عارف عبادت کر کے یا وعظ بیان کر کے واہ واہ کا منتظر رہتا ہے ، اور عارف عبادت کر کے یا وعظ بیان کر کے حق تعالیٰ سے استغفار کرتا ہے ، کہ اے اللہ جو کچھ میرے نفس کی شرکت ہو گئی ہو اس کی معافی چاہتا ہوں ، حسنات کر کے شرمندہ ہونا اور استغفار کرنا یہ عارفین کا کام ہے ، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے ان کو اپنی ہر غلامی ناقص معلوم ہوتی ہے ، اور اعمالِ حسنہ کر کے خود کو کچھ سمجھنا یہ جاہل عابدوں کا کام ہے ۔ بے صحبت اور تربیت کے اہل علم بھی نفس کے ان مکائد سے محفوظ نہیں رہ سکتے کسی کو مال کا پندار ہے ، کسی کو جاہ کا پندار ، کسی کو علم کا پندار ہے ۔

اپنی فنائیت کا دعویٰ کرنا خود تکبّر کی نشانی ہے

کسی کو عبادت کا پندار ہے ، اور کسی کو اس امر کا پندار کہ میں پندار سے نجات پا گیا ، ؎

گفتی بت پندار شکستم رستم
ایں بت کہ پندار شکستی باقیست

"اے مخاطب تو نے کہا کہ میں نے پندار کے بُت کو توڑ دیا، اور میں خلاصی پاگیا تو تیرا یہ دعویٰ کہ میں نے پندار کے بت کو توڑ دیا یہ خود ایک بت باقی رہ گیا ہے۔"

یہ راستہ بڑا نازک ہے

یہ راستہ بڑا نازک راستہ ہے، نفس کی شرکت ایسی طور پر ہو جاتی ہے کہ آدمی کو پتہ نہیں چلتا ہے۔

اصرار علی المعصیۃ کیساتھ صاحب نسبت ہونے کا دعویٰ باطل ہے

اسی طرح بعض لوگ نافرمانیوں کو اپنے احوال اور کیفیات کی بنا پر نسبت کے لئے مضر نہیں سمجھتے، جیسا کہ اہل باطل اپنے وجد اور غلبۂ شوق سے بقا رنسبتِ باطنیہ پر استدلال کرتے ہیں۔ ہمارے حضرت مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں، کہ اصرار علی المعاصی کے ساتھ بھی اگر ذوق اور کیفیت باقی رہے تو یہ استدراج ہے، ہرگز علامتِ قبول نہیں، کیونکہ نسبت کی تعریف یہ ہے کہ عبد کی جانب سے حق کے ساتھ ذکر و طاعت کا تعلق ہو اور حق کی جانب سے عبد کے ساتھ رضا کا تعلق ہو، اور ظاہر ہے کہ معاصی کے ساتھ رضا کہاں، اسی

طرح بعض وقت اپنے معتقدین اور احباب کے اندر انداز نشست میں تکبر شامل ہو جاتا ہے، آنکھوں کے کھولنے اور بند کرنے میں نفس شامل ہو جاتا ہے، لب و لہجہ میں نفس کا اثر ہو جاتا ہے

بس حق تعالیٰ جب دستگیری فرماتے ہیں اور اپنی راہ کی سمجھ عطا فرماتے ہیں تو عارف اپنے خطرات اور وساوس تک کی نگرانی کرتا رہتا ہے، اور خاموش بیٹھا ہے مگر حق تعالیٰ کے ساتھ اس کا دل ہی دل میں مناجات کا عالم جاری ہے،

خامش اند و نعرۂ تکرارِ شاں
میرود تا عرش و تختِ یارشاں

"عارفین خاموش ہیں، لیکن ان کے تکرار کے نعرے محبوبِ حقیقی کے عرش تک پہنچتے رہتے ہیں"

شرکِ خفی کے متعلق ایک حدیث

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔ اَلشِّرْكُ اَخْفٰى فِيْ اُمَّتِيْ مِنْ دَبِيْبِ النَّمْلِ عَلَى الصَّفَا "شرک میری امت میں صاف چٹان پر چیونٹی کے چلنے کی آواز سے بھی زیادہ خفی ہوگا"

فائدہ:۔ اس حدیث میں وہ امر مذکور ہے جو اہل ارشاد سالکانِ طریق کو جتلاتے رہتے ہیں یعنی اعمال باطنیہ میں تدقیق اور کاوش کرتے ہیں تاکہ اخلاص ہاتھ سے نہ جاوے، اور اہل ظاہر اس کو غلو اور تشدد شمار کرتے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ اہلِ ظاہر کو عمق نہیں حاصل ہوتا ہے، اہل دین پر اعتراض کا منشا ہمیشہ جہل ہوتا ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

ایک دفعہ ایک عالم صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ حضرات صحابہؓ کے زمانہ میں صرف اللہ اللہ کا ذکر جو فی زمانہ مشائخ مریدوں کو تعلیم کرتے ہیں ثابت نہیں، میں نے ان کو وہی جواب دیا جو ہمارے حضرت مرشد پاکؒ فرمایا کرتے تھے، یعنی حضرات صحابہؓ کو چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ کے فیض سے نسبت عطا ہو جاتی تھی، ایمان کے ساتھ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتا تھا وہ اسی وقت صاحبِ نسبت ہو جاتا تھا، بعد کو رسوخِ نسبت کے لئے علماء ربانیین نے ذکر بسیط تجویز کیا، کیونکہ ذکر مفرد بہ نسبت ذکر مرکب کے جلد اوقع فی النفس اور راسخ ہوتا ہے، اور کثرت ذکر اللہ کا ثبوت قرآن میں موجود ہے۔

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَاذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا "اور اپنے اللہ کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو" اور تکرار مفرد کا ثبوت حضرات صحابہؓ کے زمانہ میں بھی ثابت ہے، مثلاً سورۂ انشقاق کسی کو یاد کرنا ہوتی تو اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ، اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ، بار بار رٹتے تھے، حالانکہ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ کے کیا معنیٰ ہیں، تو معلوم ہوا کہ اس طور پر رٹنا یعنی تکرار کلمۂ مفرد کا رسوخ کے لئے حضرات صحابہؓ کے زمانہ میں بھی ثابت تھا۔

حضرت تھانویؒ کا ارشاد

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو حق تعالیٰ نے بڑا علم عطا کیا تھا، ایک بار

ارشاد فرمانے لگے کہ اگر ایک ہزار دنیا کے عقلا کسی مسئلہ پر اعتراض لیکر ایک طرف بیٹھے ہوں اور مجھے پانچ منٹ کا موقع دیا جائے میں انشاء اللہ پانچ منٹ میں سب کو لاجواب کر دوں گا، حالانکہ میں ایک ادنیٰ طالب علم ہوں، علماء کی شان تو بہت بڑی ہے۔

عارفین کا اپنی نیّت کی تحقیق کرنا

عارفین ہر کام میں اپنی نیّت کی درستی کرتے ہیں، قلب کی گہرائی تک اُن کی نگاہ پہنچتی ہے، دل کو خوب ٹٹولتے ہیں کہ یہ کام جو میں کر رہا ہوں یہ اللہ کی خوشنودی کے لئے کر رہا ہوں یا کسی اور مقصد کیلئے، کیونکہ حق تعالیٰ کی معیت خاصّہ سے اُن کو ہر وقت یہ محسوس ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ ہمارے باطن کے تمام خطرات و وساوس پر بھی نظر رکھتے ہیں، پس وہ شرکتِ نفس سے دل کو خوب پاک کر کے پاک نیّت سے ہر کام کی بنیاد رکھتے ہیں، پھر اس کام میں اخلاص کے انوار ہی انوار ہوتے ہیں۔

کعبہ را ہر دم تجلّی می فزود
کیں ز اخلاصاب ابراہیم بود (عارف رومیؒ)

"کعبہ پر ہر وقت تجلیات الٰہیہ کی افزونی ہوتی رہتی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کس اخلاص سے کعبہ کی تعمیر فرمائی تھی کہ جس کے ایسے برکات کعبہ پر ظاہر ہو رہے ہیں"

واقعہ حضرت علیؓ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ یاد پڑا، ایک بار آپ کی ایک کافر سے کشتی ہوئی، آپ نے جب اس کافر کی پٹھ لگادی تو اس نے آپ کے رُوئے مبارک پر تھوک دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور اس کو چھوڑ دیا، اس کافر کو سخت حیرانی ہوئی، اور حیرت سے دریافت کیا کہ باوجود پورا قابو پالینے کے آپ نے مجھ کو کیوں چھوڑ دیا؟ ارشاد فرمایا کہ بات یہ ہے کہ میں اللہ کے لئے تجھ کو قتل کرتا، لیکن جب تو نے میرے چہرے پر تھوک دیا تو میرے نفس میں انتقامی ہیجان پیدا ہوگیا، اگر اس حالت میں تجھ کو قتل کرتا تو نفس کے لئے یہ کام ہوتا، اخلاص کے ساتھ یہ کام نہ ہوتا، اسی کو حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

از علی آموز اخلاص عمل
شیر حق را داں منزّہ از دغل

"حضرت علیؓ سے فی العمل سیکھو، شیر حق کو کھوٹ سے پاک سمجھو"

گفت من تیغ از پئے حق میزنم
بندۂ حقّم نہ مامورِ تنم

"حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں حق تعالیٰ کی رضا کے لئے تلوار چلاتا ہوں، بندۂ حق ہوں، بندۂ تن نہیں ہوں"

شیر حقّم نیستم شیرِ ہوا
فعلِ من بر دینِ من باشد گوا

"میں شیرِ حق ہوں شیر ہوائے نفس نہیں ہوں، میرا فعل میرے دین کی حقانیت پر گواہ ہے۔"

نقش حق را ہم بامر حق شکن
بر زجاجہ دوست سنگ دوست زن

"نقش حق کو (یعنی مخلوقاتِ الٰہیہ کو) امر حق سے توڑو، دوست کے شیشہ کو دوست ہی کے پتھر سے یعنی امر حق سے توڑو اپنے نفس سے نہیں۔"

حضرت حاجی صاحبؒ کی شانِ عبدیت

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مکہ میں مولانا رحمت اللہ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ترکی کے سلطان کے یہاں تشریف لے چلئے، مولانا رحمت اللہ صاحب کو سلطان ترکی بہت مانتا تھا، حضرت حاجی صاحبؒ نے جو جواب ارشاد فرمایا ہے اس میں عجیب شان عبدیت ہے،

فرمایا کہ "بھائی فقیر کا جانا مناسب نہیں، البتہ سلطان عادل کی دعا مقبول ہوتی ہے تو آپ میرا سلام کہہ دیجئے گا، اسی جواب میں دعا بھی ہو جاوے گی۔"

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے اس جواب میں استغنا کا بھی حق ادا فرمایا، اور دعا کی طلب اور احتیاج ظاہر فرما کر اپنے نفس کا بھی قلع قمع کر دیا، تاکہ یہ استغنا محمود ہو، غلط تکبر سے استغنا مذموم نہ ہو جاوے۔

بے سمجھے سالک اگر اس کے پاس کوئی امیر ملنے کو جاوے تو اس کے ساتھ بدخلقی سے پیش آتا ہے اور اسی کو کمال سمجھتا ہے، عارف سالک کی نظر اس حدیث پر ہوتی ہے اِذَا اَتَاکُمْ کَرِیْمُ قَوْمٍ فَاَکْرِمُوْہُ "جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز آوے تو اس کی عظمت کرو"

جب امیر فقیر کے دروازے پر آگیا تو اب وہ اچھا امیر ہے، کیونکہ نِعْمَ الْاَمِیْرُ عَلٰی بَابِ الْفَقِیْرِ کا مصداق ہے، اب اس کے ساتھ بدخلقی کے ساتھ پیش آنا نفس کا تکبر ہے، اس راہ میں بڑی تراش و خراش کرنی پڑتی ہے تب کہیں اخلاص نصیب ہوتا ہے، حضرات صحابہؓ کی تعریف میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ

اس آیت میں حق تعالیٰ نے ان حضرات کا اخلاص بیان فرمایا ہے، یعنی اپنے رب کی عبادت سے ان کا مقصد محض رضائے حق ہوتی ہے، یہ لوگ صرف ذاتِ حق کے طالب ہیں، بعض لوگ کثرت ذکر اور کثرتِ نوافل میں تو مشغول ہوتے ہیں مگر اخلاص نہ ہونیکے سبب عمر بھر ریاضت اور محنت کے باوجود مقصود سے محروم رہتے ہیں۔

ایک بڑے میاں کا واقعہ جو خلافت حاصل کرنے کی نیت سے ذکر و شغل کرتے تھے

حضرت گنگوہیؒ کے یہاں ایک بڑے میاں عمر بھر خدمت کرتے رہے، ایک روز عرض کیا کہ حضرت مجھے کچھ نفع نہ ہوا، ارشاد فرمایا

کہ اپنی نیت ظاہر کرو، کس نیت سے میرے پاس اتنے زمانے سے ذکر و شغل میں مصروف ہو؟ عرض کیا کہ حضرت نیت یہ تھی کہ کچھ دن ریاضت و مجاہدہ کے بعد آپ جب خلافت عطا فرما دیں گے تو دوسروں کو اللہ اللہ کرنا سکھاؤں گا، حضرت نے فرمایا کہ بظاہر تو نیت اچھی ہے لیکن اس کے باطن میں اس کا منشار جو ہے وہ سخت خطرناک ہے، یعنی طلب منصب کا بُت چھپا ہوا تھا، اسی سبب سے آپ محروم رہے، نیت میں صرف رضاء حق ہونا چاہئے، پھر اس کے بعد حق تعالیٰ جو انعامات عطا فرما دیں ان کا کرم ہے، مگر اپنی طرف سے غیر حق کو مقصود نہ بنانا چاہئے۔

از خدا غیر خدا را خواستن
ظن افزونیست کلی کاستن

"خدا تعالیٰ کی عبادت سے غیر خدا کو مطلوب بنانا ظن افزونی ہے اور سب کچھ گنوا دینا ہے"

تعلیم اور تلقین کا منصب بے شک دین ہے، مگر شرط یہ ہے کہ اس منصب کو شیخ کامل کسی طالب کے سپرد کر دے خود اس کی طلب قلب میں نہ ہو، اور اگر طلب قلب میں ہو تو یہ حجاب راہ ہے، اسی کو حضرت عارفؒ فرماتے ہیں:۔

اپنی طرف سے طلب منصب کا منشار نفس پرستی ہے

"منصب تعلیم نوع شہوتے ست" تعلیم کے منصب کی طلب بھی خواہشات نفسانیہ کی ایک قسم ہے۔

شانِ عاشق

جو سچا طالب اور عاشق ہوتا ہے وہ تو یہ کہتا ہے :-

۱۔ منصب کانم زرویت محجب است
عین معزولی ست نامش منصب است

۲۔ عاملِ عشق است معزولش مکن
جز بعشق خویش مشغولش مکن

۳۔ عشق ارزد صد چو خرقہ کالبُد
کہ حیاتے دارد و حِسّ خرد

ترجمہ: ۱۔ "جو منصب کہ میرے لئے آپ کے دیدار سے حجاب ہے عین معزولی ہے، نام اس کا منصب ہے،
۲۔ یہ عاملِ عشق ہے اس کو معزول نہ کیجئے، بجز اپنے عشق کے اس کو معزول نہ کیجئے۔
۳۔ عشق قالب جیسے تو خرقوں کی قیمت رکھتا ہے جو قالب کہ حیات اور حِس اور عقل رکھتا ہے"

۴۔ خاصہ خرقہ ملکِ دنیا کبر است
پنج دانگِ ہستیش دردِ سر است

۵۔ ملک دنیا تن پرستاں را حلال
ما غلام عشق ملکِ لازوال

ترجمہ "خصوصاً خرقۂ ملک دنیا وہ تو بالکل ہی ناقص ہے، اس کی پنج دانگ ہستی دردِ سر ہے۔ ۵۔ ملک دنیا تن پرستوں

کو نصیب ہو، اور ہم عشاق تو ملکِ عشق بے زوال کے غلام ہیں۔"

عشق کی نصیحت

۶۔ عشق می گوید بگوشم پست پست
صید بودن بہتر از صیادی است

۷۔ بر درم ساکن شو و بے خانہ باش
دعوئ شمعی مکن پروانہ باش

۸۔ نعرۂ مستانہ خوش می آیدم
تا ابد اے جاں چنیں می بایدم

ترجمہ "۶۔ عشق میرے کان میں چپکے چپکے کہتا ہے کہ شکارِ عشق رہنا، شکاری بننے سے بہتر ہے۔ ۷۔ اور عشق یہ کہتا ہے کہ میرے دروازے پر سکونت کر لے اور بے خانہ رہ، شمع ہونے کا دعویٰ مت کر پروانہ ہی بن کر رہ۔ ۸۔ نعرۂ مستانہ محبوب کی یاد میں مجھے اچھا لگتا ہے ابد تک اے جان اسی طرح میں مست رہنا چاہتا ہوں۔"

حدیث شریف متعلق باولیاء خستہ حال و پراگندہ بال

حدیث شریف میں آیا ہے کہ یہ مستانِ خدا ایسے ہیں کہ بظاہر عشق حق نے ان کو بے سروسامان خستہ حال کر رکھا ہے، یہاں تک کہ ان کے کپڑے بھی میلے ہوتے ہیں اور پراگندہ بال ہوتے

ہیں، اگر کسی کے دروازے پر جائیں تو دھکے دیئے جائیں، یعنی جہاں جائیں کوئی کھڑا نہیں ہونے دیتا، مگر عند اللہ ان کا یہ درجہ ہوتا ہے کہ اگر وہ اللہ پر قسم کھا بیٹھیں یعنی ان کے منہ سے نکل جاوے کہ قسم ہے اللہ ایسا ہی کر دیں گے، تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو سچا کر دیتے ہیں۔

فائدہ:۔ اس حدیث سے تین امر ثابت ہوئے، ایک یہ کہ بعضے اولیاء اللہ ظاہر میں ذلیل و خوار ہوتے ہیں تو ولایت کے لئے وجاہت دنیویہ لازم نہیں۔ دوسرا یہ کہ بعض اولیاء اللہ کی یہ خاص شان بھی ہوتی ہے کہ جو کچھ ان کی زبان سے نکل جاتا ہے، اللہ تعالیٰ پورا کر دیتے ہیں، اور تیسرا امر رُبَّ أَشْعَثَ أَغْبَرَ مَدْفُوْعٍ بِالْأَبْوَابِ فُوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهٗ میں رُبَّ جو ہے وہ تقلیل کے لئے ہے، سب اولیاء اللہ کے لئے ایسا ہونا لازم نہیں بلکہ بعض ترکِ دعا کو ترجیح دیتے ہیں، ہر ایک کی شان جدا ہے ؎

مبیں حقیر گدایان عشق را کیں قوم
شہانِ بے کمر و خسروان بے کلہ اند
گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں
کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

(از تشرف جلد چہارم)

اس راہ میں اخلاص ہی اصل پونجی ہے، اگر اخلاص نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

❊ ❊ ❊

ذکر میں کیفیت کا انتظار نہ چاہئے

بعض لوگ ذکر اللہ میں کیفیات کے منتظر ہوتے ہیں، ایک صاحب نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت اللہ اللہ تو کرتا ہوں لیکن کوئی نفع نہیں معلوم ہوتا، حضرت حاجی صاحبؒ بڑے محقق تھے، ارشاد فرمایا کہ یہ کیا کم ہے کہ تم اللہ کا نام لیتے ہو، یہ توفیق معمولی نعمت ہے؟ جب پہلا اللہ کہنا قبول ہو جاتا ہے تب دوسری بار اللہ کا نام مُنہ سے نکلتا ہے، اگر قبول نہ ہوتا تو دوسری بار نام لینے کی توفیق سلب فرما لیتے،

گفت آں اللہ تو لبیک ماست
آں نیاز و درد و سوزت پیک ماست
ترس و عشق تو کمند شوق ماست
زیر ہر لبیک تو لبیکہاست
ذکر حق پاک است چوں پاکی رسید
رخت بر بندد بروں آید پلید
می گریزد ضدہا از ضدھا
شب گریزد چوں برافروزد ضیا
چوں در آید نام پاک اندر دہاں
نے پلیدی ماند و نے آں دہاں
اُذکُرُوا اللہ شاہ ما دستور داد
آندر آتش دید ما را نور داد

چہ کشا ایں نار را نور خدا
نور ابراہیم را ساز اوستا

ترجمہ

۱۔ حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں کہ تیرا اللہ کہنے کے بعد پھر اللہ کہنا یہی حق تعالیٰ کی طرف سے لبیک ہے، اور تیرا نیاز اور درد عشق اور سوز حق تعالیٰ کی طرف سے پیغام ہے۔"

ایک ذاکر کی حکایت

قصہ یہ ہے کہ ایک بار ایک ذاکر بندہ سے ابلیس نے کہا کہ تو اللہ اللہ پکارتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو کوئی جواب آتا نہیں ہے، پھر کیوں تو سر دُھنتا ہے، یہ بیچارہ بہت ملول خاطر ہوا، خواب میں حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی، اس بیچارہ نے اپنا ماجرا عرض کیا کہ اُدھر سے کوئی جواب آتا نہیں، مجھے خوف ہے کہ میرے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنا دروازہ بند کر دیا ہے، تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ "گفت آں اللہ لبیک ماست"

۲۔ "یہ تیرا خوف اور یہ تیرا عشق حق تعالیٰ کی طرف سے کمند شوق ہے، جس کے ذریعہ تجھے جذب فرما لیتے ہیں، تیرے ہر لبیک کے ساتھ حق تعالیٰ کی طرف سے بہت سے لبیک مخفی ہیں۔"

۳۔ "بعض لوگوں کو یہ دھوکہ ہوتا ہے کہ ہماری زبان ناپاک گنہگار ہے، اس ناپاک زبان سے ہم اللہ کا نام کیسے لیں، تو

اس کا جواب حضرت عارف رومیؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ ذکرِ حق پاک ہے، جب تم اس کا ذکر کرو گے تو اس نام پاک کی پاکی تم کو بھی پاک کر دے گی، اور تمہاری ناپاکی اور پلیدی اپنا بستر باندھ کر رخصت ہو جاوے گی۔"

۴۔" ہر ضد اپنی ضد سے بھاگ جاتی ہے، چنانچہ جب دن نکلتا ہے تو رات بھاگ نکلتی ہے، اسی طرح ذکر کا نور جب تمہارے اندر پیدا ہو گا تمہاری تاریکی نکل جاوے گی۔"

۵۔" جب وہ نام پاک حق تمہارے منہ سے نکلے گا تو نہ اُس وقت تمہاری پلیدی باقی رہے گی نہ تمہارا وہ منہ رہے گا۔"

۶۔" ہمارے شاہ نے ہمارے لئے اُذکرُوا کے امر سے ذکر کا دستور بنایا ہے، کیونکہ مجھے نفسانی خواہشات کی آگ میں اس شاہ حقیقی نے دیکھا، تو ہم کو اپنے نام پاک کا نور عطا فرمایا۔"

۷۔" نارِ شہوت کو اگر بجھا سکتا ہے تو نورِ خدا ہی بجھا سکتا ہے، جس طرح آتشِ نمرود کو نورِ ابراہیمی نے گلزار کر دیا تھا پس اسی نور کو حاصل کرو۔"

ذکر کی پابندی ہی اصل مطلوب ہے

اِس راہ میں ذکر کی پابندی ہی اصل کامیابی ہے، خواہ ذوق و شوق حاصل ہو یا نہ ہو، یہ کیفیات محمود تو ہیں مگر مطلوب نہیں ہیں، ہمارے خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

جذبات ہی پہ اپنے نہ مجذوب شاد رہ جذبات ہیچ ہیں جو مرتب عمل نہ ہو

حضرت سعدی شیرازیؒ فرماتے ہیں ؎

قدم باید اندر طریقت نہ دم
کہ اصلے ندارد دمے بے قدم

"طریق کے اندر قدم چاہئے یعنی عمل درکار ہے نہ کہ دم، یعنی کیفیت۔ کیونکہ وہ کیفیت جو عملی قدم کے ساتھ مقرون نہ ہو بے اصل ہے۔"

مقصود اعمال ہیں نہ کہ کشف و کرامت وغیرہ

اِس راہ میں اعمال حسنہ کی توفیق اگر ہے تو سب کچھ حاصل ہے، خواہ کشف و کرامت، ذوق و شوق، وجد اور استغراق کچھ نہ حاصل ہو، کیونکہ شریعت میں عمل مطلوب ہے، ترقی کا مدار اعمال پر ہے جو اختیاری ہیں، اور کیفیات چونکہ غیر اختیاری ہیں، اس لئے ان کو قرب اور بُعد سے کوئی تعلق نہیں، البتہ حق تعالیٰ اگر کسی کو عطا فرماویں تو انعامات الٰہیہ ہیں اُن پر شکر بجالاوے، رونے کو جی چاہے رو لے، ہنسنے کو جی چاہے ہنس لے مگر ان کو مطلوب نہ سمجھے، کہ ان کے نہ ہونے سے ملول خاطر ہو، بہت سے نادان سالکوں نے اس راہ میں جب ذوق و شوق میں کمی محسوس کی تو اپنے کو مردود سمجھ کر بالکل ہی بیٹھ رہے، اور دنیا و آخرت دونوں کھو بیٹھے، کسی شیخ مبصر کی رہبری میں اگر کام کرتے، تو وہ اس وقت میں سنبھال لیتا، اور کہتا کہ کام میں لگے رہو، کامیابی تو کام ہی سے ہوگی، کیفیات نہ رہیں تو نہ سہی ؎

روزہا گر رفت گو رو باک نیست
تو بماں باقی کہ چوں تو پاک نیست

"دنیا میں سب سے بڑی نعمت اور مطلوب شے عمل ہے، یعنی مرضیِ الٰہی کے مطابق زندگی گذارے"

رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً کی تفسیر اعمالِ حسنہ سے

رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً میں جو حسنہ ہے ہمارے مرشدِ پاکؒ نے بیان القرآن میں حسنہ کی تفسیر اعمالِ حسنہ سے فرمائی ہے، اور تحریر فرمایا ہے کہ اس آیت رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً سے ہمارے زمانہ کے طالبانِ دنیا کو شبہ پڑ گیا، کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں طالبانِ دنیا کی مدح فرمائی ہے، جب کہ وہ طالبِ آخرت کے بھی ہوں، اور یہ بڑی غلطی ہے، کیونکہ آتِنَا کا مفعولِ بہ حسنہ ہے، اور دنیا مفعول فیہ ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا ظرفِ طلب ہے خود مطلوب نہیں، بلکہ مطلوب حسنہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ لوگ اس کے طالب ہیں کہ ہم کو دنیا میں رہتے ہوئے حسنہ یعنی وہ حالت جو آپ کے نزدیک مستحسن اور پسندیدہ ہو، عنایت کی جاوے، اور اصل پسندیدہ اعمال حسنہ ہیں، پس بالذات وہ مطلوب ہوئے، اور دنیا کے جس قدر حصہ کو ان اعمالِ حسنہ میں دخل ہے خواہ مال ہو یا صحت ہو، وہ البتہ اس حسنہ کے تابع ہو کر بالعرض و بالغیر مطلوب ہو جاوے گا بخلاف اس وقت کی تعلیم و طرزِ عمل کے جس میں دنیا کو مطلوب بالذات اور آخرت کو

محض برائے نام قرار دے رکھا ہے، حاشا وکلّا اس کو آیت سے مس بھی نہیں ہے، غایت مافی الباب اگر طلب دنیا میں حلال وحرام کی حدود شکستہ نہ کی جاویں تو اباحت کا حکم کر دیا جائے گا لیکن مباح شرعی ہونے سے مطلوب شرعی ہونا لازم نہیں خوب سمجھ لو۔"

(از بیان القرآن، سورۂ بقرہ)

بعض مفسرین نے حَسَنَہ کی تفسیر علم دین سے کی ہے، اس معنی کے اعتبار سے کہ اعمال حَسَنَہ کا مدار علم دین پر ہے، حضرت والا کی تفسیر سے اس تفسیر کی تائید ہو جاتی ہے۔

سالک کا صحیح مسلک

الغرض اپنی طرف سے اس راہ میں سالک کا یہی مسلک ہونا چاہئے کہ ؎

احمد تو عاشقی بمشیخت تراچہ کار
دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد

پھر اگر شیخ اجازت فرمادے تو اپنے کو نااہل سمجھتے ہوئے دین کی خدمت میں لگ جائے شیخ کی اجازت کی برکت سے اب حق تعالیٰ کی غیبی امداد ہمراہ ہوگی، مگر اپنے تمام انعامات ظاہرہ و باطنہ کو محض فضل اور عنایتِ حق سمجھتا رہے کبھی اپنے اوپر نگاہ نہ جائے کہ میں ایسا متقی اور نیک ہوں کہ اب دوسروں کی رہبری کے قابل ہوں، اگر یہ خیال آیا تو سمجھ لو کہ بس اب شیطان کا تسلط ہو رہا ہے،

بندگیِ او بہ از سُلطانی است کہ اَنَا خَیرٌ مِنہُ شیطانی است

حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی بندگی اور غلامی سلطانی سے بہتر ہے، کیونکہ اَنَا خَیْرٌ" یہ شیطانی پھونک ہے، اسی زہریلے مادّے یعنی تکبّر سے خود بھی مردود ہے، اور بنی آدم کو اسی راہ سے مردود بنانے کوشش کرتا ہے، پس جب یہ خیال آوے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

"شیطان اگر وسوسہ ڈالے تو ہماری پناہ میں آجاؤ"

علاج وسوسۂ شیطانی

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ ط اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ ایک دفعہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم سے شیطان کے قدم اکھڑ جاتے ہیں، اور اسی کو تین بار پڑھکر بائیں طرف قلب پر تھتکار دے، حضرات صحابہؓ سے بڑھ کر کون ولی ہوسکتا ہے مگر حق تعالیٰ ان کی تمام پرہیز گاری اور دینداری کو اپنی عنایت فرماتے ہیں :۔

وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ	"لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو ایمان
الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ	کی محبت دی اس کو تمہارے دل
قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ	میں مرغوب کردیا اور کفر اور فسق
الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَ	اور عصیان سے تم کو نفرت دیدی
الْعِصْیَانَ ط اُولٰٓئِکَ ھُمُ	ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے فضل اور
الرّٰشِدُوْنَ فَضْلًا	انعام سے راہ راست پر
مِّنَ اللّٰہِ وَنِعْمَۃً ط وَ	ہیں اور اللہ تعالیٰ جاننے والا

اَللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ط حکمت والا ہے۔"

(پ۲۶، سورۂ حجرات)

ایک علمِ عظیم

ان آیتوں سے حق تعالیٰ نے طریق سے متعلق ایک علم عظیم عطا فرمایا ہے، وہ یہ کہ سالک پنے ایمان اور اعمال حسنہ کو نیز کفر اور فسق اور نافرمانیوں سے نفرت اعتقادیہ طبعیہ کو محض فضل الٰہی سمجھے، کبھی اپنے ذکر اور شغل اور مجاہدہ کا ثمرہ نہ سمجھے، کیونکہ یہ ذکر شغل اور مجاہدات فی نفسہٖ ان احوال محمودہ کے لئے علت نہیں ہیں، البتہ یہ رحمت الٰہیہ کی تحصیل کے اسباب ہیں، چنانچہ ان آیتوں میں حق تعالیٰ نے حضرات صحابہؓ کی اُن تمام نعمتوں کو (یعنی ایمان کا دل میں محبوب اور مرغوب ہوجانا، کفر اور فسق ومعاصی کا قلب میں مکروہ ومبغوض ہوجانا) اپنی طرف منسوب فرمایا ہے، حضرات صحابہؓ کے کسی مجاہدہ اور ریاضت کی طرف ان نعمتوں کی نسبت نہیں فرمائی، اس میں فنائیت کی عجیب تعلیم ہے، اور نصِ قطعی سے اس فنائیت کی تعلیم مل جاتی ہے، جو حضرات صوفیہ اپنے متعلقین کو اہتمام کے ساتھ بتلایا کرتے ہیں۔ سورۂ نجم میں حق تعالیٰ نے ہمیں اپنے کو مقدس سمجھنے سے منع فرمایا ہے، اور عجیب عنوان سے نہی فرمائی ہے جس میں تکبر کا علاج بھی موجود ہے، ارشاد فرماتے ہیں:

هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ — "وہ تم کو خوب جانتا ہے جب
اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ — تم کو زمین سے پیدا کیا تھا اور

وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ	جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں
بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا	بچے تھے، تو تم اپنے کو مقدس
تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ	مت سمجھا کرو، تقویٰ والوں
اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ط	کو وہی خوب جانتا ہے۔"
(پ ۲۷، سورۂ نجم)	(پ ۲۷، س نجم)

اسی کو حضرت عارفؒ فرماتے ہیں ؎

نفس از بس مدحہا فرعون شد کن ذلیل النفس ہونا لا تسد

مولانا فرماتے ہیں کہ نفس لوگوں کی تعریف سے فرعون ہو جاتا ہے، پس تم ذلیل النفس رہو اور ہرگز سرداری مت طلب کرو۔

فنائیت تامہ کے بعد اب حضرات اصحابؓ اس بشارت کے اہل ہوں گے کہ ان کو اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ کا خطاب دیا جائے، تاکہ ان کی حوصلہ افزائی ہو جائے، کیونکہ اس ایمان اور ان اعمال کا تعلق بظاہر تو ان کے اعضاء سے ہے، گو یہ اعضاء بھی ہمارے ہی عطا فرمودہ ہیں، لیکن ہماری عطا اور بندہ نوازی کا مقتضاء یہی ہے کہ ہم اس ادنیٰ تعلق اور ملابست پر ان کو رَاشِدُوْنَ کا لقب مرحمت فرما دیں اور فنائیت تامہ چونکہ ان کو حاصل ہو چکی ہے، اس لئے اندیشہ ناز و پندار کا نہیں رہا، بلکہ یہ مقبولین ہمارا شکر ہی بجا لائیں گے کہ حَبَّبَ اور كَرَّهَ کے فاعل تو میاں ہیں ورنہ ہم کو ایمان کی مرغوبیت اور یہ کراہت مِنَ الْكُفْرِ وَالْفُسُوْقِ وَالْعِصْيَانِ کہاں سے نصیب ہوتی، پس باوجود اس کے کہ یہ سب کچھ اعمال و احوال انہی کی عطا ہیں، پھر رشد کی جو نسبت ہماری طرف فرمائی

گئی ہے، یہ محض بندہ نوازی نہیں تو اور کیا ہے۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل
میرے مولا یہ تیری مہربانی

آگے حق تعالیٰ نے اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ فرمانے کے بعد انعام کو صراحت سے بھی ارشاد فرمادیا کہ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ نِعْمَۃً یعنی یوں تو حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ سے یہ امر متبادر اور ظاہر تھا کہ جب ہمارے یہ اعمال حسنہ اور احوال محمودہ سب عطاءِ حق ہیں تو تحسین کے قابل وہی ذات منعم حقیقی کی ہے۔ ہم تو محض مٹی کے ایک ڈھیر ہیں، یہ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ کا فرمانا محض بندہ نوازی اور میاں کی حوصلہ افزائی ہے، ؎

کارِ زلف است مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند

لیکن حق تعالیٰ شانہٗ نے فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَنِعْمَۃً فرما کر اسی کو اور مؤکد فرمادیا کہ خبردار کبھی واہمہ بھی اس کا دل میں گذرنے نہ پائے کہ ہم کچھ ہوگئے ہیں کہ ایسے ایسے اعمال اور اخلاق حسنہ ہم سے صادر ہونے لگے، یہ محض اللہ کا فضل ہے اور نعمت الٰہیہ ہے، یہ علوم اور یہ فیوض سب ہمارے بڑے میاں کا فیض ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی غلامی کا صدقہ ہے، اس راہ میں سچا پیر جس کو مل جائے تو سمجھو بڑی نعمت ہاتھ لگی، جاہل اور اناڑی پیر سے تو مرید زندگی بھر تنگ بھی رہتا ہے، اور محروم کا محروم رہتا ہے۔ جاہل پیر کی

اصلاح بے سمجھی اور نادانی کی اصلاح ہوتی ہے، وہ ہر رذیلہ کا نعوذ باللہ جڑ سے قلع قمع کرنا چاہتا ہے اور اس پر قدرت حاصل نہیں، کیونکہ رذائلِ نفسانیہ تو انسان کی فطرت اور جبلت میں داخل ہیں۔

رذائل کا ازالہ مطلوب ہے نہ کہ امالہ؛

امراض جسمانیہ تو بالکلیہ اچھے ہو سکتے ہیں لیکن نفسانی رذائل کا قلع قمع نہیں ہو سکتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:۔

إِذَا سَمِعْتُمْ بِجَبَلٍ زَالَ	"اگر تم یہ سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ
عَنْ مَكَانِهِ فَصَدِّقُوهُ	سے ہٹ گیا تو اس خبر کی تصدیق
وَإِذَا سَمِعْتُمْ بِرَجُلٍ	کر دو، لیکن اگر یہ سنو کہ کوئی
زَالَ عَنْ جِبِلَّتِهِ فَلَا	شخص اپنی جبلت سے ہٹ گیا
تُصَدِّقُوهُ.	تو مت تصدیق کرنا"

رذائل کے اندر حکمتیں ہیں، یہ مخلوقات الٰہیہ ہیں، ع

نیست باطل ہر چہ یزداں آفرید

یہ غصہ و شہوت وغیرہ بے کار نہیں پیدا کئے گئے ہیں، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ازالہ رذائل کا ناممکن ہے تو پھر اصلاح کیسے ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اصلاح کا طریقہ ازالہ ہی نہیں ہے، جو ازالہ کرنا چاہے وہ اناڑی پیر ہے، جاہل غیر محقق ازالہ کی کوشش کرتا ہے اور طالب کو ہلاک کر ڈالتا ہے۔ اصلاح نام ہے ان رذائل کے امالہ کا، یہ خدائی مشین کے پُرزے ہیں، ان کو اکھیڑنا نہ چاہئے، ان

سے کام لینا چاہئے

شہوت دنیا مثال گلخن است
کہ از حمّامِ تقویٰ روشن است

ان رذائل سے کام لینا چاہئے وہ کام کیا ہے ؟ وہ ایسا کام ہے کہ اسی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں ان کو ایندھن بنا کر تقویٰ کا کھانا پکانا چاہئے ، ہر بُری خواہش کو تقویٰ کی بھٹی میں ڈالدو ، تقویٰ کا حمّام روشن ہو جاوے گا ۔

اگر نفس کے یہ بُرے تقاضے انسان میں موجود نہ ہوتے تو پھر امتحان کس بات کا ہوتا ان رذائل کا جو بمنزلہ ایندھن دیئے گئے ہیں ، اگر ہم ان کو کھانے لگیں گے یعنی ان کے مقتضیٰ پر عمل کرنے لگیں تو ہم ہلاک ہو جائیں گے ، ہر رذیلہ کو اس کے صحیح مصرف کی طرف پھیر دینا یہی اس کی اصلاح ہے ۔ مثلاً غصّہ ہے ، اللہ کی نافرمانی میں صرف کرنے کی بجائے اس کو جہاد میں کفار پر خرچ کیا جائے اپنے نفس کی نافرمانی پر اپنے اوپر کیا جائے یہی اس کا امالہ ہے ۔

صحابہ کی شدت کا جب مصرف صحیح ہو گیا تو وہ شدت محمود ہو گئی ، اور حق تعالیٰ تعریف فرما رہے ہیں اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ اگر مادہ ہی شدت کا نہ رکھا گیا ہوتا تو کفار پر شدّت کہاں سے لاتے ، اسی طرح محبت کا مادہ بھی نہ رکھا گیا ہوتا تو رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کیسے ہوتے جو محبت کہ بُری جگہ صَرف ہو وہ مذموم ہے وہی محبت صحیح مصرف میں صرف ہو محمود ہے اللہ اور رسول اور تمام ایمان والوں کے ساتھ جب محبت کرنے لگے تو اب امالہ ہو گیا اسی طرح بخل ہے پہلے اللہ کے راستہ میں خرچ

کرنے سے جی رُکتا تھا، اب اس کا مصرف بدل دیا بُرے کاموں میں خرچ سے رُکنے لگے اور پہلے بُرے کاموں میں خوب خرچ کرنا اچھا معلوم ہوتا تھا اب نیک کاموں میں خرچ کرنے لگے۔

ریا رہے، پہلے مخلوق کو دکھانے کے لئے عبادت کی جاتی تھی، اب اس کا مصرف بدل کر اس کی اصلاح کردی گئی، اب اللہ میاں کو اپنی عبادت دکھا رہے ہیں۔ جو اینٹھ مروڑ اور اکڑ کر چلنا ایمان والوں کے حرام تھا، موقع جہاد پر کفار پر رُعب جمانے کے لئے وہی اینٹھ مروڑ اور اکڑ کر شجاعت دکھاتے ہوئے چلنا پسندیدہ اور امر محمود ہے، بلکہ اس وقت اگر دشمنوں کو خاکساری دکھائے گا تو محروم ہو جائے گا، اس وقت میں تواضع حرام ہے۔

اسی طرح پہلے حسد ایمان والوں کے ساتھ کرتا تھا اب ہر ایمان والے کے لئے دعا کرتا ہے اور کافروں کی طرف اس حسد کا اماله کر دیا گیا اے اللہ، دشمنان اسلام کو برباد کر دے۔

اب اگر یہ رذائل پیدا ہی نہ کئے گئے ہوتے ان سے یہ کام کیسے لیا جاتا، سخت غلطی ہے جو لوگ رذائل کا ازالہ اور قلع قمع کی فکر کرتے ہیں، حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

نیست باطل ہر چہ یزداں آفرید
از غضب از حلم و ز نصح مکید

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ رذائل فی نفسہٖ قبیح نہیں ہیں، غلط مصرف میں استعمال سے رذیلہ ہیں، اور صحیح مصرف میں استعمال سے حمیدہ ہیں، اصلاح اخلاق کا حاصل ازالۂ رذائل

نہیں ہے، مصارف صحیحہ کی طرف پھیر دینا ہی ان کی اصلاح ہے، ازالہ کی فکر کرنا حکمت الٰہیہ کو فوت کرنا ہے۔

دین کا تمام تر مدار سمجھ پر ہے، جس کی سمجھ جس قدر اونچی ہوتی ہے اسی قدر وہ مقرب ہوتا ہے، اس کی دینی سمجھ بہت رفیع اور باریک بیں ہو جاتی ہے، اور اسی سمجھ سے توحید پر استدلال کرتا ہے، وہ عقل سے غور کرتا ہے، کہ دنیا میں کوئی چیز جب عاقل انسان بناتا ہے تو بنانے سے پہلے اپنی صنعت کا مقصد ذہن میں متعین کر لیتا ہے، اگر بدون کسی مقصد کے کوئی شخص کوئی چیز تیار کرلے تو اس کو پاگل اور دیوانہ کہا جاتا ہے، پھر حق تعالیٰ تو حکیم مطلق ہیں، ان کا کوئی فعل حکمت سے خالی ہونا ناممکن اور شان الوہیت کے منافی ہے، اس امر کو عقلاً تسلیم کرنے کے بعد اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب سارا جہان آسمان، زمین، چاند، سورج، ستارے، چرند، پرند، جمادات، نباتات انسان کی حفاظت اور تربیت کے لئے مخلوق ہوئے ہیں تو یہ انسان جس کے لئے اتنے وسیع کارخانہ کا اہتمام کیا گیا ہے اس کو کس رفیع اور اہم مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے؟

یہ ایک اہم سوال ہے جو عقلاً انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے، اب اس کا جواب کون دے، اس عظیم ترین مقصد کا علم کس سے حاصل کیا جائے یہ بھی ایک عقلی مسئلہ ہے، جس کا جواب خود انسان کی عقل دیتی ہے کہ ہماری پیدائش کا صحیح مقصد ہمارا پیدا کرنے والا ہی جان سکتا ہے، بندوں کی طرف سے حالاً اور اضطراراً جب یہ سوال پیدا ہوا تو حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت کاملہ نے بندوں کے

اس اضطراری سوال کا جواب ارشاد فرمایا :۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ (پ۲۷، سورۂ ذٰریٰت)

" اور میں نے جن اور انسان کو عبادت کے لئے ہی پیدا کیا ہے"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید المفسرین ہیں ، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ ! ان کو علم تفسیر میں خاص درک و فہم عطا فرما ، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اپنی تفسیر ابن عباس میں لِيَعْبُدُوْنِ کی تفسیر لِيَعْرِفُوْن سے فرمائی ہے اور صاحب جلالین نے بھی اسی تفسیر کو لیا ہے یعنی جن اور انسان کو میں نے اس لئے پیدا کیا تاکہ مجھے پہچان لیں۔

عالم ارواح سے رُوح کو منتقل کرنے کی حکمت

عالم ارواح میں تمہاری معرفت کی تکمیل نہ ہو سکتی تھی ، کیونکہ روحِ مجرّد میں بھوک اور پیاس نہ تھی ، عبادت کے لئے اعضاء نہ تھے ، کہ رکوع ، سجدہ اور قیام میں وہ اعضاء مختلف شکلوں میں طاعت اور بندگی کر سکتے ، پھر ہم نے انسان کو اس جسم کے ساتھ سراپا محتاج بنا کر اس عالم میں پیدا فرمایا تاکہ ہر قدم پر حاجت مند ہو کر ہمیں حاجت روائی کے لئے پکارے ، اور ہر حاجت سے ہماری صفات کی معرفت حاصل کرے۔

روح مجرد کو عالم ارواح میں نہ بھوک لگتی نہ پیاس ، اُس

وقت بندہ میری ربوبیت اور رزاقیت کو کیا سمجھتا، اب جس وقت بھوک اور پیاس سے مضطر ہوگا، اس وقت کھانا کھا کر ٹھنڈا پانی پی کر بے اختیار ہمارا شکر ادا کرے گا، جب اپنے گناہوں سے توبہ کرے گا اور ندامت کے آنسو بہائے گا، تو میری رحمت توبہ قبول کرے گی، اور گناہ کی مغفرت کرے گی، اس وقت میرے بندہ کو میری رحمانیت اور اور غفاریت اور توابیت کی معرفت ہوگی، میں اس کے گناہوں کو دیکھتے ہوئے اس کی ستاری کروں گا، اس وقت اُسے میری ستاریت کی معرفت ہوگی، اور باوجود میرے قادر مطلق ہونے کے انتقام نہ لینے سے میرے کرم اور حلم کی معرفت ہوگی، اور کبھی حد سے گذر جانے پر کسی سرکش قوم پر عذاب نازل کروں گا، اس وقت میرے ذوالانتقام اور شدید العقاب اور قہار ہونے کی معرفت ہوگی، اور یہ واقعات دوسری بستیوں کے لئے عبرت بنیں گے۔

علیٰ ہذا القیاس سارے عالم میں میری ربوبیت کے ساتھ میرے تمام اسماء حسنیٰ کا ظہور مخلوقات میں ہر وقت مشاہدہ کر کے میرے رب العالمین ہونے کی معرفت حاصل ہو جاوے گی۔ پس عالم ارواح سے دنیا میں بھیجنے کا اور بے شمار حاجتوں کے ساتھ پیدا کرنیکا مقصد محض یہی ہے کہ میرے بندے ہم کو مع ہماری صفات کے پہچان لیں، اور میری محبت کی دولت سے مالا مال ہو جائیں۔ یہ بات عالم ارواح میں روح محض کیلئے ممکن نہ تھی، نہ وہاں حاجات تھیں، کہ بھوک پیاس اور دوسری احتیاج سے صفات الٰہیہ کی پہچان

ہوتی، نہ ہاتھ پاؤں اور زبان سے کہ نماز روزہ اور دیگر عبادتوں سے حق تعالیٰ کی محبت کی تکمیل ہوتی، عالمِ ارواح میں چونکہ رُوح پر اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کی آواز سے ایک خاص کیفیت معرفت اور محبت کی طاری تھی، اس لئے اس محویت کی لذّت کو اس عالم ناسوت میں نہ پاکر درد فراق سے بے چین ہوگئی اور ہجر کی شکایت کرنے لگی، کما قال العارف الرومیؒ

بشنو از نے چوں حکایت می کند
واز جدائیہا شکایت می کند

صراطِ مستقیم رُوح کیلئے دوا ہجر ہے

تو اس ہجر کی دوا حق تعالیٰ نے بھیجدی اور فرمادیا کہ یہ عالمِ ناسوت تمہارے لئے حَرْثُ الآخرہ ہے، یعنی دنیا آخرت کی کھیتی ہے، وہاں تو چیونٹی کی طرح صرف بیج رہتے اور یہاں اب تمہاری ترقی ہوگی، اب اس بیج کے پھول پھل دنیا میں ظاہر ہوں گے، بیج کی ترقی تو کھیتی ہی سے ہوتی ہے، شکایت کی کیا وجہ ہے، میں نے تجھے لق و دق میدان کے یا سمندر کی موجوں کے سپرد نہیں کیا، نہ تجھے تیرے نفس کے حوالہ کیا، بلکہ تیری طرف سے وکالۃً ہم نے صراطِ مستقیم کی درخواست کا مضمون نازل فرمایا جس کا نام ہم نے سورۂ فاتحہ رکھا ہے، چونکہ دنیا میں آکر تعلقات بڑھ گئے، میاں بیوی کے تعلقات، استاد شاگرد کے تعلقات، باپ بیٹے کے تعلقات، پڑوسیوں کے تعلقات اور اپنے نفس کے تعلقات، پھر ان تعلقات کے حقوق سامنے آئے اور ہمارے حقوق بھی پیشِ نظر ہوئے اُدھر نفس کے اندر خواہشات یعنی غضب و شہوت

وغیرہ کے تقاضے محسوس ہوئے، اور ان خواہشات کے متعلق یہ تشویش ہوئی کہ ان کو کہاں صَرف کیا جائے، کہاں صَرف نہ کیا جائے، مصارف صحیحہ اور مصارف غیر صحیحہ کا فرق کیسے معلوم ہو، تو ہم نے بندوں کو ان پریشانیوں کے حوالہ نہیں کر دیا، ہم نے بندوں کی طرف سے صراطِ مستقیم کی طرف سے درخواست کا مضمون نازل فرمایا :۔

مانگنے کو بھی ہمیں فرما دیا
مانگنے کا ڈھنگ بھی بتلا دیا
بلکہ مضمون بھی ہر اک درخواست کا
تو نے یارب ہم کو سب سکھلا دیا

یہی صراطِ مستقیم جو سورۂ فاتحہ میں مذکور ہے یہی دوا ہجر ہے، یعنی انعام والے بندوں میں سے کسی کا دامن پکڑ لو، اور صراطِ مستقیم پر چلنا اُن کی صحبت میں رہ کر سیکھ لو، بس پھر دیکھو گے کہ اس بیج میں کیسے کیسے پھول پھل آتے ہیں کہاں تو عالم ارواح میں مثل چیونٹی کے تھے اور اب ہماری اطاعت کی برکت سے کیا سے کیا ہو گئے، اب تمہارے مقابلہ میں نہ آسمان ہے نہ زمین ہے۔

بادۂ جوشش گدائے جوش ماست
چرخ در گردش اسیر ہوش ماست

مولانا فرماتے ہیں کہ " بادہ اپنے جوش و مستی میں ہمارے جوش کا غلام ہے اور آسمان اپنی گردش میں ہمارے ہوش کا قیدی ہے "

عجب کیا جو ہمیں عالم بایں وسعت بھی زنداں تھا
میں وحشی بھی تو وہ ہوں لامکاں جس کا بیاباں تھا

صراطِ مستقیم کے خلاف نفس کا جی چاہتا ہے، سامنے غیر محرم حسین ہے، نفس گوشۂ چشم سے دیکھنا چاہتا ہے، سالک نفس سے کہتا ہے کہ میاں آنکھوں کی خیانت سے باخبر ہیں، یَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْر "اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت سے باخبر ہیں، اور سینہ کے اندر ہم جو کچھ نافرمانیوں کے خیالات پکاتے ہیں، اس سے بھی باخبر ہیں"۔

یہ سوچ کر سالک آنکھوں کو نیچی کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی اس اطاعت و تابعداری کو دیکھ رہے ہیں کہ میرا بندہ بدون مجھکو دیکھے مجھ سے اتنا ڈرتا ہے اتنا ڈرتا ہے کہ گوشۂ چشم کی بھی حفاظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ تو بڑے قدردان ہیں، فرماتے ہیں:۔

بندۂ مومن متقی اللہ تعالیٰ کا غلام بھی ہے اور دوست بھی ہے

کہ یہ بندہ میرا بندہ بھی ہے اور میرا دوست بھی ہے نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ "ہم تمہارے دوست ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، غلام کو دوست بنانا معمولی انعام نہیں ہے، دنیا کے اندر کوئی بادشاہ کسی غلام کو دوست نہیں کہتا ہے، اس میں اپنی توہین سمجھتا ہے، کتنا ہی جاں نثار غلام ہو لیکن اس کو اپنا دوست کہتے ہوئے شرمائیں گے، اس کو کسرِ شان سمجھتے ہیں، ہماری لاکھوں جانیں اس رب العالمین احکم الحاکمین پر قربان ہو جائیں، یہ انہی کا کرم ہے کہ قرآن میں اپنے بندوں کو اولیاء کے خطاب سے نوازا ہے، دنیا کے بادشاہ بھی آدمی ہیں اور ان کا غلام بھی آدمی ہے،

اس جنسی مشارکت کے باوجود غلام کو دوست کہنے سے فرق مراتب کا لحاظ ان کو عار دلاتا ہے۔

اور کہاں بندہ حادث، مخلوق، ضعیف، سراپا محتاج اور کہاں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک لیکن حق تعالیٰ کی رحمت اور محبت کو دیکھنا چاہئے کہ غلاموں کو اپنا دوست فرمایا ہے۔

ایک جگہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ہم بندوں کے گناہوں کو کیوں بخش دیتے ہیں، میری شان غفاریت اور غفوریت کا ظہور کیوں ہوتا ہے، محبت کے مارے، ہم ودود بھی تو ہیں، ہمیں اپنے بندوں سے بڑی محبت ہے، حق تعالیٰ کی اپنے بندوں پر اس قدر رحمت ہے کہ فرماتے ہیں کہ اگر تم ہماری رحمت سے ناامید ہو گئے تو کافر ہو جاؤ گے، اللہ اکبر! کس قدر رحمت کی شان اس عنوان میں موجود ہے، جہنم کے عذاب سے ڈرا کر اپنی رحمت کا امیدوار بنا رہے ہیں۔

ایک عالم نے پچاس برس حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت کا وعظ کیا تھا، جب ان کا انتقال ہو گیا تو حق تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میرے اس بندے نے پچاس برس تک میرے بندوں کو میری رحمت کا وعظ سنایا ہے، مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس بندے سے حساب لوں لیجاؤ اس کو جنت میں داخل کر دو، میں نے اپنی رحمت سے اس کو بخش دیا۔

حاصل یہ ہے کہ عالم ارواح سے اس عالم ناسوت میں حق تعالیٰ نے ہمیں اس لئے بھیجا کہ ہم وہاں جو مثل بیج کے تھے یہاں اس کی کھیتی ہو، اور اس کے پھل پھول ظاہر ہوں، اس بیج کے پھل پھول کیسے حاصل ہوتے ہیں، آخرت کی کھیتی کا کیا طریقہ ہے، اور پھل پھول سے مراد کونسا پھل

بھول ہے، تو فرماتے ہیں کہ دنیا میں ڈر کر رہنا، صراط مستقیم سے قدم ہٹنے نہ پائے، گوشۂ چشم کو بھی بچانا کہ کہیں ملوث نہ ہو جائے، کانوں کو بچانا بُری باتوں کے سننے سے، لب و لہجہ کو بچانا کہ اینٹھ مروڑ اور تکبّر نہ شامل ہو، آنکھوں کا تیور کے بدلنے میں نگاہ رکھنا کہ انانیت کی شان نہ پیدا ہو جائے، ہر حرکت و سکون میں ہر سانس میں ڈر نا کہ کہیں اس بات سے میاں ناراض نہ ہو جائیں، اسی کا نام آخرت کی کھیتی ہے مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ کھیتی کی مثال سے عجیب بات بتادی، کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، بیج گھر سے نکالا گیا، لیکن کھیت میں اس کی ترقی ہو گی جب ایک بیج سینکڑوں دانے اور پھل پھول اپنے اندر دیکھتا ہے، تب اس کو بیج کی مصلحت معلوم ہوتی ہے۔

پس اس خوف اور ڈر سے جو ہر وقت جائز و ناجائز حلال و حرام کی فکر لگی ہوئی اسی کی بدولت ولایت عطا ہوتی ہے، اسی تقویٰ کی برکت سے اس بیج میں کیسے کیسے پھل لگتے ہیں، کوئی صدیق ہو رہا ہے، کوئی فاروق ہو رہا ہے کوئی غوث ہو رہا ہے۔ اسی ڈر سے کیسے کیسے ابدال، اقطاب، اوتاد، نجباء، نقباء انہی انسانوں میں پیدا ہوتے ہیں، تقویٰ کی صفت ایسی صفت ہے جو نبوت اور ولایت دونوں کے اندر مشترک ہے لیکن نبوت کے ساتھ اضطراری ہے اور ولایت کے ساتھ اختیاری ہے۔

عالمِ ارواح میں تقویٰ کے اسباب نہ تھے

عالم ارواح میں اس ڈر کا تحقق نہ ہوتا، کیونکہ وہاں تقویٰ کے اسباب نہ تھے، تقویٰ کے اسباب کیا ہیں، شہواتِ نفسانیہ

ہیں اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

شہوت دنیا مثال گلخن است

کہ از و حمام تقویٰ روشن است

عالم ارواح میں جب اعضاء ہی نہ تھے تو اعضاء کی خواہشات کہاں سے ہوتیں، اگر ایک اندھا کہے کہ میں نے کبھی کسی اجنبیہ عورت پر بری نگاہ نہیں کی، تو اس کا یہ قول اس کے تقویٰ کے لئے دلیل نہ ہوگا، کیونکہ اس کے پاس نہ تو اچھی نگاہ ہے نہ بری نگاہ ہے، اسی طرح اگر عنین یعنی مادرزاد نامرد یہ کہے کہ میں نے کبھی زنا نہیں کیا تو اس کا یہ قول اس کے تقویٰ کی دلیل کے لئے دلیل نہیں ہوسکتی، کیونکہ اس کے اندر زنا کی قوت ہی نہیں ہے۔

اسی کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے شعر مذکور میں فرمایا ہے، کہ تقویٰ کا حمام تو جبھی روشن ہوتا ہے جب خواہشات نفسانیہ کا ایندھن بھی پاس موجود ہو، اللہ کے خوف سے ہر بری خواہش کے مقتضاء پر عمل کرنے کے تقاضے کو جب تقویٰ کی بھٹی میں جلا دیتا ہے تب تقویٰ کا حمام روشن ہوجاتا ہے، اور تقویٰ کے نور سے حق تعالیٰ کا راستہ کھلتا چلا جاتا ہے، وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ "اور جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ اختیار کرتے ہیں ہم اپنے راستوں کو ان کے لئے کھول دیتے ہیں"

حق تعالیٰ نے سبیل نہیں فرمایا ہے سُبُل فرمایا ہے جو سبیل کی جمع ہے، سُبُل فرما کر یہ بتادیا کہ میرے قرب کے بہت سے راستے

ہیں، کسی کو صبر کے ذریعہ قرب عطا فرماتے ہیں، کسی کو شکر کے ذریعہ قرب عطا فرماتے ہیں۔

عالم ارواح میں نہ تو مجاہدہ کا سامان تھا، نہ تقویٰ کا سامان تھا، اور حق تعالیٰ نے مجاہدہ اور تقویٰ کو شرط ولایت اور شرط قرب فرمایا ہے، فرماتے ہیں:۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ "خوب غور سے سن لو کہ اولیاء اللہ پر نہ کوئی اندیشہ ناک واقعہ آنے والا ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے"، اور وہ کون لوگ ہیں جو اللہ کے ولی ہیں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یتقون "جو لوگ کہ ایمان لائے اور جو اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں"۔

اس آیت سے ہمارے حضرت مرشد پاکؒ استدلال فرمایا کرتے تھے کہ نبوت تو غیر اختیاری ہے لیکن ولایت کو بندوں کے اختیار میں دیدیا ہے، کیونکہ ولایت کی دونوں شرطیں ایمان اور تقویٰ اختیاری ہیں، اور حضرت کبھی جوش میں یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ نبوت کا دروازہ تو بند ہوگیا ہے لیکن ولایت کا دروازہ قیامت تک کھلا ہوا ہے، اب بھی حضرت غوث پاکؒ کی کرسی پر بیٹھنے والے لوگ موجود ہیں ؎

ہنوز آں ابر رحمت در فشان است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

تقریر مذکور سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ رُوح کے لئے عالمِ ارواح میں اسبابِ قرب موجود نہ تھے، پس اُس عالم میں ہماری عبدیت حق تعالیٰ کی ولایت سے مشرف نہ ہوسکتی تھی، وہاں صرف بندے رہتے، حق تعالیٰ کے دوست نہ بن سکتے، کیونکہ شرط ولایت کا یعنی ایمان بالغیب اور تقویٰ کا اسی عالم ناسوت میں انتظام کیا گیا ہے، پس رُوح کا عالمِ ارواح سے جدا ہوکر عالمِ ناسوت میں آنا صورۃً تو ہجر ہے لیکن معنیً عین وصال اور قرب ہے۔

چنانچہ دنیا میں حق تعالیٰ کی اطاعت اور تقویٰ کی برکت سے قرب کے کیسے کیسے مراتب اولیاء اللہ کو عطا ہوتے ہیں، اور روح کا تعلق جب تک اس جسد عنصری سے رہتا ہے، مسلسل اعمالِ حسنہ کے ذریعہ درجاتِ قرب میں ترقی ہوتی رہتی ہے، اور جس وقت رُوح بحکم الٰہی جسدِ عنصری سے اپنا تعلق منقطع کرکے عالم ناسوت سے چل دیتی ہے اسی وقت رُوح کی ترقی کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے۔

عالم آخرت میں جو کچھ ثمرات اور درجات عطا ہوں گے وہ دنیا ہی کے اعمال اور مجاہدات کے نتائج ہوں گے۔ اس تقریر مذکور کے پیش نظر رُوح کو ہجر کی شکایت نہ ہونی چاہئے، طبیعت پر عقل کو غالب کرکے کام میں لگ جانا چاہئے، کام میں لگتے ہی انشاء اللہ میاں کی طرف سے کرم کے ایسے جھونکے باطن میں محسوس ہوں گے کہ سارا درد فراق عین قرب معلوم ہوگا، جب اس بیج کے پھول پھل اپنے اندر دیکھو گے تب آنکھیں کھل جائیں گی کہ کہاں تو عالمِ ارواح میں مثل چیونٹی کے تھے، اور اب ساٹھ ساٹھ گز کے ہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہر جنتی اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے قد پر ہوگا یعنی ساٹھ گز کا ، اور یہ تو ظاہری خلعت کا انعام ہے ، باطن میں نہ جانے کیا کیا نعمتیں ہوں گی ، سینہ ہوگا کہ قرب اور معرفت کے انوار موجیں مارتے ہوں گے ، واہ رے بیج تو عالم ارواح میں کیا تھا ، اور اس عالم میں تو نے آکر کیا ترقی کی ۔

ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے دوست
اس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے

حاصل یہ ہے کہ رُوح کو حق تعالیٰ سے جدائی کی جو شکایت تھی " وزجدائیہا شکایت می کند " اس کے علاج کے لئے حق تعالیٰ نے صراط مستقیم نازل فرمائی ، اور حکم فرمادیا کہ اسی صراط مستقیم پر چلو ، اسی سے ہجر کی شکایت رفع ہوگی ، جب ہماری اطاعت و فرمانبرداری اور اطاعت میں لگ جاؤ گے تو تمہاری جدائی میرے قرب سے بدل جائے گی ، اور اس قرب میں اس قدر ترقی ہوگی کہ عالم ارواح کی محویت اور وہاں کی استغراقی لذت یہاں کے قرب کے سامنے بھول جاؤ گے ، اس وقت جو ہجر کی شکایت ہے اس کا سبب یہ ہے کہ ابھی عقل پر طبیعت کا غلبہ ہے ، چند روز جبراً نفس کو کام میں لگا دو اور طبیعت پر عقل کو غالب کر کے استقامت کے ساتھ معمولات ذکر وغیرہ کی پابندی کر لو ، چند ہی روز میں یہ دنیا تمہارے لئے باعتبار قرب اور انس کے عالم ارواح سے بڑھ کر ہو جاوے گی ، اور ایک عجیب ستھری زندگی ہم تمہیں عطا فرمادیں گے ، اس حیات طیبہ کا مفہوم یہ ہے کہ جو ہم چاہتے ہیں وہی تم بھی چاہنے لگو گے ، جس بات سے ہم خوش ہوتے

ہیں اسی سے تم بھی خوش ہوگے ۔ جو بات ہمکو ناپسند ہے وہی تم کو بھی ناپسند ہوگی ۔

یعنی تمھاری خواہشات میری مرضیات کی تابعدار اور غلام بن جاوینگی اور ہماری مرضیات تو پاک ہیں پس تمھاری مرضیات بھی ہماری مرضیات کی تابعداری کی برکت سے پاک ہوجاویں گی ، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمھارے تمام اعضاء سے پاکیزہ اعمال صادر ہوں گے ، تمھارا ظاہر پاکیزہ ہوگا تمھارا باطن پاکیزہ ہوگا اور میری مرضی پر ہر وقت تمھاری نگاہ کی ٹکٹکی بندھی ہوگی ، کہ ہم کونسا عمل کریں ، کہ میاں ہم سے خوش ہوجائیں ، اور ہر وقت خوف رہے گا کہ کوئی ایسی بات نہ ہوجائے کہ میرا اللہ مجھ سے ناخوش ہوجائے ، جب میری مرضی پر اس طرح تمھاری نگاہ جم کر رہ جاوے گی تو ہماری مرضی بھی تمھارے ساتھ ہوجاوے گی ، ؎

ہم تمہارے تم ہمارے ہوچکے
دونوں جانب کے اشارے ہوچکے

کام تو کرکے دیکھو ، زبانی قیل وقال سے کام نہیں چلتا ہے ؎

کارکن کار بگذر از گفتار اندریں راہ کار باید کار

کام میں لگ جاؤں اور چرب زبانی سے باز رہو ، اس راہ میں کام درکار ہے ، ترقی اعمال سے ہوتی ہے نہ کہ محض گفتار سے ۔

اس عالم ناسوت میں رُوح کے علوم بڑھ گئے ، کیونکہ حق تعالیٰ کے تمام اسماءِ حُسنیٰ کی معرفت نصیب ہوگئی ، اور بندوں کے ساتھ تمام اسماءِ حسنیٰ کا تعلق ہے ۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ بندہ کو جس قسم کی حاجت پیش ہو اسی حاجت کے مناسب

حق تعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی نام منتخب کرکے اس کا کثرت سے ورد کرے تو وہ حاجت بہت جلد پوری ہوجاتی ہے، مثلاً کوئی رزق کی تنگی میں مبتلا ہے تو کثرت سے یَا مُغْنِیُ کا ورد کرے، مغنی اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے، جس کے معنیٰ اے غنی کردینے والی ذات کے ہیں۔ حق تعالیٰ کے تمام اسماء حسنیٰ کی توجہ بندوں کی تربیت کے ساتھ کام کرتی رہتی ہے، اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں تو اس صفت مغفرت و رحمت کے تعلق سے بندوں کو مغفور اور مرحوم کہا جاتا ہے، وہ رزاق ہیں تو بندے مرزوق ہیں، وہ ودود ہیں تو بندے مودود ہیں، وہ خالق ہیں تو بندے مخلوق ہیں وہ صاحب غضب ہیں تو مجرمین مغضوب ہیں، علیٰ ہذا القیاس اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کی تفصیلی معرفت اسی عالم میں ارواح کو نصیب ہوئی ہے، اسی لئے فرماتے ہیں:۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ" اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی معرفت کے لئے پیدا فرمایا ہے، لِیَعْبُدُوْنِ کی تفسیر لِیَعْرِفُوْنِ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب ہماری زندگی کا مقصد معرفت ہے تو اس کا طریقہ کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کی پہچان کا طریقہ

کیسے پہچانیں تو اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں:۔ اَلرَّحْمٰنُ فَاسْئَلْ بِهٖ خَبِیْرًا" رحمٰن کی شان کو کسی باخبر سے پوچھو"، یہ ترجمہ ہمارے مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، عجیب اور قابل وجد ترجمہ ہے۔ پھر یہ سوال ہوتا ہے کہ وہ باخبر لوگ کیسے پہچانے جائیں، وہ علامات

کیا ہیں جن کو دیکھ کر ہم سمجھ لیں کہ یہ بندہ اللہ تعالیٰ کا باخبر ہے، اس سوال کا جواب اسی آیت نے چند آیتوں کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:۔

قرآن کی روشنی میں

عباد الرحمٰن کی پہچان کی پہلی صفت

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا "اور حضرت رحمٰن کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اُن کے مزاج میں تواضع ہے، تمام امور میں اور اسی کا اثر چلنے میں بھی ظاہر ہوتا ہے، کیونکہ یہ حق تعالیٰ کی عظمت سے باخبر ہیں، عظمت الٰہیہ کی معرفت اور اس کے استحضار سے جبے ہوئے چلتے ہیں، ہر وقت دھیان بندھا ہوا ہے، کہ میاں دیکھ رہے ہیں۔ ان کے سامنے چل رہا ہوں۔ اس احسانی کیفیت کے اثر سے ان کی چال سے غلامی کی شان ظاہر ہوتی ہے، ان کی رفتار کا ہون، یعنی تذلل اس امر پر مخبری کرتا ہے کہ انہوں نے اپنی بندگی اور حق تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کو پہچان لیا ہے، عَلَى الْاَرْضِ فرمایا ہے، جس میں لطیف اشارہ یہ ہے کہ زمین تو چلنے کے لئے پیدا ہی کی گئی ہے، تمہارے قدموں سے اس کی پائمالی ہوتی ہی ہے، لیکن تم نیت اس کی پائمالی کی نہ کرو؛ ورنہ زمین کا تو کوئی نقصان نہ ہوگا لیکن تمہاری

عبدیت کو نقصان پہنچ جائے گا، زمین کے مقابلہ میں تمہاری چال سے اس کی حقارت نہ ظاہر ہو، جیسا کہ متکبرین اکڑ کر اینٹھ مروڑ کے ساتھ چلتے ہیں جس کو حق تعالیٰ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا " اور زمین پر اتراتے ہوئے اکڑ کر مت چلو" یہاں فِي الْأَرْضِ فرمایا ہے، جس سے متکبرین کی چال کا اندازِ قدم بتایا گیا ہے کہ متکبر زمین پر ایسی قوت سے قدم مارتے ہیں، کہ اگر ان کا قابو چلے تو زمین کے اندر قدم پہنچا دیں۔

آگے فرماتے ہیں إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا " اے متکبر تو زمین پر اتراتا ہوا مت چل، کیونکہ تو زمین پر زور سے پاؤں رکھ کر نہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے، اور نہ بدن کو تان کر پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتا ہے" پھر اس عاجزی اور ضعفِ قوت کے ساتھ اترانا عبث ہے۔

حق تعالیٰ کے خاص بندے اپنی چال سے پہچان لئے جاتے ہیں، انسان چال چلن سے پکڑ لیا جاتا ہے، بُرے بھی چال چلن سے پکڑ لئے جاتے ہیں، اور اللہ والے بھی پکڑ لئے جاتے ہیں، مگر نیکی کے ساتھ خواہ وہ اپنے کو کتنا ہی چھپائے اور مٹائے ہوئے ہوں، مگر مردِ حقانی کی پیشانی کا نور کب چھپا رہتا ہے، پیش ذی شعور۔

اسی کو حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

گفت سیمائم وجوہٗ کردگار
کہ بود غمّاز باراں سبزہ زار
گر ببارد شب نہ بیند ہیچ کس

کہ بود در خواب ہر نفس و نفس
تازگیٔ ہر گلستانِ جمیل

ہست بر باران پنہانی دلیل

مولانا فرماتے ہیں (۱) "کہ جب انوار و برکات کسی شخص میں دیکھو تو سمجھ لو کہ یہ صاحبِ نسبت ہے کہ آپ نسبت سے یہ پھول کھلے ہیں، اسی کی نسبت پروردگار عالم نے حضرات صحابہؓ کی تعریف میں ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے :۔ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط یعنی صحابہؓ اپنے چہروں کے نور سے اور لوگوں میں پہچانے پڑتے ہیں تہجد کی نمازوں سے صاف نیت سے ان کے چہروں پر نور ہے" (موضح القرآن)

(۲ و ۳) "جس طرح بارش کا مخبر سبزہ زار ہوتا ہے، اگر شب کو مثلاً بارش ہو اور کوئی نہ دیکھے، کیونکہ نیند میں سب سوئے ہوئے ہوتے ہیں، اس وقت میں ہر باغ یا جمال کی تازگی جو صبح کو نظر آوے گی، باران مخفی پر علامت ہوگی" (از کلید مثنوی، دفتر ششم، ص ۶۶)

ہَون کے معنی لغت میں ذلت کے ہیں، اسی ہَون کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر میں بیان فرمایا ہے :۔

نفس از بس مدحہا فرعون شد
کُنْ ذلیل النفس ہَوْنًا لَا تَسُدّ

نفس اپنی تعریفوں سے فرعون ہو جاتا ہے، علاج کیا ہے؟ فرماتے ہیں کہ ذلیل النفس ہو جاؤ یعنی جب بندے ہو تو غلام کی خُو بُو تمہارے اندر سے نکلنی چاہئے، بڑائی تو صرف خدا تعالیٰ کی شان ہے،

ایک بوند پانی سے جو پیدا ہوا ہو اس کے لئے تو اور بھی تکبر زیبا نہیں، خبردار! وہ ہوں جو عباد الرحمٰن کی خاص صفت ہے اس کو ہاتھ سے نہ جانے دینا، اور اپنی طرف سے کبھی سرداری مت چاہنا۔

ایک بار مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ حضرت آپ کی طرف روز بروز ایک خلق متوجہ ہوتی جارہی ہے، مولانا نے عجیب جواب ارشاد فرمایا جو بہت قابل عبرت ہے، فرمایا کہ بھائی مجھے تو ازدحام خلقت سے خوف معلوم ہوتا ہے کہ کہیں یہ استدراج نہ ہو۔ اللہ اکبر، اللہ والوں کی یہی شان ہوتی ہے کہ کرتے رہتے ہیں اور ڈرتے رہتے ہیں۔

حق تعالیٰ نے اپنے باخبر بندوں کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تو یہ بیان فرمائی ہے کہ اُن کی چال اور بندوں کی چال سے ممتاز ہوتی ہے، اور یہ تواضع تو ان کا طرز خاص اپنے اعمال میں ہے۔

عباد الرحمٰن کی پہچان کی دوسری صفت

اور دوسروں کے ساتھ ان کا طرزِ عمل یہ ہے کہ وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۔ اور ان سے جہالت والے لوگ جہالت کی بات چیت کرتے ہیں تو وہ رفع شر کی بات کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اپنے نفس کے لئے انتقام قولی یا فعلی نہیں لیتے اور جو خشونت تادیب و اصلاح و سیاست شرعیہ یا اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہو اس کی نفی مقصود نہیں (بیان القرآن)

ظاہر ہے کہ جاہل کی بے تمیزی پر کس قدر انسان کو غصہ آتا ہے،

خصوصاً جبکہ مخاطبت کے ساتھ ہو، پس باخبر بندے جاہل کی چھیڑ چھاڑ میں اپنے کو نہیں الجھاتے ہیں، تاکہ حق تعالیٰ کی یاد کے لئے فراغِ قلب سے مشغولی کے لئے زیادہ سے زیادہ وقت میسر ہو، اللہ تعالیٰ کے باخبر بندے اپنے وقت کی بہت قدر کرتے ہیں، ہر لمحۂ زندگی کو امانت الٰہیہ سمجھتے ہیں پھر اُن کی شدّت محبت اس امر پر ان کو مضطر رکھتی ہے، کہ

؎ بفراغِ دل زمانے نظرے بماہ رُوئے
بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز ہائے دہوئے

یعنی ان کا مذاق یہ ہوتا ہے کہ محبوب حقیقی پر ایک بار نظر کر لینا یعنی ذکر حق میں مشغول ہونا اس امر سے بہتر ہوتا ہے کہ سر پر شاہی چتر ہو اور ہمہ وقت ہائے وہو یعنی شور وغل ہو۔

خلوت مع اللہ کی ترغیب ایک حدیث سے

یہ خلوت پسندی برائے ذکر دوست ہوتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

حَقِيقٌ بِالْمَرْءِ اَنْ يَكُوْنَ	"ہر شخص کو ضروری ہے کہ اس
لَهٗ مَجَالِسُ يَخْلُوْا	کے لئے متفرق طور پر ایسی مجلسیں
فِيْهَا وَيَذْكُرُ ذُنُوْبَهٗ	بھی ہونی چاہئیں جس میں خلوت
فَيَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِنْهَا،	اختیار کرے اور ان میں اپنے
(هب) عن مسروق مرسلاً.	گناہوں کو یاد کر کے اُن سے استغفار کرے"

ہمارے مرشد پاک حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرات اہل طریق اس کا فعلاً سخت التزام اور قولاً سخت اہتمام رکھتے ہیں کہ

خاص خاص اوقات خلوت کے لئے خاص رکھتے ہیں، اور ان میں ذکر اور فکر میں مشغول رہتے ہیں، اور تجربہ سے اس کی خاصیت بیان فرماتے ہیں کہ مَنْ لَا وِرْدَ لَہٗ لَا وَارِدَ لَہٗ (جس کے کچھ وِرد نہیں اس کے پاس کوئی وارد نہیں)

مضامین کا القار فی الجلوۃ تلقی فی الخلوۃ پر موقوف ہے

نیز تجربہ ہوا کہ القار فی الجلوۃ مشروط ہے تلقی فی الخلوۃ کے ساتھ، (یعنی جلوت میں مضامین انہی کو القار ہوتے ہیں جو خلوت میں اپنا معتدبہ وقت ذکر و فکر میں گذارتے ہیں۔

اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں اللہ تعالیٰ کی محبت سے یا خوف سے بہ پڑیں تو قیامت کے دن جب کہ شدّتِ تپش سے لوگوں سر کھولتے ہوں گے،

اللہ کی محبّت میں گریۂ وزاری

حق تعالیٰ پکاریں گے کہ کہاں ہیں وہ بندے جو مجھے تنہائی میں یاد کر کے رویا کرتے تھے، وہ میرے عرش کے سایہ میں آجائیں، رَجُلٌ ذَکَرَ اللّٰہَ خَالِیًا فَفَاضَتْ عَیْنَاہُ۔

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

عارفاں زانند دائم آمنوں ؎ کہ گذر کردند از دریائے خوں
امن شاں از عین خوف آمد پدید ؎ لاجرم باشند ہر دم در مزید

ترجمہ (۱) عارفین اسی سبب سے ہمیشہ بے خوف ہیں کہ وہ دریائے

خون سے گذر چکے ہیں۔ دریائے خون سے مراد ان کے مجاہدات نفس ہیں جس کو ہمارے خواجہ صاحبؒ نے بھی فرمایا ہے کہ ؎

مے یہ ملی نہیں ہے یوں دل اور جگر ہوئے ہیں خوں
کیوں میں کسی کو مفت دوں مے مری مفت کی نہیں

(خواجہ صاحب مجذوب)

ترجمہ (۲) " ان کا امن عین خوف سے ظاہر ہوا (یعنی خشیت حق سے) اس لئے وہ ہر دم لطف اور امید کی ترقی ہی میں رہتے ہیں "، عجیب تصرّف اور عجیب قدرت ہے کہ خوف میں امید کو رکھ دیا ہے، حالانکہ دونوں متضاد امر ہیں۔

حق تعالیٰ کے تصرّفات عجیبہ

انہی تصرّفاتِ عجیبہ کے سلسلہ میں مولانا نے یہاں ایک عجیب اور مفید بات بیان فرمائی ہے، فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی قدرت کو دیکھو کہ

گمرہی را منہجِ ایمان کند کژ روی را مقصد احسان کند

وہ بعض اوقات گمراہی کو طریق ایمان کا کر دیتے ہیں اور اخلاص سبب کجروی کا ہو جاتا ہے، اس طرح سے کہ گمراہی مثلاً سبب ہوئی کسی مقبول شخص کے ایذاء پہنچانے کے لئے اس کے پاس جانے کا اور وہاں پہونچنا سبب ہو گیا اس کے کسی کمال کی طرف دل منجذب ہونے کا اور وہ سبب ہو گیا ایمان کا اور اس کا عکس اس طرح کہ کبھی اخلاص پر نظر کر کے عُجب میں مُبتلا ہو گیا، اور عُجب کی

نخوست سے قرب سلب کر لیا گیا۔ (کلید مثنوی، جلد ۶، ص ۴۵۴)

صاحب گلزار ابراہیم حق تعالیٰ کے انہی تصرفات عجیبہ کو بیان فرماتے ہیں ؎

لاوے بت خانہ سے وہ صدیق[1] کو
کعبہ میں پیدا کرے زندیق[2] کو
اہلیۂ لوط نبی ہو کافرہ
زوجۂ فرعون ہووے طاہرہ[3]
زادۂ آذر خلیل اللہ ہو،
اور کنعاں نوح گمراہ ہو

یعنی آذر بت پرست کا بیٹا ابراہیم خلیل اللہ ہوا اور نوح پیغمبر کا کنعان کافر ہو۔

حضرت عارف رومیؒ ان تصرفاتِ عجیبہ کی منجملہ اور حکمتوں کے ایک حکمت یہ بیان فرماتے ہیں کہ ؎

تا نباشد ہیچ محسن بے وجا
تا نہ گردد ہیچ خائن بے رجا

یعنی حق تعالیٰ ایسا اس لئے کرتے ہیں تاکہ کوئی نیکی کرنے والا بے خوف نہ رہے اور کوئی گنہگار ناامید نہ رہے (کلید مثنوی جلد ۶، ص ۴۵۴)

بادشاہی زید آں خلاق را بادشاہاں جملگی عاجز ورا

بادشاہی اسی خلاق کو زیبا ہے، تمام بادشاہ اس کے سامنے عاجز ہیں،

---

[1] یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ [2] یعنی ابوجہل کو [3] فرعون کی بی بی ولیہ تھیں

بادشاہاں مظہر شاہی حق فاضلاں مرآت آگاہی حق

تمام بادشاہ مظہر ہیں بادشاہی حق کے تمام فاضل آئینہ ہیں علم حق کے ،

(کلید مثنوی دفتر ۶ صـ۱۷۴)

مسئلۂ قضا و قدر

لیکن حق تعالیٰ کسی کو کافر اور جہنمی بنا کر نہیں پیدا فرماتے ، اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ظلم سے پاک ہے ، فرماتے ہیں وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ " اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں " (پ۲۶، سورۂ قٓ)

تقدیر کا مسئلہ نہایت آسان ہے ، حق تعالیٰ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے مجھے اس مسئلہ میں شرح صدر عطا فرما دیا ہے ، میں اس مسئلہ کو ایک سوال سے سمجھاتا ہوں ۔

وہ سوال یہ ہے کہ بندے دنیا میں پیدا ہو کر جو اعمال اور افعال اپنے ارادہ اور اختیار سے کرنے والے تھے ان کا علم خدا تعالیٰ کو تھا یا نہیں ؟ اگر نہیں تھا تو وہ خدا ہی کیسا جس کا بندوں کے اعمال سے بے خبر اور جاہل ہونا ثابت ہو جاوے ، جہل تو شان خداوندیت کے منافی ہے ۔

پس لامحالہ یہی جواب دینا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ کو اپنے تمام بندوں کے تمام اعمال کا علم تھا ، پس اسی علم الٰہی کا نام تقدیر ہے ، جس کے متعلق حق تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ یہ اپنے ارادہ اور اختیار سے مرتے دم تک کفر اور شرک سے تائب نہ ہوگا ، اس کو جہنمی لکھ دیا ۔

لوگوں کو یہ دھوکہ ہو جاتا ہے کہ وہ علم الٰہی کو امر الٰہی سمجھ لیتے ہیں ،

حق تعالیٰ نے کفر کا امر نہیں فرمایا کہ تم کافر ہو جاؤ ، البتہ تمہارے کفر کا علم ضرور تھا ، کہ تم ایسا کرو گے وہی لوح محفوظ میں لکھدیا علم الٰہی اور چیز ہے امر الٰہی اور چیز ہے ۔

پھر تقدیر کی دو قسمیں ہیں ، ایک تقدیر معلّق دوسری تقدیر مُبرم ، تقدیر مبرم بدون کسی شرط کے ہوتی ہے ، اور تقدیر معلّق مشروط ہوتی ہے کسی شرط سے اور شرط کا علم حق تعالیٰ ہی کو ہوتا ہے ، اسی کو فرماتے ہیں:

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝ (پ۱۳ ، سورۂ رعد)

" خدا تعالیٰ جس حکم کو چاہیں موقوف کر دیتے ہیں اور جس حکم کو چاہیں قائم رکھتے ہیں اور اصل کتاب انہی کے پاس ہے "

یعنی بعض تقدیر کو اللہ تعالیٰ کسی خاص شرط پر معلّق رکھتے ہیں ، جب وہ شرط علم الٰہی کے مطابق وجود میں آجاتی ہے ، تو اس کو مٹا دیتے ہیں ، مثلاً کسی کو جہنمی لکھدیا اور علم الٰہی میں یہ قضا مشروط تھی ، کہ مثلاً جب ہمارا فلاں بندہ اس کے لئے دُعا کرے گا ، تو اس کی اس تقدیر کو مٹا کر جنتی کر دوں گا ، یہ ایک تمثیل ہے تاکہ بات واضح طور پر سمجھ میں آجائے ۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے خود فرمایا ہے : خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ " اللہ نے مُہر لگادی کافروں کے دلوں پر " تو اس شبہ کا جواب حق تعالیٰ ہی نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے : بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (پ۶) اس آیت میں حق تعالیٰ نے اس مُہر کی وجہ بیان فرمادی کہ ان کی مُسلسل

سرکشی جب اس حد تک پہنچ گئی کہ ان کے دل بالکل سیاہ ہو گئے اور علم الٰہی میں قبولِ ہدایت کی صلاحیت انہوں نے اپنی اختیاری طغیانی اور سرکشی سے مفقود کر دی، تو حق تعالیٰ نے سزاً ان کے دلوں پر مُہر بھی فرما دی، اور یہ ظلم نہیں ہے، ظلم تو اس وقت تھا جبکہ پہلے ہی سے مُہر کر دی جاتی، لیکن حق تعالیٰ کی رحمت نے ایک صلاحیت تو عالم ازل میں اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے سوال کے وقت ارواح میں پیدا فرمائی، پھر اس صلاحیت اور استعداد کی ترقی کے لئے عقل کو بالغ فرمایا، بالغ کے معنی عربی میں پہنچنے والے کے ہیں، پس عقل کے بالغ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب عقل کی استعداد اس درجہ کو پہونچی کہ احکامِ شریعت کا بار اٹھا سکتی ہے، اسی سے پتہ چلتا ہے کہ احکامِ شریعت سب عین عقل ہیں، کوئی امر خلافِ عقل نہیں، اگر خلافِ عقل ہوتے تو ان کا بار نابالغوں پر بھی رکھا جاتا، عقل کا بلوغ جس عالم سے آتا ہے اسی عالم سے احکام شرعیہ بھی آتے ہیں، پس مَابِہِ التَّکْلِیْفُ یعنی عقل بالغ میں حق تعالیٰ ایک استعداد خاص پیدا فرما کر اس پر مَابِہِ التَّکْلِیْفُ یعنی اپنے احکام کا بار رکھ دیتے ہیں، لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا، "اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا ہے، مگر اسی کا جو اس کی طاقت میں ہو" پھر اس عقل بالغ کی مدد کے لئے حق تعالیٰ نے ہر زمانہ میں نبی اور رسول بھیجا، وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گذرا ہو" (پ ۲۲، سورۂ فاطر)

پھر ان کی نبوّت و رسالت کی معرفت کے لئے ان کو معجزے اور آسمانی کتابیں اور صحیفے عطا فرمائے، پیغمبر آخر الزمان کے بعد قیامت تک ہر صدی میں ایک مجدّد پیدا ہوتا رہے گا، جو امّت کے ہر شعبۂ دین کی گمراہی کی اصلاح کرتا رہے گا، حق تعالیٰ کو نعوذ باللہ کافر بنانا مقصود ہوتا تو ہدایت کے اتنے اسباب پیدا فرمانے کی کیا ضرورت تھی۔ فرعون، نمرود، شداد کو اگر حق تعالیٰ جہنمی پیدا فرماتے تو ان کے لئے ان کی جنّت کیوں پیدا فرماتے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہر شخص کے لئے اس کی جنت اور اس کی جہنم کو حق تعالیٰ نے پیدا فرمایا، کافر جہنّم میں داخل کیا جائے گا تو اس کی جنّت دکھائی جائے گی اور کہا جائے گا اگر تو مومن ہوتا تو تیرا ٹھکانا یہاں ہوتا۔

اسی طرح مومن جب جنّت میں داخل ہوگا تو اس کی جہنم دکھائی جائے گی، اور کہا جائے گا اگر تو کافر ہوتا تو تیرا ٹھکانا یہاں ہوتا۔ کافروں کے خلود فی النار یعنی دائمی عذاب کی سزا پر بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ ان کا کفر اور شرک تو ایک محدود زندگی تک تھا پھر سزا غیر محدود کیوں تجویز ہوئی؟

تو حضرت رحمۃ اللہ نے اس کا عجیب جواب فرمایا ہے، فرمایا کہ کفر اور شرک کی حقیقت بغاوت ہے، اور قاعدہ سلاطین دنیاوی کا بھی یہ ہے کہ باغی کو جلاوطن عبور دریائے شور عمر کے لئے کر دیتے ہیں، جس سے ظاہر ہوا کہ بغاوت کی سزا غیر محدود ہے، اور یہ امر بمقتضائے عقل ہے، دوسرے یہ کہ حق تعالیٰ کے تمام صفات

غیر متناہیہ ہیں، اور کافر حق تعالیٰ کی ذات اور تمام صفات غیر متناہیہ کا حق ضائع کرتا ہے انکار سے، پس سزا بھی غیر متناہی ہونی چاہئے۔

نیز کافر کا ارادہ ہمیشہ اپنی طرف سے کفر ہی پر قائم رہنے کا ہوتا ہے، اگر ہمیشہ زندہ رہے تو ہمیشہ باغی رہنے کا عزم رکھتا ہے، اور مومن اس کے برعکس ہمیشہ اطاعت کا ارادہ رکھتا ہے۔

حق تعالیٰ کی ذات پاک ظلم سے پاک ہے، بعض لوگوں کو اس آیت سے شبہ ہوا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ	"اے ہمارے رسولؐ ان کے حق
عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ	حق میں آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا،
اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ	دونوں برابر ہیں، یہ کسی حالت
لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝	میں بھی ایمان نہ لاویں گے"

تو اس آیت میں حق تعالیٰ نے کافر ہونے کا حکم نہیں فرمایا ہے، اپنا علم ظاہر فرمایا ہے، اگر یہ علم نہ ہو تو مرتبۂ ذات میں جہل لازم آجائے، پھر ایسا خدا، خدا ہی نہیں بن سکتا ہے۔

بعض لوگوں کو اس آیت پر شبہ ہوا کہ یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا "گمراہ کرتے ہیں بہتوں کو اس مثال کی وجہ سے اور ہدایت کرتے ہیں اس کی وجہ سے بہتوں کو" تو اس کا جواب اسی آیت کے بعد ہی موجود ہے، فرماتے ہیں:۔

وَمَا یُضِلُّ بِہٖٓ اِلَّا	"اور گمراہ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ
الْفٰسِقِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ	اس مثال سے کسی کو مگر جو توڑتے
یَنْقُضُوْنَ عَھْدَ اللّٰہِ	رہتے ہیں اس معاہدہ کو جو

مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِہٖ وَ	اللہ تعالیٰ سے کر چکے تھے اس کے
یَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰہُ	استحکام کے بعد اور قطع کرتے
بِہٖ اَنْ یُّوْصَلَ وَ	رہتے ہیں ان تعلقات کو کہ حکم دیا
یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ	ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو وابستہ
اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ	رکھنے کا اور فساد کرتے رہتے ہیں

یہ لوگ زمین میں، بس یہ لوگ ہیں پورے خسارے میں پڑنے والے"۔

ان آیتوں کے اندر حق تعالیٰ نے یہ بتادیا کہ ہم انہی لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں جن پر اتنے مقدمات قائم ہوجاتے ہیں:۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے معاہدے کو توڑتے رہنا (۲) جن تعلقات کو قائم رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا اس کو قطع کرتے رہنا۔ (۳) زمین پر فساد کرتے رہنا۔

کرتے رہنے کا خوب ترجمہ حضرتؒ نے فرمایا ہے جس سے یہ ثابت ہوا کہ سرکشی اور طغیانی کو اپنا شیوہ ہی بنالیتے ہیں، اپنے کرتوت سے انہوں نے اپنے کو اندھا، گونگا، بہرہ بنالیا، فرماتے ہیں اَنُلْزِمُکُمُوْھَا وَاَنْتُمْ لَھَا کٰرِھُوْنَ، حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسو برس تک تبلیغ کی اس طویل مدت میں صرف ۸۰ یا ۸۲ انسان مسلمان ہوئے تو فرماتے ہیں کہ کیا میں اس ہدایت کو چپکا دوں، درآنحالیکہ تمہیں ہماری باتیں ناگوار معلوم ہوتی رہیں، اور میں ایسا شیدائی ہوں کہ ساڑھے نوسو برس تک تبلیغ سے تھکا نہیں۔ کفار کہتے تھے سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا، سُن لیا لیکن نافرمانی کریں گے۔ جب ان کے دل سرکشی کرتے کرتے سیاہ اور زنگ آلود ہوگئے اور

کسی کام کے نہ رہے تب حکم ہوا کہ اب تالا چڑھا دو، اب اللہ کے تالے پر کون کنجی لگا سکتا ہے۔

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ	حق تعالیٰ فرماتے ہیں ہرگز نہیں بلکہ
مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ط	ان کے دلوں پر انکے اعمال کا زنگ بیٹھ
بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا	کافر بنا کر نہیں پیدا کئے گئے تھے
بِكُفْرِهِمْ ،	
وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا	اور جس کی وہ ہنسی کیا کرتے تھے اسی
بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ط	نے ان کو آن گھیرا۔

خلاصہ یہ کہ تقدیر نام ہے علمِ الٰہی کا جو کچھ ہم اپنے ارادے سے خیر و شر کرنے والے تھے انہی کو حق تعالیٰ نے لکھوا دیا، کیونکہ علمِ الٰہی سے ایک ذرہ بھی غائب نہیں ہو سکتا۔

پس تقدیر کے اس صحیح مفہوم کی بنیاد پر نہ تو کوئی بندہ شر پر مجبور ہے نہ خیر پر۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ایک پیر اٹھاؤ اس نے اٹھا لیا پھر فرمایا کہ دوسرا پیر بھی اٹھاؤ، اس نے مجبوری ظاہر کی، پس فرمایا کہ سمجھ لو کہ بندہ اتنا مختار ہے اور اتنا مجبور ہے۔ حضرات صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جنتی اور جہنمی کی پہچان کیا ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا كُلٌّ مُّيَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ "جس کے اعمال اچھے دیکھو تو سمجھ لو کہ یہ جنت کے راستہ پر چل رہا ہے، اور جس کے اعمال بُرے دیکھو تو سمجھ لو کہ جہنم کے راستہ پر چل رہا ہے"

ہمارے حضرت مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ

خیر اور شر دو نسبتیں ہیں ایک خلق کی دوسرے کسب کی، خیر میں تو مراقبہ ان کی طرف کی نسبت کا کرے، کسب کا استحضار نہ کرے اور شر میں مراقبہ اپنی طرف کی نسبت کا خلق کا نہ کرے، غرض خیر میں تو نسبت خلق کو مستحضر کرو، اور شر میں نسبت کسب کو مستحضر کرو، یعنی ادب یہ ہے ہر خیر کی نسبت خدا کی طرف کرنا چاہیئے، اور ہر شر کی نسبت اپنی طرف کرنی چاہیئے۔

مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ	"اے انسان تجھکو جو کوئی خوشحالی
فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ	پیش آتی ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کی
مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ	جانب سے ہے اور جو کوئی بدحالی پیش
	آوے وہ تیرے ہی سبب سے ہے"

اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس آیت سے قبل قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ فرمایا ہے، یعنی آپ فرمادیجئے کہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ راحت اور تکلیف کا پہنچانے والا درحقیقت اللہ ہے جو راحت کسی کو پہونچتی ہے وہ اس کا احسان ہے، اور جو تکلیف پہونچتی ہے وہ تمہارے گناہوں کی نحوست ہے، اس صورت میں آیت كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ اور وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ دونوں میں مطابقت ہوگئی، یعنی سختی کی نسبت آدمی کی طرف اس لئے ہوئی ہے کہ اس کے گناہوں کی نحوست پہونچتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس لئے نسبت کی گئی کہ ہر چیز میں اس کا حکم چلتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ بندہ کو چاہیئے نیکی کو اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھے اور تکلیف اپنی تقصیر سے۔

بعض لوگوں کو وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ سے شبہ ہوتا ہے، کیونکہ اس آیت میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہاری مشیت ہماری مشیت کے تابع ہے۔

تو اس کا جواب ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا ہے، کہ مشیت عباد معلول ہے مشیت رب سے، اور بندوں کے افعال بمشیت بندہ کہلانے کی وجہ یہ ہے کہ مشیت ثانوی افعال عباد کی علت قریبہ ہے اور مشیت رب علت بعیدہ ہے، اور یہ نسبت علت قریبہ ہی کی طرف کرتے ہیں، فرقۂ قدریہ کی نگاہ محض مشیت اولیٰ پر ہوئی، اور جبریہ کی نگاہ مشیت ثانیہ محض پر ہوئی، یہ دونوں فرقے گمراہ ہیں، مذہب حق وہی ہے جو جامع ہے، اور ناظر ہے دونوں مشیتوں پر، یہ ایک علمی تحقیق ہے جو صرف اہل علم کا حصہ ہے۔

عباد الرحمٰن کی پہچان کی تیسری صفت

عباد الرحمٰن یعنی ان باخبر بندوں کی دو صفتوں کا بیان ہو چکا تھا، ایک صفت تو یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا یعنی زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں۔

دوسری صفت اِذَا خَاطَبَھُمُ الْجَاھِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا جب ان سے جہالت والے لوگ بات کرتے ہیں تو وہ رفع شر کی بات کہتے ہیں۔

تیسری صفت حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّھِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ان باخبر بندوں کی تیسری پہچان یہ ہے

کہ وہ راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام یعنی نماز میں لگے رہتے ہیں۔

بندوں کے ساتھ تو ان کا معاملہ وہ تھا جو بیان ہوا کہ کہیں سے عبدیت کی شان میں فرق نہیں آنے پاتا اور اپنے خالق و معبود حقیقی کے ساتھ ان کا یہ معاملہ ہے کہ شدتِ محبت کے سبب رات کے منتظر رہتے ہیں کہ کب سورج ڈوبے اور ہم دن کے جھگڑوں سے فارغ ہو کر فراغِ قلب سے اپنے محبوب حقیقی کی یاد میں لگ جائیں۔

اس آیت میں سجدہ کو قیام پر مقدم فرمایا ہے، حالانکہ قیام پہلے ہوتا ہے سجدہ کا وقوع بعد از قیام ہوتا ہے، تو اس تقدیم میں حق تعالیٰ نے ان کی ایک باطنی کیفیت یعنی ان کی شدتِ محبت کو بیان فرمایا ہے، کہ یہ باخبر بندے میرے در پر جبیں سائی کے لئے اور اپنے کو مٹانے کے لئے حالت قیام ہی سے مشتاق اور منتظر رہتے ہیں، یعنی ہیں تو قیام میں لیکن دل سجدہ کا منتظر ہے کہ کب وقت آئے گا کہ اپنے اللہ کے سامنے اپنی پیشانی زمین پر رکھ کر اپنے کو مٹا دوں، اور قاعدہ ہے کہ انتظار الصلوٰۃ من الصلوٰۃ یعنی کے انتظار میں جو ہوتا ہے وہ نماز کے اندر شمار ہوتا ہے، اس کو ثواب نماز کا ملتا ہے۔

پس حالت قیام میں انتظارِ سجدہ کے سبب حق تعالیٰ نے ان کو سجدہ ہی کے حکم میں فرما دیا، اس آیت میں میاں نے اپنے باخبر بندوں کی خاطر فرمائی ہے، کہ اگرچہ ابھی سجدہ میں نہیں گئے لیکن سجدہ کے انتظار میں تو ہیں، اس کی رعایت سے سُجَّدًا کو قِیَامًا پر مقدم فرما دیا۔

راتوں میں اللہ والوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جو لطف آتا ہے

اس کو دوسرا کیا جان سکتا ہے، کیونکہ وہ لذّت ایک مخفی راہ سے حق تعالیٰ عطا فرماتے ہیں ؎

درمیان شمس و دین روشن رہے
ہست روزنہا نثر زاں آگہے

اس آفتاب حقیقی اور ان کے قلب کے درمیان میں ایک مخفی راستہ ہے جس سے حق تعالیٰ کے نفحاتِ کرم پے در پے آتے رہتے ہیں، دوسرے لوگ اس دریچۂ باطنی سے آگاہ نہیں ہیں، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ

ان باخبر بندوں کے اعمال کا حال یہ ہے کہ "رات کو ان کے پہلو خواب گاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں (خواہ فرض عشاء کے لئے یا تہجد کے لئے بھی، اور اس سے سب روایتیں جمع ہوگئیں، اور خالی علیحدہ ہی نہیں ہوتے بلکہ اس طور پر علیحدہ ہوتے ہیں کہ) وہ لوگ اپنے رب کو ثواب کی امید سے اور عذاب کے خوف سے پکارتے ہیں، (اس میں نماز، اور دعاء اور ذکر سب آگیا) اور ہماری دی ہوئی چیزوں سے خرچ کرتے ہیں، سو کسی شخص کو خبر نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لئے خزانۂ غیب میں موجود ہے۔

ہر چند کہ اس آیت میں آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان خزانۂ غیب میں فرمایا گیا ہے مگر دنیا ہی میں اس ٹھنڈک کا فیض ملنا شروع ہو جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ "میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے"۔

اور ارشاد فرمایا اِنَّ الْمُصَلِّيَ يُنَاجِيْ رَبَّهٗ "مصلّی نماز میں اپنے رب سے چپکے چپکے سرگوشی کرتا ہے"۔

اور ارشاد فرمایا اَلصَّلٰوةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِيْنَ "نماز مؤمنین کی معراج ہے"۔

ان نصوص سے ظاہر ہے کہ نماز معراج اور محل مناجات اور قرۃ عین ہے۔

حضرت شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے ہمارے مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مخصوص مجلس میں ارشاد فرمایا کہ سب سے کہنے کی بات نہیں ہے، مگر تم سے کہتا ہوں کہ جب میں سجدہ میں جاتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ میاں نے ہمارا پیار کر لیا۔

ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی دادا پیر رحمۃ اللہ علیہ بعض راتوں کو تمام رات ایک سجدہ میں گذار دیتے اور حالتِ سجدہ میں یہی شعر پڑھتے اور روتے ؎

اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن
گر بدم من سرِّ من پیدا مکن

اے خدا اس بندہ کو رسوا نہ فرمائیے اگرچہ میں بُرا ہوں لیکن میرے عیوب کو خلق پر ظاہر نہ فرمائیے۔

ہمارے دادا پیر حضرت حاجی صاحبؒ کے دو شعر

ہمارے دادا پیر حضرت حاجی صاحبؒ نے اپنے احباب و رفقاء کے انتقال کے بعد جو اپنا غم بیان فرمایا ہے، اس کا نام درد نامۂ غمناک ہے، اس کے دو شعر مجھے یاد ہیں، جن کو دیکھ کر حضرت حاجی صاحبؒ کی عبدیت اور فنائیت کا پتہ چلتا ہے، فرماتے ہیں ؎

جو تھے نوری وہ گئے افلاک پر
مثل تلچھٹ رہ گیا میں خاک پر
بلبلوں نے گھر کیا گلشن میں جا
بوم ویرانے میں ٹکراتا رہا

تذکرہ مولانا محمد احمد صاحب پرتابگڈھی

اللہ والے سراپا درد ہوتے ہیں، ہمارے دوست مولینا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی بھی سراپا درد ہیں، ماشاء اللہ ان کا کلام بڑا دردناک ہوتا ہے، ایک بار مجھے اپنے گھر بھی لے گئے ہیں، اور خوب سنایا، ان کے چند اشعار تو بہت ہی دردناک ہیں،

فرماتے ہیں ؎

شکر ہے درد دل مستقل ہوگیا
اب تو شاید مرا دل بھی دل ہوگیا

اور فرماتے ہیں ؎

دل مضطرب کا یہ پیغام ہے ترے بن سکوں ہو نہ آرام ہے

تڑپنے سے ہم کو فقط کام ہے یہی بس محبت کا انعام ہے
ترا عشق شاید ابھی خام ہے جو آغاز میں فکر انجام ہے

اور فرماتے ہیں ؎

لطف جنت کا تڑپنے میں جسے ملتا نہو
وہ کسی کا ہو تو ہو لیکن ترا بسمل نہیں
قیس بیچارہ رموزِ عشق سے تھا بے خبر
ورنہ ان کی راہ میں ناقہ نہیں محمل نہیں

اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کو عبادت میں لذت ملنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس دھیان سے عبادت کرتے ہیں کہ میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، اور جس درجہ یقین کے ساتھ جس کو تعلق مع اللہ نصیب ہوتا ہے اسی درجہ اس کو لذتِ طاعت بھی سوا ملتی ہے، کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

لطف مے تجھ سے کیا کہوں زاہد
ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

عشاق کی شان

عاشق کی شان تو یہی ہوتی ہے، اس کو محبت کی یاد کے سوا کچھ اچھا نہیں لگتا ہے، ایک شخص نے کسی عاشق سے پوچھا کہ تم نے بہت سے شہر دیکھے ہیں ان میں کونسا شہر تم کو سب سے اچھا معلوم ہوا؟

اُس عاشق نے جواب دیا ؎

پس کدامے شہر زانہا خوشتر است
گفت آں شہرے کہ دروے دلبر است

اس نے جواب دیا کہ وہ شہر جس میں میرا محبوب ہے وہی مجھے سب سے اچھا معلوم ہوتا ہے۔

ہر کجا یوسف رُخے باشد چو ماہ
جنت است آں گرچہ باشد قعرِ چاہ

جس جگہ وہ یوسف رُخ مثل چاند کے جلوہ افروز ہے وہ میرے لئے جنّت ہے اگر وہ کنویں کا قعر ہی کیوں نہ ہو۔

خوشتر از ہر دو جہاں آنجا بود
کہ مرا با او سرو سودا بود

دونوں جہان سے خوشتر وہی جگہ ہے جس جگہ سے مجھ سے اور محبوب سے سر و سودا ہو، یعنی عشق و محبت کی گفتگو ہو، اور مناجات و سرگوشی ہو۔

کشتہ و مُردہ بہ پیشت اے قمر
بہ کہ شاہِ زندگاں جائے دگر

اے قمر! یعنی اے محبوب حقیقی آپ کے سامنے کشتۂ عشق اور مردہ رہنا یعنی بے نام و نشان رہنا میرے نزدیک بہتر ہے کہ میں دوسری جگہ زندوں پر بادشاہی کروں۔

آزمودم من ہزاراں بار پیش
بے تو شیریں می نہ بینم عیش خویش

میں نے ہزاروں بار آزما لیا ہے کہ بغیر آپ کے قرب کے میرا

عیش و آرام سب تلخ ہو جاتا ہے۔

بے پناہت غیر پیچا پیچ نیست
تلخ تر از فرقتِ تو ہیچ نیست

بغیر آپ کی پناہ کے بجز الجھاؤ اور پیچیدگی کے کچھ نہیں ہے، اور آپ کی فرقت سے تلخ تر دنیا میں کوئی مصیبت نہیں ہے۔

ہیچ کنجے بے دو و بے دام نیست
جز بخلوت گاہِ حق آرام نیست

کوئی گوشہ بدون جال اور مکر کے نہیں ہے بجز خلوت گاہ حق کے کہیں آرام نہیں ہے۔

ہر کہ جویائے امیری شد یقیں
پیش ازاں اندر اسیری شد رہیں

جو شخص امارت کا طالب ہوا وہ بالیقین قبل امیر ہونے کے سینکڑوں افکار و ہموم و غموم کا اسیر ہو گیا۔

بر کف من نہ شراب آتشیں
وانگہ آں کرّ و فرّ مستانہ بیں

اے محبوب میرے ہاتھ پر شراب آتشیں کا جام رکھ دیجئے، اس کے بعد میرا مستانہ کرّ و فرّ دیکھئے۔

خواب را بگذار امشب اے پدر
یک شبے در کوئے بے خواباں گذر

خواب کو ایک رات کے لئے ترک کر دے، اے پدر ایک شب بیخوابوں کی گلی میں سیر کر لے۔

بنگر ایشاں را کہ مجنوں گشتہ اند
ہمچو پروانہ بوصلش کشتہ اند

پھر دیکھو ان بے خوابوں کو کہ عشق حقیقی نے ان کو مجنوں کر رکھا ہے، اور پروانوں کی طرح اس کے قرب سے کشتہ ہیں۔

ہیں بیائید اے بلیدان سوئے من
گہ گرفت از خوئے یزداں خوئے من

اے غافلو اور بلیدو! آجاؤ میری طرف کیونکہ میرے اخلاق، اخلاقِ الٰہیہ سے متخلق ہو گئے ہیں۔

اولیاء را در دروں نغمہا است
طالباں را زاں حیاتِ بے بہا است

اولیاء اللہ کے اندر عشق حق کے بہت سے ایسے نغمے ہیں جن سے طالبین کو حیاتِ بے بہا عطا ہوتی ہے۔

اے تواضع بردہ پیشِ ابلہاں
اے تکبّر کردہ تو پیشِ شہاں

اے وہ شخص کہ تُو تواضع کرتا ہے دنیا کے ان امراء اور حکّام کے سامنے جو بسبب غفلت عن الآخرۃ کے عند اللہ بیوقوفوں میں شمار ہیں، اور اے وہ شخص کہ تو تکبّر کرتا ہے ان اولیاء اللہ کے سامنے جو درحقیقت رشکِ سلاطین ہیں۔

چوں شوی دور از حضورِ اولیاء
در حقیقت گشتۂ دور از خُدا

اگر تو اولیاء اللہ کے حضور سے دور ہو گیا تو سمجھ لے کہ درحقیقت تو خدا

سے دور ہو گیا۔

مردان خدا خدا نباشند
لیکن ز خدا جدا نباشند

اہل اللہ خدا نہیں ہیں، لیکن خدا سے جدا بھی نہیں ہیں۔
خدا تعالیٰ شانہٗ جس کو اپنی محبت سے نواز دیں وہ بڑا خوش قسمت ہے، اس کی خوش نصیبی کون پا سکتا ہے۔

غمِ عشق

حضرت سرمدؒ فرماتے ہیں ؎

سرمد غم عشق بوالہوس را ندہند
سوزِ غم پروانہ مگس را ندہند
عمرے باید کہ یار آید بہ کنار
ایں دولتِ سرمد ہمہ کس را ندہند

حضرت سرمد رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ہمارے حضرت مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ فرمایا تھا کہ یہ بزرگ تھے۔

حضرت سرمدؒ فرماتے ہیں کہ اے سرمد عشقِ حقیقی کا غم بوالہوس کو یعنی دنیا پرستوں کو نہیں عطا فرماتے ہیں، پروانہ کا سوزِ غم مکھی کو نہیں عطا فرماتے ہیں، ایک عمر درکار ہے کہ یار کا وصال حاصل ہو، اے سرمد یہ دولت عشق ہر کس و ناکس کو نہیں عطا فرماتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں ؎

سرمد گلہ اختصار می باید کرد
یک کار ازیں دو کار می باید کرد

یا تن برضائے دوست می باید داد
یا قطع نظر ز یار می باید کرد

اے سرمد گلہ اختصار کرنا چاہئے، ایک کام ان دو کاموں میں کر ہی لینا چاہئے، یا تو تن کو رضائے دوست میں دیدینا چاہئے، یا تو یار سے قطع نظر ہی کر لینا چاہئے، اور شق ثانی تو بوجہ عشق ناممکن ہے، پس شق اوّل ہی متعین ہوگئی، کہ اپنے کو رضائے دوست کی تحصیل میں قربان کر دینا چاہئے۔

عشق حقیقی جس دل میں گھر کر لیتا ہے تو اس کو تمام ننگ و ناموس سے آزاد کر دیتا ہے بجز رضائے محبوب اس کو کسی کی پروا نہیں ہوتی، کہ لوگ ہمیں کیا کہتے ہیں، ہمارے حضرتؒ اکثر یہ شعر فرمایا کرتے تھے۔

گرچہ بدنامی است نزدِ عاقلاں
ما نمی خواہیم ننگ و نام را

سچا عاشق معترض سے یہی کہدیتا ہے کہ یہ اعتراض طریق عشق پر اسی وقت تک ہے جب تک تمہارے دل میں حق تعالیٰ کی محبت نے اپنا اثر نہیں کیا۔

منعم کنی ز عشق وے اے مفتی زمن
معذور دارمت کہ تو او را ندیدۂ

اے ظاہر بیں مفتی زمن تو مجھے ان کے عشق سے منع کرتا ہے، میں تجھے معذور سمجھتا ہوں کہ تو نے ان کو دیکھا ہی نہیں۔

دیدۂ لیلیٰ کے لئے دیدۂ مجنوں ہے ضرور
میری آنکھوں سے کوئی دیکھے تماشہ تیرا

دیدۂ مجنوں اگر بودے ترا
ہر دو عالم بے خطر بودے ترا

حضرت ہمارے فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے دل میں عظمت تو فقہاء کی ہے مگر محبت زیادہ صوفیہ کی ہے۔

سالک کو اہلِ محبّت کی صحبت اختیار کرنا چاہئے

اور فرمایا کہ سالک کو چاہئے کہ اہل محبّت کی صحبت میں بیٹھا کرے اور ایک حدیث سے حضرتؒ نے استدلال بھی فرمایا ہے :۔

جَالِسُوا الْکُبَرَاءَ وَسَائِلُوا الْعُلَمَاءَ وَخَالِطُوا الْحُکَمَاءَ (طب) عَنْ اَبِیْ جُحَیْفَۃَ (رض) قَالَ الْعَزِیْزِیْ مَرْفُوْعًا وَمَوْقُوْفًا والموقوف صحیح۔

"بزرگوں کے پاس بیٹھا کرو ظاہراً عمر کے اعتبار سے بڑا مراد ہے، کیونکہ وہ اہل تجربہ اہل بصیرت کامل العقل والمعرفۃ ہوتے ہیں اور ان سے استفادہ کامل ہوتا ہے) اور علماء سے (احکام دینیہ) پوچھتے رہا کرو اور حکماء سے ملتے جلتے رہا کرو۔"

اس حدیث میں خَالِطُوْا کو سَائِلُوْا کے مقابلہ میں فرمانا اشارہ اس طرف ہے کہ صوفیہ سے استفادہ زیادہ مقاولۃ ومسائلۃ یعنی زیادہ قیل وقال اور کثرتِ سوالات پر موقوف نہیں، بلکہ بلاضرورت شدیدہ اکثر مضر ہوجاتا ہے، کَمَا یَعْرِفُہٗ اَھْلُ الطَّرِیْقِ۔

نیز خَالِطُوْا کو جَالِسُوْا کے مقابلہ میں لانا اشارہ اس طرف بھی ہے کہ صوفیہ سے کَمًّا وکَیْفًا زیادہ تعلق کی ضرورت ہے، کیونکہ مخالطت بدون تکرار آمد ورفت وکثرت ولزوم کے متحقق نہیں ہوتی، نیز اہل اللہ کی صحبت میں ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ وہ اگر کسی شخص کیطرف

نظر کر لیتے ہیں تو وہ شخص باسعادت ہو جاتا ہے (از تشرف، ج ۴، صفحہ ۱۲)

حضرت عارفؒ فرماتے ہیں ؎

مہر پاکاں درمیانِ جانِ شان دل مدہ الّا بہر دل خوشاں

من غلامِ آنکہ نفروشد وجود جز بآں سلطاں بافضال وجود

(۱) پاکوں کی محبت کو جان میں راسخ کر لو اور دل ہرگز کسی کو نہ دو، مگر ان کو جن کے دل اچھے ہیں (۲) میں غلام اس مقدس بندہ مقبول بندہ کا ہوں جو اپنے وجود کو دنیا و مافیہا کے لئے نہیں فروخت کرتا ہے بلکہ اپنے وجود کو صرف اس سلطان بافضال وجود یعنی حق تعالیٰ شانہٗ کے ہاتھ فروخت کرتا ہے۔

اصل جوہر شیخ کامل کے اندر یہی ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا طالب اور عاشق ہے، اس وصف کے بعد پھر اس کی اطاعت کو عین اطاعت حق جاننا چاہئے، اس کی محبت کو عین محبت حق سمجھنا چاہئے۔

شیخ کامل کی محبت عین محبت حق ہے

مولانا عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

چوں جُدا بینی ز حق ایں خواجہ را
گم کنی ہم متن و ہم دیباچہ را

دو مگو دو مدان و دو مخواں
خواجہ را در خواجہ و خود محو داں

خواجہ ہم در نورِ خواجہ آفریں
فانی است و مردہ و میت دفیں

(۱) حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں کہ اگر تو اپنے شیخ کامل فانی فی الحق کو حق سے جُدا سمجھے گا تو تو اصل اور مقدمہ سب کم کر بیٹھے گا۔

مردانِ خدا خدا نباشند لیکن ز خدا جدا نباشند

(۲) مولانا فرماتے ہیں کہ دومت کہہ، دومت جان، دومت پڑھ بلکہ غلام مبتدی کو اپنے آقا یعنی مرشد کامل میں محو جان کہ اوّلاً تخلق باخلاق شیخ ہوتا ہے۔

(۳) اور پھر یہ سمجھو کہ یہ خواجہ یعنی مرشد کامل بھی خالق خواجہ یعنی اپنے خالق کے نور اور تجلی میں فانی ہے اور میت ہے اور مدفون ہے۔ اس میں تاکید ہے کہ تخلق باخلاق شیخ کے بعد تخلق باخلاق اللہ کا مقام نصیب ہو جاتا ہے اور تخلق باخلاق الرسول تخلق باخلاق اللہ ہی کے مفہوم میں آگیا (کلید مثنوی، دفتر ششم، صفحہ ۱۸۳)

خدمتِ او خدمتِ حق کردن است
روز دیدن دیدنِ آں روزن است

فانی فی الحق کی خدمت کرنا عین خدمت حق ہے، آفتاب دیکھنا اس دریچہ کا دیکھ لینا ہے۔ اس میں مبتدا مؤخر خبر مقدم ہے، یعنی اگر دریچہ تاباں از آفتاب کو دیکھ لیا تو گویا آفتاب کو دیکھ لیا۔

مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ احمد است
دیدنِ او دیدن خالق شد است

مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ کے مصداق صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہیں،

جس سے عینیتِ مصطلحہ معلوم ہوئی ، پس آپؐ کا دیکھنا مِنْ وَجْہِ خالق کا دیکھنا ہے۔

اطاعتِ رسولؐ عین اطاعتِ حق ہے

قال اللہ تعالیٰ : مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ "جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے بیشک اللہ کی اطاعت کی"۔ خلاصہ یہ کہ جو بندۂ مقبول حق تعالیٰ کے نور سے منوّر ہے اور اس نورِ حقیقی سے تعلق رکھتا ہے اس کا دیکھ لینا بعض اعتبارات سے حضرتِ حق کا دیکھ لینا ہے ، کیونکہ ہر مظہر ظاہر کے لئے مُظہر ہوتا ہے ، اور یہ حکم تمام انبیاء علیہم السلام کے لئے عام ہے ، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک کو اس عموم کے ساتھ ایک خصوصی شرف حاصل ہے ، وہ یہ کہ تمام خلائق کے لئے آپ خود واسطہ فیضِ الٰہی ہیں آپ کے لئے کوئی بھی واسطہ نہیں ہے۔

اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ "حق تعالیٰ نے تمام مخلوقات میں سے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا ہے"۔ پس آپؐ مرکز الخلائق بھی ہیں اور مرکزِ نبوت و رسالت بھی ہیں ، اسی اعتبار سے آپؐ کو رحمۃ للعالمین فرمایا ہے ، کیونکہ واسطہ رحمت وہی ہو سکتا ہے جو سب سے افضل و اقرب و احبّ ہو (از کلید مثنوی ، جلد ۶ ، صفحہ ۱۸۷)

ارواحِ عارفین کی عظمت و جلالتِ شان

عارفین کی عظمت و جلالت شان کی وضاحت کے لئے حضرت عارف رومیؒ نے ایک قصہ بیان فرمایا ہے وہ یہ کہ دریائی گائے یا بیل دریا سے گوہر نکال کر لاتا ہے اور سبزہ زار میں اس کو رکھتا ہے، اور اس کی روشنی کی مدد سے رات کو اس کے گرد چرتا ہے، نور گوہر کی شعاع میں وہ دریائی گاؤ سُنبل اور سوسن وغیرہ جلدی جلدی چرتا ہے۔ اس گاؤ آبی کا پس افگندہ یعنی پاخانہ عنبر ہوتا ہے، کیونکہ اس کی غذا نرگس اور نیلوفر وغیرہ لطیف اور خوشبودار نباتات ہیں (یہ مشہور قول ہے اور اس میں اختلاف ہے)

آگے مولانا فرماتے ہیں کہ جب گائے بکری کا خوشبو کھانا سبب ہوتا ہے خوشبو حاصل ہونے کا تو جس کی روحانی غذا ذکر و طاعت کے انوار جلال ہوں اس کے لبوں سے کیونکر نہ سحرِ حلال یعنی کلام مؤثر پیدا ہوگا۔

ہر کہ باشد قوتِ او نورِ جلال
چوں نزاید از لبش سحرِ حلال

جس کی غذا نورِ جلال ہو کیونکر اس کے لبوں سحرِ حلال پیدا نہ ہوگا
کلید مثنوی دفتر ششم، ص۱۲۱

الغرض جب سبزہ زار میں رات کو وہ دریائی گاؤ اس گوہر کے نور میں اس کے گرد چرتا رہتا ہے تو تاجر جو موتی کی تلاش میں وہاں جاتا ہے اس گوہر پر سیاہ کیچڑ رکھ دیتا ہے، تاکہ وہ روشنی جو اس گوہر سے پیدا

ہو رہی تھی ختم ہو جائے اور سبزہ گاہ تاریک ہو جائے اور کیچڑ رکھتے ہی وہ تاجر فوراً درخت پر بھاگ جاتا ہے اور وہ دریائی گاؤ اس کو مضبوط سینگ لئے ہوئے ڈھونڈتا ہے، چند بار وہ گاؤ دریائی اس چراگاہ کے اطراف میں پھرتا ہے، تاکہ اس مخالف تاجر کو سینگ میں لپیٹ کر ہلاک کر دے، مگر وہ درخت پر مامون بیٹھا رہتا ہے، پس جب وہ گاؤ نر اس سے ناامید ہو جاتا ہے، تو وہاں آتا ہے جہاں اس نے موتی رکھا تھا مگر وہاں آکر کیچڑ دیکھتا ہے جو درشہوار کے اوپر اس تاجر نے رکھدیا تھا، پس کیچڑ دیکھکر وہ گاؤ دریائی بھاگ جاتا ہے اور تاجر اطمینان سے اس کو لیکر چل دیتا ہے۔

اب حضرت عارف رومیؒ ایک عجیب عبرت کی بات بیان فرماتے ہیں کہ اسی طرح ابلیس حضرت آدم علیہ السلام کے خاکی پتلے سے متنفر ہو کر بھاگا، اور نہ دیکھا کہ اس خاک میں وہ دُرِّ شاہوار مخفی ہے، جو خلیفۃ اللہ فی الارض کا مصداق ہے، اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

خواجہ را جاں بیں مبیں چشم گراں
مغز بیں اورا مبیں استخواں
خواجہ را از چشم ابلیس لعیں
منگر و نسبت مکن اورا بطیں
خواجہ را کو درگذشت است از اسیر
جنس ویں موشانِ تاریکی مگیر

(۱) مولانا فرماتے ہیں کہ اس مرشد کامل کو جان سمجھ جسم ثقیل مت سمجھ، یعنی محض اس کی ظاہری بشریت یعنی جسد خاکی پر نگاہ مت کر

بلکہ اس کے خاکی جسد میں جو اس کی عارف رُوح پنہاں ہے، اس حیثیتِ رُوحیہ متصفہ بالکمال پر نظر کر، اوصاف جسمیہ مشترکہ کو مت دیکھ اس کا مغز دیکھ اس کی ہڈی مت دیکھ۔

شیخ کامل کو چشم ابلیس لعین سے مت دیکھو

(۱۰) اس خواجہ کو یعنی شیخ کامل کو چشم ابلیس لعین سے مت دیکھ، اور اس کو صرف طین کی طرف منسوب مت کر ورنہ محرومی کا وہی حال ہوگا جو اس دریائی گاؤ کا حال ہوا یعنی جس طرح موتی پر کیچڑ دیکھ کر وہ موتی ہی سے بھاگ جاتا ہے اور گوہر ہاتھ سے نکل جاتا ہے، اسی طرح اگر تم اہل اللہ کے صرف ظاہری جسد عنصری پر نگاہ رکھو گے تو ان کی عارف رُوح جو مثل گوہر شاہوار کے ہے اس سے بے خبر اور محروم فیض رہو گے، چنانچہ ابلیس لعین کی مردودیت کا یہی سبب ہوا تھا کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو صرف طین یعنی مٹی کی طرف منسوب کیا اور آپ کی رُوح جو مصاحب حق تھی اس کے انوار و تجلیات سے بے خبر تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے کو حضرت آدم علیہ السلام سے افضل سمجھ گیا، اور اس درجہ تکبر بڑھا کہ حق تعالیٰ پر اعتراض شروع کر دیا کہ آپ افضل کو مفضول کے لئے سجدہ کا حکم فرماتے ہیں۔

ابلیس کے اندر محبّت کا مادّہ نہ تھا

ابلیس میں محبت کا مادّہ نہ تھا، ورنہ اعتراض کے وبال میں نہ مبتلا ہوتا۔

(۳) مولینا فرماتے ہیں کہ اہل اللہ مصاحب خورشید ہیں، پاسبان آفتاب اند اولیاء، اولیاء اللہ آفتاب حق کے جلیس ہیں کَمَا قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ "میں اپنے ذاکر بندہ کا جلیس ہوں" اور اہل اللہ کا ظاہر و باطن دونوں ذاکر ہوتے ہیں، یعنی ان کے جوارح بھی ذاکر حق ہوتے ہیں، اور ان کا قلب بھی ہر وقت حق تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہوتا ہے۔

حضرت حاجی صاحبؒ کا ارشاد

حضرت حاجی صاحب مہاجر مکی دادا پیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار ہمارے مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ میاں اشرف علی جب میں لوگوں سے باتیں کرتا ہوتا ہوں تو اس وقت بھی میرے قلب کی طرف استفاضہ کے لئے متوجہ رہا کرو، یہ نہ سمجھنا کہ جب میں لوگوں سے باتیں کرتا ہوتا ہوں تو میرا دل بھی غافل ہو جاتا ہے، لوگوں سے گفتگو کے وقت بھی میرا دل حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہوتا ہے۔

اولیاء اللہ کا مقام

اسی کو مولانا فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کے اجسام تو اس عالم میں چلتے پھرتے نظر آتے ہیں مگر ان کی ارواح پاک عالم قدس سے متصل ہوتی ہیں، اور اس اتصال سے دوسرے لوگ بے خبر ہوتے ہیں،

اتصالے بے تکیف بے قیاس
ہست رب الناس را با جان ناس

تو اس معیتِ حق کے ہوتے ہوئے ان کو موشانِ تاریکی کی جنس سمجھو، جن کی روحیں صرف چاہِ دنیا میں لذاتِ نفس کے ساتھ مشغول ہیں، اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

نفس تو تام است در نقل و نبید
دانکہ روحت خوشہ غیبی ندید

تیرا نفس جب تک نقل و نبیذ یعنی شراب و کباب میں مست ہے تو تُو یقین کرلے کہ تیری رُوح نے ابھی خوشۂ غیبی نہیں دیکھا ہے، یعنی عالمِ غیب کے فیوض و برکات اور انوار و تجلیات سے تیری رُوح ناآشنا و بے خبر ہے، برعکس اہل اللہ کے کہ دنیائے مردار سے فارغ ہیں، اُن کے قلوب دنیا کی محبت سے فارغ ہیں۔

حضرت مولانا رومیؒ روحِ عارف باللہ کی طرف سے حکایۃً بیان فرماتے ہیں ؎

باز سلطانم گشتم نیکو پیم
فارغ از مردارم و کرگس نیم

میں باز شاہی ہوں یعنی میری رُوح قربِ شاہ سے مشرف ہے، اس لئے میری نگاہ مردار خوری سے بے پرواہ ہے، کیونکہ میری وہ صفات اور رذائل جو مردار خوری کی طرف مائل کرتے تھے اب اخلاق الٰہیہ سے متبدل ہوگئے ہیں جس کے سبب سے اب میرا یہ حال ہے ؎

چوں بمردم از حواسِ بوالبشر
حق مرا شد سمع و ادراکِ بصر

نور او در یمین و یسر و تحت و فوق
بر سر و بر گردنم مانند طوق

جب میں نے اپنے اخلاق رذیلہ کو مرشد کامل کے فیض صحبت سے فنا کر دیا تو اب حق تعالیٰ کے نور سے سنتا ہوں، حق تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہوں، حق تعالیٰ کا نور اپنے داہنے بائیں اُوپر نیچے دیکھتا ہوں، میرے سر اور گردن میں نور حق مانند طوق ہے،

آفتابے دید او جامد نماند
روغنِ گل روغن کنجد نماند

عارفین کی روحوں نے آفتابِ حق دیکھ لیا ہے، پس وہ جامد نہ رہے، یعنی معیتِ حق کی برکت سے وہ اپنے رذائل کا فضائل کی طرف امالہ کر چکے ہیں، جب تِل کے تیل نے گلاب کے پھول کی معیت اور صحبت سے گلاب کی خوشبو کو اپنے اندر جذب کر لیا تو اب وہ تِل کا تیل نہ رہا روغن گل ہو گیا، اس کو اب تِل کا تیل کہنا گستاخی اور بے ادبی ہے۔

اُبدال کی تعریف

کیست ابدال آنکہ او مبدل شود
خمرش از تبدیلِ یزداں خل شود

پس جب اولیاء اللہ باعتبار اپنے اوصاف کے مبدّل ہو گئے یعنی ان کے اخلاق رذیلہ تبدیلِ یزداں سے اخلاقِ حمیدہ سے بدل گئے تو اب ان کو کہا جائے گا کہ عام خلائق سے نہ رہے۔

پیش ایں خورشید کے تابد ھلال
باچناں رستم چہ باشد زور و زال

اس خورشید کے سامنے ہلال کب روشن ہو سکتا ہے، ایسے رستم کے سامنے کیا ہو سکتا ہے زور زال، یعنی

عبدیت رُوحِ عارف عظمت الٰہیہ کیسامنے

حق تعالیٰ شانہٗ کے قُرب اور عظمت کے سامنے عارف کی رُوح کب انانیت کا دعویٰ کر سکتی ہے، ایک چراغ آفتاب کے نور کے سامنے کب اپنی ہستی پر نظر کر سکتا ہے۔ ہمارے خواجہ صاحبؒ نے خوب فرمایا ہے ؎

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
وہ ہم کو بھری بزم میں تنہا نظر آئے (مجذوب)

ایسی قوی اور قادر مطلق ذات کے سامنے عارف کی رُوح کب اپنی ضعیف اور فانی قوت پر نظر کر سکتی ہے، یہی راز ہے کہ اَلْفَانِیْ لَا یُرَدُّ جب بندہ مقرب اور مقبول ہو جاتا ہے تو واپس نہیں کیا جاتا، جس طرح کوئی بالغ نابالغ نہیں ہو سکتا۔

جو لوگ طریق میں چل کر گمراہ ہو گئے وہ غیر واصل تھے، اور غیر عارف تھے، انانیت اور خود بینی کا مرض قلت معرفت کے سبب سے پیدا ہوتا ہے، عارفین میں غلبۂ عبودیت اور فنائیتِ کاملہ کے جو آثار ظاہر ہوتے ہیں اس کا سبب یہی ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے اللہ کی عظمت کو پہچان لیا ہے، کثرت ذکر و طاعت کے انوار میں ان کے قلوب نے

اپنی عبدیت اور خواری اور حق تعالیٰ کی کبریائی کا مشاہدہ کرلیا ہو اور قاعدہ کلیہ ہے کہ تُعْرَفُ الْاَشْیَاءُ بِاَضْدَادِھَا ، ہر شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے ۔

جب عظمت الٰہیہ کی پہچان ہوگئی تو اپنی بیچارگی اور بندگی خود بخود منکشف ہوگئی ، مثلاً ایک ادنیٰ چوکیدار گاؤں میں تو ناز سے چلتا ہے ، لیکن عین اسی ناز اور تبختر کی حالت میں کپتان سامنے آکر کھڑا ہو جائے تو سب ناز و شوکت بھول جاتا ہے ، اب تو حواس بھی بجا نہیں رہ سکتے ، رعشہ براندام حضور حضور کرنے لگتا ہے ، کپتان کی عظمت و شوکت کے سامنے اپنی ہستی اور صفات ہستی کو بھول جاتا ہے ، یہ تو ایک ادنیٰ مثال ہے جب ایک بندہ دوسرے بندہ کے سامنے اس طرح دَب جاتا ہے اور مٹ جاتا ہے تو پھر اللہ تو اللہ ہی ہے ۔

نیست کس را زہرۂ چون و چرا
ہست سلطانی مسلّم مرورا

کسی کا پتہ نہیں ہے کہ ان کی عظمت و کبریائی کے سامنے چون و چرا کرسکے خاصکر انہی کے لئے ہر سلطانی مسلّم ہے ۔

بادشاہی زید آں خلّاق را
بادشاہی جملگی عاجز ورا

اسی خلّاقِ عالم کے لئے بادشاہی زیبا ہے ، تمام سلاطینِ دنیا اس احکم الحاکمین کے سامنے دست بستہ عاجز غلام ہیں ۔

جس طرح اونٹ جب تک پہاڑ تلے نہیں گذرتا اس وقت تک اس کا ناز ہمچو من دیگرے نیست کا نہیں ٹوٹتا ، اسی طرح

غیر عارفین بندوں کے ناز و پندار کا دعویٰ اور خود بینی کا مرض اسی وقت تک ہے جب تک میاں کو نہیں پہچانا ہے، ابھی اندھیرے میں ہے، اس لئے صرف اپنے کو دیکھتا ہے، اور یہ دیکھنا بھی نگاہِ جہل سے ہوتا ہے، اور اگر نگاہِ بصیرت سے اپنے کو دیکھ لے تب بھی حق تعالیٰ کو پہچان لے کہ ایک قطرۂ آبِ منی میں کسی ذات پاک نے ایسا تصرف فرما کر اس کو انسانی قالب میں کر دیا، ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ یہ کیا تمہارا رب ہے، دیکھتے نہیں، اندھے ہو۔ اپنے وجود کو دیکھ کر کیوں نہیں اللہ کو پہچان لیتے، بات یہ ہے کہ ہمارے حواس غیر اللہ میں مشغول ہیں، اس لئے باطنی ادراک سے بے خبر ہیں، اسی کو مولانا فرماتے ہیں:۔

اپنے باطن میں راہ پیدا کر لو

راہ کن اندر بواطن خویش را،
دور کن ادراک غیر اندیش را (کلید مثنوی ج)

مولانا فرماتے ہیں کہ اپنے باطن میں راستہ پیدا کر لے، اور اس ادراک کو دور کر دے جو غیر کا تصور کرنے والا ہے۔

کیمیا داری دوائے پوست کن
دشمناں را ازیں صناعت دوست کن

تو اپنے پاس کیمیا رکھتا ہے یعنی عشقِ الٰہی کی نعمت جو تیرے پاس ہے، اس میں خاصیت تبدیل اخلاق ذمیمہ کی ہے، پس تو پوست یعنی جسم اور اس کی شہوات کی دوا اس کیمیا سے کر تاکہ اخلاق رذیلہ اخلاق حمیدہ سے بدل جائیں، اور دشمنوں کو یعنی نفس و شیطان کو اس

صناعت یعنی کیمیائے مذکور سے دوست کرلے، تاکہ تیرا نفسِ امارہ نفسِ مطمئنہ ہوجائے اور شیطان مشابہ دوست کے ہوجائے عدم اضلال میں (لِاسْتِثْنَاءِہٖ الْمُخْلِصِیْنَ مِنَ الْاِغْوَاءِ)

چوں شدی زیبا بداں زیبا رسی
کہ رھاند رُوح را از بیکسی

جب تیرے اخلاق رذیلہ شیخ کامل کی اصلاح سے اخلاقِ حمیدہ سے بدل جائیں گے تو تُو جمیل ہوجائے گا، اور جب جمیل ہوجاوے گا تو اس جمیل حقیقی تک پہنچ جاوے گا لِاَنَّہٗ جَمِیْلٌ وَیُحِبُّ الْجَمَالَ، اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہٗ جمیل ہیں اور جمال کو پسند فرماتے ہیں۔ حق تعالیٰ ایسے جمیل ہیں کہ رُوح بیکسی سے چھڑا دیتے ہیں، یعنی اپنی معیت نصیب فرمادیتے ہیں، بخلاف محبوبانِ دنیا کے کہ اپنے محبین سے اعراض اور کنارہ کرتے ہیں۔

نے ہمہ مُلکِ جہانِ دُوں دہد صد ہزاراں ملک گوناگوں دہد

یہی نہیں کہ وہ کل دنیائے دُوں ہی کا ملک دیتے ہیں کیونکہ یہ تو متاعِ قلیل ہے بلکہ لاکھوں ملک گوناگوں دیتے ہیں، کہ وہ خیرِ کثیر ہے، یعنی معرفت و محبت کی دولت عطا فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی محبّت پیدا کرنے کا طریقہ

محبت پر ایک واقعہ یاد آیا جس کو ہمارے حضرت مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا، بیلی بھیت کے ایک بزرگ مولا شیر محمد صاحبؒ کانپور تشریف لائے تھے۔ ہمارے حضرتؒ ان کی خدمت میں

تشریف لے گئے ، اور فرمایا کہ حضرت حق تعالیٰ کی محبت کیسے پیدا ہوتی ہے ؟ اُن بزرگ نے فرمایا کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو ملو، کچھ دیر کے بعد فرمایا ابھی اور ملو، کچھ دیر کے بعد پھر فرمایا ابھی اور ملو، پھر دریافت فرمایا کہ اس رگڑ سے کچھ گرمی پیدا ہوئی ؟ حضرتؒ نے فرمایا جی ہاں ، تو ارشاد فرمایا اسی طرح کثرتِ ذکر اور تکرار ذکر کی رگڑ سے قلب میں حق تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے ، کام لگا رہنا ہی ایک دن مقصود تک پہنچا دیتا ہے ۱۲

شروع میں خواہ کچھ ترقی نہ معلوم ہو کچھ نفع نہ معلوم ہو لیکن یقین رکھے کہ نفع ہو رہا ہے عدم احساس عدم نفع کو مستلزم نہیں ، بچہ ہر روز نشو و نما میں کچھ نہ کچھ ترقی کرتا ہے لیکن اس کی یومیہ بڑھوتری کا احساس نہ خود اس بچہ کو ہوتا ہے اور نہ دوسروں کو ہوتا ہے ، مگر ایک معتدبہ مدت کے بعد اس کی ترقی و نشو و نما آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے ۔

یہی حال باطنی ترقی کا ہے ہر روز کا نفع نہیں محسوس ہوتا ، کچھ دن کے بعد پھر اپنے اندر طاعات کی طرف رغبت اور معاصی سے نفرت محسوس ہونے لگتی ہے ، اسی کا نام ترقی باطنی ہے ، انسان کا اپنے ظاہر اور باطن کو شریعت کے مطابق بنانے کی فکر میں لگ جانا ہی اصل ترقی اور کامیابی ہے ، کیونکہ کامیابی اور ترقی کا مدار اتباعِ سُنّت پر ہے جو امر اختیاری ہے ۔

کشف و کرامت، وجد و استغراق و رقص کی حقیقت

باقی کشف و کرامت، حال اور وجد، رقص و استغراق، ہوا پر اڑنا، پانی پر چلنا وغیرہ کو رضاءِ حق کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، کیونکہ یہ امور مذکورہ امور غیر اختیاریہ ہیں اور بندہ غیر اختیاری امور کا مکلف نہیں، نیز یہ حالات جوگیوں کو بھی اور فاسق فاجر نقلی فقیروں کو بھی حاصل ہو جاتے ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ قبور کا عذاب کبھی جانوروں پر بھی منکشف ہوتا ہے، ہوا پر مکھی بھی اڑتی ہے، پانی پر تنکا بھی تیرتا ہے، ان باتوں کو بندگی سے کیا تعلق، بندوں سے اطاعت اور بندگی کا مطالبہ ہے، اور بندگی کا وہی نمونہ پسندیدہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھایا ہے اپنی تمام حرکات و سکنات اور جذبات و کیفیات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم کے تابع کر دینے ہی کا نام سچی غلامی اور سچی بندگی ہے، اور یہی مقبول بندگی ہے، اتباع سنت کے ساتھ اگر کشف و کرامت، وجد اور استغراق اور احوال بھی کسی کو عطا ہو جاویں تو وہ بھی اتباعِ سنت کی برکت سے محمود ہیں مقصود نہیں، اور اگر کوئی کسی ایک عمل میں بھی سنت کے خلاف اپنی ایجاد کردہ اختراعی راہ و رسم کا پابند اور غلام ہے تو وہ باوجود صد کشف و کرامت اور رقص و استغراق کے نامقبول ہے، کیونکہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

کہ اے ہمارے رسول آپ لوگوں سے فرمادیں کہ اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ کے مقبول اور محبوب بننا چاہتے ہو فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ تو تم لوگ میری اتباع کرو، میری اتباع

کے صدقہ میں حق تعالیٰ تمہیں محبوب بنالیں گے۔"
کیونکہ میری شان عبدیت اور میرا طرز بندگی حق تعالیٰ کے نزدیک تمام خلائق کی عبدیت سے احب اور افضل ہے۔ پس میرے نقش قدم پر اگر تم بھی چلو گے تو اس اتباع کی برکت سے تمہاری عبدیت اور غلامی دوسری امتوں سے عند اللہ احب اور افضل ہو جائے گی، اور تم خیر الامم اسی سبب سے ہو کہ تمہارا رسول بھی سید المرسلین ہے، رسول کی سیادت کی رعایت سے انکے غلاموں کو بھی سیادت کا شرف عطا فرما دیا گیا ؎

بریں نازم کہ ہستم امتِ تو گنہگارم ولیکن خوش نصیبم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ حسنہ کیسے معلوم ہوا؟

اگر مسلمان اپنے ہر قول اور ہر فعل میں، اپنی ہر خوشی اور ہر غمی میں پیدائش سے لیکر موت تک کی تمام رسموں میں اس بات کا لحاظ رکھے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر کیا حکم فرمایا ہے، اس سوال پر علماء حق سے جو اُن کو جواب ملیں اس پر عمل کریں، اور خاندان اور برادری سے بے خوف ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کریں تو انشاء اللہ تمام گمراہیوں سے اور جاہلانہ رسومات سے محفوظ ہو جائیں، اردو میں ایسی کتابیں بھی علماء ربانیین کی موجود ہیں جن کو دیکھکر ہر عمل میں سنت کا طریقہ معلوم کیا جا سکتا ہے، ان کتابوں میں بہشتی زیور، تعلیم الدین، فروع الایمان، اغلاط العوام، حیات المسلمین، اصلاح الرسوم، قصد السبیل،

یہ چند کتابیں ایسی ہیں جن کے مطالعہ سے بقدر ضرورت دین حاصل ہو سکتا ہے، ان کتابوں کے پڑھنے سے وہ سچا دین ملتا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ و تابعینؒ کے اندر موجود تھا، بعد کو جاہل فقیروں نے دین کے اندر جو بے سند جاہلانہ رسمیں داخل کر دی ہیں، ان کے صاف صاف بتا دیا گیا ہے کہ یہ فعل سنت کے مطابق ہیں اور یہ فعل بالکل بے سند اور بے ثبوت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جوں جوں زمانہ نبوت سے بُعد ہوتا جاوے گا دین کے اندر نئی نئی باتیں لوگ داخل کرلیں گے اس لئے ضرورت ہے کہ علماء باعمل سے پوچھ پوچھ کر عمل کریں۔ شریعت کے جتنے احکام ظاہری ہیں ان کا علم حاصل کر کے اپنے ظاہری افعال اور ظاہری صورت اور وضع کو درست کریں، اور جتنے احکام باطنی ہیں مثل تواضع، شکر، رضا بالقضاء، صبر، اخلاص، ان کو کسی اللہ والے مخلص بندہ سے حاصل کریں، اَلرَّحْمٰنُ فَاسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا رحمٰن کی شان کو کسی باخبر سے پوچھو، یہ باخبر دین کی حقیقی رُوح یعنی اخلاص فی العمل کا طریقہ سکھائیں گے حضرت عارف فرماتے ہیں ؎

شیخ نورانی زرہ آگہ کند نورِ را بالفظہا ہمرہ کند

نورانی شیخ راستہ سے آگاہ کرتا ہے، اور اپنے قلب کے نور کو اپنے الفاظ کے ہمراہ کر دیتا ہے۔

ان باخبر بندوں کی باتوں میں اسی وجہ سے اثر بھی زیادہ ہوتا ہے کہ وہ فانی یعنی مٹے ہوتے ہیں، جو علوم اور فیوض ان کی زبان سے جاری

ہوتے ہیں وہ صاف اور خالص انوار لئے ہوتے ہیں، برعکس اس کے جس کے نفس میں فنائیت ناقص ہوتی ہے اس کے الفاظ کے انوار بھی اُس قدر ظلماتِ نفسانیہ سے مخلوط ہو جاتے ہیں۔

اللہ والوں کی باتوں میں اثر ہونے کی وجہ

اللہ والوں کی باتوں میں اثر ہونے کا سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں دیکھ کر کہتے ہیں، کیونکہ خود راستہ قطع کر چکے ہیں، اس لئے ان کے یقین کا اثر اُن کی گفتگو میں ہوتا ہے، غیر محقق اور محقق پیر میں بڑا فرق ہوتا ہے، اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص تو خود امریکہ ہو آنے کے بعد وہاں کے حالات اور اس کے راستوں سے کسی کو آگاہ کرے اور دوسرا شخص نقشہ اور جغرافیہ کی مدد سے کسی کو راستہ بتاتا ہے، تو پہلے شخص کے لب ولہجہ سے اور اس کی گفتگو سے مخاطب کے دل میں جو ایک اطمینانی کیفیت محسوس ہوگی، وہ دوسرے شخص کی لمبی چوڑی تحقیقات اور طویل تقریر سے ہرگز نہ حاصل ہوگی، اس شخص کے لب ولہجہ اور اندازِ گفتگو سے مخاطب تاڑ لے گا کہ یہ بھی بھی باتیں کر رہا ہے جبتک میں نے حج نہیں کیا تھا اُس سے پہلے کتاب الحج طالب علموں کو پڑھائی بھی لیکن نہ استاد سمجھے نہ شاگرد، بس عبارت کا ترجمہ کرا دیا جاتا ہے۔

اللہ والوں کی باتوں میں اثر ہونے کی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ اپنا دکھ بیان کرتے ہیں یعنی جو کچھ محبت الٰہیہ کے مضامین بیان کرتے ہیں وہ ان پر خود بیت چکے ہوتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ دُکھے ہوئے دل سے جو

بات نکلتی ہے وہ دوسروں کو بغیر رُلائے ہوئے نہیں رہ سکتی :

کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند
از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند
عام می خوانند ہر دم نام پاک
ایں اثر نہ کند چوں نبود عشقناک

(۱) مولانا فرماتے ہیں کہ جب سے میری رُوح کو عالمِ امر سے جدا فرما کر عالمِ ناسوت میں بھیجا ہے میرے دردِ فراق کے نالوں سے مرد و زن سب نالاں ہیں ۔

(۲) عام لوگ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا نام پاک رٹتے ہیں لیکن اس کا کامل اثر اس لئے مرتب نہیں ہوتا ہے کہ ان کی زبان سے وہ نام عشق ناک ہو کر نہیں نکلتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ کے خواص اور مقبول بندے جب اللہ کا نام لیتے ہیں تو اس میں اُن کی محبت کی حلاوت بھی شامل ہوتی ہے ، جس سے اُن پر خود بھی ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی ہے ، اور ان کی کیفیت دوسروں کو بھی باکیف کر دیتی ہے ، محبت کی زبان ہی اور ہوتی ہے ۔

گرچہ تفسیرِ زباں روشن تر است
لیک عشق بے زباں روشن تر است
گفتگوئے عاشقاں در کارِ رب
جوششِ عشق است نے ترکِ ادب

مولانا فرماتے ہیں کہ عاشقوں کی گفتگو حق تعالیٰ کی محبت میں کبھی بظاہر خلافِ ادب معلوم ہوتی ہے ، لیکن درحقیقت اس کا منشا

جوشِ عشقِ رب ہوتا ہے، ترکِ ادب نہیں ہوتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے زمانہ کے ایک مجذوب کا قصّہ

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے زمانہ میں ایک مجذوب چرواہا تھا، اللہ تعالیٰ کی محبت سے اس کا دل زخمی تھا،

محبت کا زخم

بُلبُل کو دیا نالہ تو پروانہ کو جلنا
غم ہم کو دیا سب سے مشکل جو نظر آیا

۱۔ عشق من پیدا و معشوقم نہاں
یار بیروں فتنۂ او در جہاں

۲۔ عشق آں شعلہ است کو چوں برفروخت
ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

۳۔ عاشقی پیداست از زاریِ دل
نیست بیماری چو بیماری دل

۴۔ نعرۂ مستانہ خوش می آیدم
تا ابد جاناں چنیں میبایدم

۵۔ غیر آں زنجیر زلفِ دلبرم
گرد و صد زنجیر آری بر درم

۶۔ عاشقم من بر فنِ دیوانگی،
سیرم از فرہنگ و از فرزانگی

۷۔ دین من از عشق زندہ بودن است

زندگی زیں جان و سرننگِ من است

۸۔ گرمرا صد بار تو گردن زنی،

ہمچو شمعم برفروزم روشنی

ترجمہ

۱۔ میرا عشق تو ظاہر ہے مگر میرا محبوب پنہاں ہے، یار تو بیروں ہے لیکن تصرفات ان کے جہان میں پھیلے ہیں۔

۲۔ عشق وہ شعلہ ہے کہ جب دل میں روشن ہوتا ہے تو ماسوائے محبوب کو جلا دیتا ہے اور صرف عشق محبوب رہ جاتا ہے۔

۳۔ عاشقی زاریِ دل سے پیدا ہوتی ہے، دل کی بیماری جیسی کوئی بیماری نہیں ہے مراد اس بیماری سے مرضِ عشق ہے کہ وہ دل ہی میں پیدا ہوتا ہے۔

۴۔ نعرہ مستانہ مجھ کو خوش آتا ہے ابد تک اے محبوب ایسا ہی چاہتا ہوں۔

۵۔ غیر اس زنجیر زلف دلبر کے اگر دو سو زنجیر لائے گا تو میری دیوانگی ان سب کو توڑ دے گی، یعنی مرض عشق کی برکت سے اب کثرتِ علائق فانیہ میرے لئے حجاب نہیں ہو سکتے، عشق حق ماسوا حق میں مشغول نہیں ہونے دیتا۔

ایک قصہ یاد آیا، حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ بے نمازی رئیس کا کوئی ملازم بہت دیندار تھا وہ مسجد میں حق تعالیٰ کی عبادت میں مشغول تھا، اس کے آقا نے مسجد کے دروازے پر آواز دی کہ او فلاں یہاں آ، اس نے جواب دیا کہ ابھی آتے نہیں دیتے، اس نے غصہ سے

کہا کون تجھ کو باہر نہیں آنے دیتا، اس ملازم نے جواب دیا کہ جو تجھ کو اندر نہیں آنے دیتا۔

۶۔ میں دیوانگی کے فن پر عاشق ہوں میں فرزانگی اور عقل کی باتوں سے سیر ہو چکا ہوں۔

۷۔ میرا دین عشق سے زندہ رہتا ہے اس جان و سر کے ساتھ زندگی میرے لئے ننگ ہے۔

۸۔ اے محبوب اگر تو صد بار میری گردن مارے تو میں شمع کی طرح روشنی اور ہی زیادہ کروں گا۔ چنانچہ جلتے ہوئے چراغ کی بتی اوپر سے جب کاٹ دی جاتی ہے تو روشنی اور بڑھ جاتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب حق تعالیٰ شہداء سے سوال فرمائیں گے کہ تم جنت میں کیا چاہتے ہو تو عرض کریں گے، میاں تمنا یہی ہو کہ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ تمنا یہ ہے کہ پھر سے زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر آپ کی راہ میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر آپ کی راہ میں قتل کیا جاؤں، بس یہی دَور چاہتا ہوں۔

اُقْتُلُوْنِیْ اُقْتُلُوْنِیْ اَیْ ثِقَات
اِنَّ فِیْ قَتْلِیْ حَیَاۃً فِیْ حَیَات

سر کے کٹنے کا مزہ یحییٰ سے پوچھ
لطف تن چرنے کا زکریاؑ سے پوچھ
سر کے رکھ دینے کا نیچے تیغ کے،
لطف اس کا پوچھ اسمٰعیلؑ سے

الغرض اس چرواہے کا دل عشق حق سے مجروح تھا، زبانِ محبت سے جناب باری تعالیٰ میں عرض کر رہا تھا کہ اے ربِ کریم اور میرے معبود کہاں ہے، اے خداوند کریم اپنے ملنے کا پتہ اور نشان بتا تاکہ میں تیری نوکری کروں، اور تیری گدڑی سیا کروں، اور تیرے بالوں میں کنگھی کیا کروں، اور اگر کبھی تو بیمار ہو جاوے تو میں تیری غمخواری اس طرح کروں جیسے اپنا کوئی عزیز کرتا ہے، اگر میں آپ کا گھر دیکھ پاؤں تو صبح و شام اپنی بکریوں کا دودھ اور گھی پہنچایا کروں، اور آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دوں اور آپ کے پاؤں دباؤں، اور سونے کے وقت آپ کی خوابگاہ کی جھاڑو سے صفائی کر دیا کروں، اے میرے اللہ میاں آپ کے اوپر میری یہ تمام بکریاں قربان ہیں۔

اے فدائے ایں ہمہ بزہائے من
اے بیادت ہی وہی وہائے من

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اس کی یہ مناجات اور سرگوشی حق تعالیٰ کے حضور میں سُنی تو فرمایا او بے ادب تو کافر ہو گیا، دودھ تو وہ پیتا ہے جس کو نشو و نما کی حاجت ہو گدڑی وہ پہنتا ہے جو محتاج جسم ہوتا ہے۔

دوستیٔ بے خرد چوں دشمنی است
حق تعالیٰ زیں چنیں خدمت غنی است

بے عقل کی دوستی مثل دشمنی کے ہے، حق تعالیٰ ایسی نادانی کی خدمت سے غنی ہے۔

اس چرواہے نے عرض کیا کہ

گفت اے موسیٰ دہانم دوختی
وز پشیمانی تو جانم سوختی

اے موسیٰ آپ نے میرا منہ سی دیا اور شرمندگی سے میری جان کو سوختہ کر دیا'

جامہ را بدرید و آہے کرد تُف
سر نہاد اندر بیابان و برفت

اس چرواہے نے اپنا جامہ پھاڑ ڈالا، غلبۂ حزن و غم اور ندامت سے ایک آہ کی اور جنگل کی طرف بھاگ گیا۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں ؎

کھینچی جو ایک آہ تو زنداں نہیں رہا
مارا جو ایک ہاتھ گریباں نہیں رہا

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو حق تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی ؎

وحی آمد سوئے موسیٰ از خدا
بندۂ ما راز ما کردی جُدا
تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی
تا توانی پا منہ اندر فراق
ابغض الاشیاء عندی الطّلاق
ہر کسے را سیرتے بنہادہ ام
ہر یکے را اصطلاحے دادہ ام
در حق او مدح در حق تو ذم،
در حقِ او شہد در حق تو سم

در حقِ او نور در حقِ تو نار،
در حق او گل و در حق تو خار
ما بری از پاک و ناپاکی ہمہ
وز گراں جانی و چالاکی ہمہ
ما بروں را ننگریم و قال را
ما دروں را بنگریم و حال را
ناظرِ قلبیم گر خاشع بود
گرچہ گفت لفظ ناخاضع بود
موسیا آداب دانا دیگر اند
سوختہ جانِ روانا دیگر اند
گر خطا گوید وراخاطی مگو
گر بود لو خوں شہید او را مشو
خوں شہیداں راز آب اولیٰ تر است
ایں خطا از صد صواب اولیٰ تر است
تو ز سرمستاں قلاوزی مجو،
جامہ چاکاں را چہ فرمائی رفو

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) آپ نے میرے بندے کو مجھ سے جُدا کر دیا، آپ کا کام بندوں کو حق تعالیٰ سے واصل کرنا ہے، نہ کہ جُدا کر دینا، حتی الامکان فراق کے اندر قدم نہ رکھئے، یعنی سببِ فراق نہ بننا چاہئے، البغض مباحات میرے نزدیک طلاق ہے،

ہر شخص کو میں نے علیحدہ علیحدہ سیرتیں عطا فرمائی ہیں، ہر ایک کے لئے الگ الگ اصطلاحیں مقرر فرما دی ہیں، اس نادان چرواہے کے حق میں وہی کلمات میری تعریف میں تھے، اور آپ کے لئے یعنی اہل عقل و علم کے لئے وہ کلمات ناپسندیدہ اور مبغوض ہیں، اس کے حق میں وہی کلماتِ محبت شہد کے حکم میں ہیں اور آپ کے حق میں زہر ہیں، اس کے حق میں وہ کلمات نور ہیں، آپ کے حق میں نار ہیں اس کے حق میں پھول ہیں آپ کے حق میں خار ہیں، ہم بندوں کی تمام پاکی اور ناپاکی گراں جانی و چالاکی سے پاک ہیں۔ ہم ظاہری قیل و قال کو نہیں دیکھتے ہیں ہم تو دل کا حال اور اخلاص دیکھتے ہیں، قلب خاشع کا خشوع دیکھتے ہیں، اگرچہ اس کے الفاظ نادانی اور غفلت سے ناخاضع ہوں۔ اے موسیٰ (علیہ السلام) دانا کے لئے آداب دوسرے ہیں اور جو میرے عشق میں سوختہ ہیں ان کے لئے آداب دوسرے ہیں، اس سوختہ جان اور سرمست عشق حق کے اگرچہ الفاظ بظاہر بے ادبی کے ہیں لیکن منشا اس کا جوشش عشق ہے، ترک ادب نہیں ہے، اس کو خاطی مت کہو، شہید کا بدن اگرچہ خون سے لتھڑا ہو لیکن اس کو مت دھوؤ کیونکہ شہیدوں کا خون پاکی میں پانی سے بڑھا ہوا ہے پس اس سرمست اور سوختہ جان کی یہ خطا صد صواب سے بہتر ہے، سرمستوں سے رہبری مت ڈھونڈھو، یعنی اُن کو مقتدا نہ بناؤ کہ مجاذیب ارشاد کے کام سے معذور ہیں، ان جاہل چاکوں پر رفو کا حکم نہ کرو، کیونکہ غلبۂ یاد حق سے ان کو التفات الی الخلق نہیں رہا، اور نہ ان کو اپنا ہوش ہے۔"

اس واقعہ میں ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ یہاں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تنبیہ فرمائی گئی ہے اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ شریعت کا قانون اس پر کیوں نافذ کیا، یہاں صرف نرمی کی تعلیم دی گئی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں اتنا نہ لتاڑنا چاہئے کہ مخاطب مایوس ہو جاوے۔

انبیاء علیہم السلام غالب علی الاحوال رہتے ہیں:

لیکن انبیاء علیہم السلام کی شان دوسری ہوتی ہے، ان کو اس درجہ قوی تعلق مع اللہ نصیب ہوتا ہے کہ وہ عین توجہ الی الخلق کی حالت میں بھی متوجہ الی الحق ہوتے ہیں، التفات الی الخلق ان کا ملین اور غالبین علی الاحوال کے لئے یاد حق سے حجاب نہیں ہوتا اسی طرح علماء ربانیین کہ ارشاد کا کام کرتے ہیں وہ بھی چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں تبلیغ کا کام انجام دیتے ہیں اس لئے اکثر حالتوں میں یہ حضرات بھی فیض نبوت سے غالب علی الاحوال ہوتے ہیں اور حکمت اس میں یہ ہے کہ مغلوب الحال سے ہدایت اور رہبری کا کام نہیں لیا جا سکتا، کیونکہ وہ خود جس حال میں مغلوب ہے اسی حال میں دوسروں کو بھی مغلوب کر دے گا۔

مغلوب الحال مثل بچے کے ہو جاتا ہے

مغلوب الحال کی مثال حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ اطفال سے دیا کرتے تھے، یعنی جس طرح بچے باپ کی ڈاڑھی نوچ لیتے ہیں تو باپ

کو ناگوار نہیں معلوم ہوتا بلکہ باپ کو بچہ کا یہ شغل بھلا معلوم ہوتا ہے لیکن اگر کوئی بالغ اولاد اس بچہ کی نقل شروع کر دے تو اس پر جوتے پڑ جاویں۔

مجذوب اور مغلوب الحال کی تقلید جائز نہیں

اسی وجہ سے مجذوب اور مغلوب الحال کی تقلید دوسروں کے لئے جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ غلبۂ حالت سے معذور ہے، اور دوسرا معذور نہیں، پس اس کے لئے اس حال کی تقلید پر مواخذہ ہوگا اور اس سے مواخذہ نہ ہوگا، عقل کے جس معیار پر احکام شریعت نافذ ہوتے ہیں اس معیار سے مغلوب الحال کی عقل مغلوب ہو کر نیچے اتر آتی ہے، اس لئے اس میں اُن سے احیاناً بعض اقوال و افعال خلافِ شرع صادر ہو جاتے ہیں، حق تعالیٰ کے نزدیک وہ معذور ہیں، لیکن اہل ہوئی اور بوالہوس بزرگوں کی آڑ میں نفس پروری کا راستہ نکال لیتے ہیں، اور علماء کی نکیر پر جواب دیتے ہیں کہ فلاں بزرگ تو کرتے تھے، اس توضیح مذکور سے صاف ان کی گمراہی اور اس استدلال کا باطل ہونا ثابت ہو گیا، کسی بزرگ کا وہ قول اور وہ فعل جو شریعت کے خلاف ہو ہرگز قابل تقلید نہیں، البتہ اگر اس وقت کے علماء ربانیین نے ان کو مغلوب الحال تسلیم کیا ہے تو اُن پر نکیر نہ کریں گے، ان کا معاملہ حق تعالیٰ کے حوالہ کر دیا جاوے گا۔

مجذوب سالک کا چپراسی ہوتا ہے

ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ مجذوب کس کو کہتے ہیں؟ میں نے جواب دیا اور بیساختہ نکل گیا کہ مجذوب سالک کا چپراسی ہوتا ہے، عوام بڑی غلط فہمی میں ہیں کہ مجذوبوں کو علمائے ارشاد سے افضل سمجھتے ہیں۔ مجاذیب اس راہ کے نابالغ بچے ہیں، بالغین کی صف میں ان کو گذر کہاں ہے، علماء، سالکین، ربانیین، رجال اللہ ہیں، دین کا کام انہی بالغین سے لیا جاتا ہے، حضرتؒ ہمارے فرمایا کرتے تھے کہ

یار غالب علی الاحوال سے دین کا فائدہ ہوتا ہے

مجذوب کی صحبت سے کچھ نفع نہیں ہوتا، بلکہ اندیشۂ ضرر ہے، اسی کو حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

یار غالب جو کہ تا غالب شوی　　یار مغلوباں مشو ہیں اے غوی

مولانا فرماتے ہیں کہ اے شخص تو یار غالب علی الاحوال تلاش کر تاکہ اس کے فیضِ صحبت سے تو بھی غالب ہو جاوے، یار مغلوب الاحوال کو مت تلاش کر اے گمراہ۔

حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ بھی مغلوب الحال ہو گئے تھے، بات یہ ہے کہ کثرتِ ذکر کے توسط سے مذکور کے انوار ذاکر میں چلے آتے ہیں جس سے کم و بیش ہر شخص پر کیفیات طاری ہوتی ہیں خصوصاً جبکہ وہ ذکر عشقناک بھی ہو تو بعض بندوں پر کوئی کیفیت ایسی قوت سے طاری ہو جاتی ہے جس کا تحمل اس کی قوتِ متحملہ سے باہر ہوتا ہے، پس غلبۂ

حال میں کچھ بول جاتا ہے، درحقیقت اس وقت حضرت منصورؒ انا الحق کے ناقل تھے قائل نہ تھے۔ کیونکہ مغلوب الحال غلبۂ حالت میں از ہوش رفتہ ہو جاتا ہے، اور جب عقل نہیں تو مواخذہ نہیں اُس وقت زبان تو اُن کی ہوتی ہے مگر بولنے والا کوئی اور ہوتا ہے

حضرت منصورؒ اور علمائے وقت

اُس وقت کے علماء نے حضرت منصورؒ پر کفر کا فتویٰ صادر نہیں کیا تھا، یہ بالکل غلط مشہور ہے، ہمارے حضرت مرشد پاکؒ نے یہ تحقیق مثنوی شریف کے ایک شعر سے اخذ فرمائی ہے، مولاناؒ فرماتے ہیں ؎

چوں قلم در دست غدارے رسید
لاجرم منصور بر دارے رسید

بات یہ ہے کہ وزیر کو حضرت منصورؒ سے عداوت ہو گئی تھی، اس نے ایک فرضی استفتاء علماء کے پاس بھیجا چونکہ علماء کے ذمہ تحقیقِ حال نہیں ہے جو کچھ اس استفتاء پر عداوت میں مضمون لکھ دیا تھا، اس کے مطابق علماء نے فتویٰ دیدیا، علماء کو کیا معلوم کہ کس کے لئے یہ استفتاء طلب کیا گیا تھا۔

اللہ والوں کی پہچان کی چوتھی صفت

الغرض وہ باخبر بندے جن کی صفات کا ذکر چل رہا تھا ان کی اب ایک خاص شان حق تعالیٰ بیان فرماتے ہیں جس کی قدر اس وقت ہو سکتی ہے جب کہ اس کے پہلے کی بیان فرمودہ ان کی صفتوں کا

استحضار ہو، اس لئے اس استحضار کی غرض سے اجمالاً ان صفات کا پھر ذکر کرتا ہوں :۔

یعنی یہ باخبر بندے جب زمین پر چلتے ہیں تو اپنی چال میں نگاہ رکھتے ہیں، کہ وہ ہون اور وہ ذلت اور عبودیت جو میاں نے ہمارے لئے پسند فرمائی ہے وہ ہماری چال میں موجود ہے یا نفس کے حوالہ ہوگئی، اس طرح جب ان کو کوئی جاہل چھیڑتا ہے تو وہ سلامتی کے ساتھ جلدی سے رفع شر کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں، تاکہ ہون کی نعمت جو اپنی چال میں لئے ہوئے ہیں کہیں جاہل کی چھیڑ کے حوالہ نہ ہو جائے۔

بندوں کے ساتھ معاملات میں ان کی شان عبودیت کا یہ عالم ہے، اور حق تعالیٰ کے ساتھ تو پھر کیا کہنا، پھر جب بندوں کے ساتھ اُن کی شان عبدیت کا یہ عالم ہے جو کہ معین فی المقصود ہے، تو اصل مقصود یعنی عبدیت مع الحق میں ان کی سرگرمی کو کیا پوچھتے ہو، رات کی رات سجدہ اور قیام میں گذار دیتے ہیں۔

یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا، ان باخبر بندوں کی منجملہ اور علامات مذکورہ کے ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام میں لگے رہتے ہیں۔

ان صفات و علامات مذکورہ کے بعد اب حق تعالیٰ اپنے باخبر بندوں کی ایک بہت رفیع حالت بیان فرماتے ہیں، وہ یہ کہ ان محاسن اور کمالات کے باوجود یہ بندے میری کبریائی و عظمت کے سامنے اپنے کو کیا سمجھتے ہیں جو کچھ یہ اپنے سمجھتے ہیں یہی ان کی سمجھ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ رحمٰن کی شان سے باخبر ہیں، کیونکہ بے خبر تو اپنی عبادت

اور تعریف سے خود بینی اور ناز میں مبتلا ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کی نظر صرف اپنے اوپر ہے اس لئے اپنے ہی اوپر نگاہ چلی جاتی ہے، اور مبتلا بخوت و کبر ہو جاتا ہے۔

اور جو باخبر ہے وہ اپنے اعمال حسنہ پر ہماری عظمت و کبریائی کی حیثیت سے نگاہ ڈالتا ہے اور شرمندہ ہو جاتا ہے، کہ میاں آپ کے دربار کے شایان شان میری غلامی تو عین گستاخی معلوم ہوتی ہے، جس اخلاص اور استحضارِ عظمت کے ساتھ عبادت کرنی چاہئے تھی ویسی تو نہ ہو سکی۔

بے خبر بھلا کیا جانے، کہ اخلاص اور استحضارِ عظمت کس چڑیا کا نام ہے۔ تو حق تعالیٰ اپنے باخبر بندوں کی اس رفیع علامت سے مطلع فرما رہے ہیں تاکہ ہم کسی بے خبر کے پالے نہ پڑ جائیں ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
بس بہر دستے نباید داد دست

اے لوگو! بہت سے ابلیس صفات انسان آدمی کی شکل میں ہیں، پس ہر شخص کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ مت دینا، یعنی ان کو مقتدا نہ بنا لینا۔

وہ رفیع علامت یہ ہے کہ وہ ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں، اور یہی ڈر ان کی ولایت کی نشانی ہے، اگر یہ ڈر ختم ہو جاوے تو اسی وقت ولایت بھی ختم ہو جاوے، کیونکہ ولایت ایمان اور تقویٰ کے مجموعہ کا نام ہے، اور لفظ تقویٰ ایسا جامع لفظ ہے جو تمام احکام کی بجاآوری اور معاصی سے پرہیز کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے، اولیاء اللہ کی تعریف اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ سے منصوص ہے، یعنی

اولیاء وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں، یَتَّقُوْنَ صیغۂ مضارع ہے جس میں خاصیت تجدد و استمرار کی ہے، پس ترجمہ یہی ہوگا کہ ڈرتے رہتے ہیں یعنی اس ڈر سے کبھی خالی نہیں ہوتے البتہ جب چل چلاؤ کا وقت ہوگا تو ان کو بشارت دی جائے گی کہ دنیا میں بہت ڈر چکے اتنا ڈرتے ہیں کہ گوشۂ چشم سے بھی تو بُری جگہ نظر نہیں ڈالی، اب تمہارا یہ ڈر ہزاروں امن کی بشارت سے مشرف ہوگا، اب کان میں چپکے سے میاں کہلوائیں گے لَا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا اب مت ڈرو اب چل چلاؤ کا وقت ہے، اب ڈر کا عالم بدل گیا اب دوسرا عالم شروع ہوتا ہے، بہت ڈر چکے اب کچھ اندیشہ مت کرو، اور غمگین نہ ہو، اور دیکھو یہ تمہاری جنت ہے، اس کو دیکھ کر خوش ہو جاؤ۔

یہ لَا تَخَافُوْا کہ اب مت ڈرو دلیل ہے اس بات پر کہ مرتے دم تک یہ ڈرتے رہے کسی بے خوف سے یہ نہیں کہا جاتا کہ تم ڈرو مت، اور مرتے دم تک ڈرتے رہنے کا حکم ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ، اپنے رب کی غلامی میں لگے رہو یہاں تک کہ وہ یقینی امر یعنی موت آجاوے۔

باخبر بندے مرنے سے پہلے بے خوف نہیں ہوتے، وہ بے خبر ہوتے ہیں جو خوف خاتمہ کے ہوتے ہوئے اپنے اعمال پر ناز کر کے بے خوف ہو جاتے، فیصلہ تو میاں کے ہاتھ میں ہے، اور یہ بے خبر خود ہی اپنا فیصلہ کر کے اس پر نازاں ہے، کیا جہل اور بیوقوفی ہے، یہ خود بینی ہی اس کی بے خبری کی دلیل ہے، جو باخبر بندے ہوتے ہیں

ان کی شان تو یہ ہوتی ہے کہ ہر وقت ترساں ولرزاں رہتے ہیں، باوجود ذکر وطاعت اور علم وفضل کے ڈرتے رہتے ہیں، حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ اپنے متعلق ارشاد فرماتے ہیں ؎

ببانگِ دہل ہولم از دور بود
بغیب اندرم عیب مستور بود

فرماتے ہیں کہ ڈھول کی آواز کی طرح میرے علم وفضل کا شہرہ دور تک پہنچا ہوا ہے لیکن ڈھول کے اندر جو خلا کا غیب ہے وہ چھپا ہوا ہے۔ عارفین اپنے عیوب پر ہر وقت نگاہ رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے باخبر بندوں کی اسی شان کو بیان فرماتے ہیں:۔

اَلَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا ۝
وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ
اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ اِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں جو ہمارے باخبر بندے ہیں یعنی جنہوں نے ہماری عظمت وکبریائی کو پہچان لیا ہے ان کی شان یہ ہے کہ راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام میں لگے رہتے ہیں مگران کو اپنی عبادت پر ناز نہیں ہے میری عظمت کے سامنے اپنی طاعات پر ان کی نگاہ نہیں ہے یہی دلیل ہے کہ یہ مجھ سے باخبر ہیں میری عظمت اور جلالتِ شان کے استحضار سے ایسے لرزاں اور ترساں ہیں کہ اتنی فرمانبرداری کے باوجود اپنے کو جہنم کے لائق سمجھ کر مجھ سے دعائیں مانگتے ہیں، کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم کے عذاب کو دور رکھئے، کیونکہ اس کا عذاب پوری تباہی ہے، بے شک وہ جہنم بُرا ٹھکانا ہے۔

بے خبر بندے تو اتنی شاباشی اور تعریف پر اور اس قدر تقویٰ اور طاعات پر نہ جانے اپنے کو کیا سے کیا سمجھ لیں اور انتظار کرنے لگیں کہ شاید جبریل علیہ السلام وحی لیکر تشریف لا رہے ہیں۔

اللہ والوں کی پانچویں صفت،

آگے فرماتے ہیں یہ حالت تو ان کی طاعاتِ بدنیہ میں ہے اور طاعات مالیہ میں طریقہ یہ ہے :۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا

" اور ان باخبر بندوں کی پہچان یہ ہے کہ وہ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں کہ معصیت میں صرف کرنے لگیں اور نہ تنگی کرتے ہیں کہ طاعات ضروریہ میں بھی خرچ کی کوتاہی کریں اور ان کا خرچ کرنا اس افراط و تفریط کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے "

حق تعالیٰ نے یہ پانچویں پہچان بیان فرمائی ہے، آگے فرماتے ہیں :۔

اللہ والوں کی چھٹی صفت

اور ترکِ معاصی میں اُن کی شان یہ ہے کہ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ " اور جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر حق پر، یعنی جب قتل کے وجوب یا اباحت کا سبب

شرعی پایا جاوے اس وقت اور بات ہے اور وہ زنا نہیں کرتے وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا، اور جو شخص ایسا کام کرے گا تو سزا سے اس کو سابقہ پڑے گا، يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهِ مُهَانًا، کہ قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھتا چلا جاوے گا، اور وہ پستی میں ہمیشہ ذلیل ہو کر رہے گا۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَ	"مگر جو شرک اور معاصی سے
عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا	توبہ کرلے اور اس توبہ کے قبول
فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ	ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایمان
سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ط	بھی لے آوے اور نیک کام کرتا
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا	ہے یعنی ضروری طاعات کو بجالاتا
وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا	ہے تو حق تعالیٰ ایسے لوگوں کے
فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ	گناہوں کو محو کر کے ان کی جگہ آئندہ
مَتَابًا ۝	نیکیاں عنایت فرماوے گا، اور یہ

محو سیئات اور ثبت حسنات اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ غفور ہے، اس لئے سیئات کو محو کر دیا، اور رحیم ہے اس لئے حسنات کو ثبت فرمایا۔"

یہ تو تائب عن الکفر کا بیان تھا، آگے مؤمن تائب عن المعصیۃ کا ذکر ہے تاکہ مضمون توبہ کا پورا ہو جاوے، نیز اُن باخبر بندوں کی تعریف کا تتمہ یہ ہے کہ یہ بندے جو ہم سے باخبر ہیں یہ طاعات میں مشغول رہتے ہیں، اور سیئات سے مجتنب رہتے ہیں، لیکن اگر احیاناً معصیت کا صدور ہو جاوے تو توبہ کر لیتے ہیں، اس لئے تائبین کا حال ارشاد

فرمایا کہ جو شخص جس معصیت سے توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے یعنی آئندہ معصیت سے بچتا ہے تو وہ بھی عذاب سے بچا رہے گا، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف خاص طور پر رجوع کر رہا ہے یعنی خوف و اخلاص کے ساتھ کہ یہی شرط توبہ ہے۔ (ماخوذ از بیان القرآن)

توبہ کی حقیقت

توبہ کی حقیقت ندامتِ قلب ہے، دل کا شرمندہ ہو جانا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، اَلتَّوْبَةُ هِيَ النَّدَامَةُ، توبہ نام ہے ندامت کا، اپنے قصور پر پشیمان ہونا توبہ کی اصلی روح ہے۔

ایک حکایت

حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کی حکایت لکھی ہے وہ جماعت کے بہت پابند تھے، ایک بار وہ مسجد کی طرف جا رہے تھے تو دیکھا کہ مسجد سے لوگ نکل رہے ہیں، سمجھ گئے کہ جماعت ہو گئی، بہت غمگین اور پشیمان ہوئے اور نہ جانے کس درد اور ندامت قلب سے ایک آہ کھینچی، جس کو مولانا فرماتے ہیں ؎

گفت آہ و درد از آں آمد بروں

آہ او میداد از دل بوئے خوں

اس مخلص نے ترک جماعت کے غم سے اِک آہ کھینچی اور وہ آہ اس قدر دردناک تھی کہ اس آہ سے بوئے خونِ دل محسوس ہوتی تھی، جماعت کے اندر ایک صاحب کشف اور صاحب باطن بزرگ تھے۔ انہوں نے

اس دردناک آہ کے انوار عرش تک جاتے ہوئے دیکھے، فوراً اٹھے، اور صاحب آہ کے پاس تشریف لائے، اور فرمایا کہ آپ اپنی اس آہ کو مجھے عنایت فرمادیں، اور میری نماز باجماعت آپ لے لیں، رات کو ان بزرگ نے خواب میں غیب سے یہ آواز سُنی کہ اے شخص تو نے اس آہ کو کیا خریدا کہ آبِ حیات خرید لیا۔ اس آہ کی برکت سے تمام مخلوق کی نماز قبول ہوگئی۔

حرمتِ ایں اختیار و ایں دخول
شد نماز جملۂ خلقاں قبول

غیب سے آواز آئی کہ اس اختیار اور دخول یعنی اس آہ دردناک کی خرید اور اس کے عوض میں اپنی نماز باجماعت کا دینا اس فعل کی حرمت سے جملہ خلائق کی نماز قبول ہوگئی۔ اسی کو مولانا نے ایک جگہ فرمایا ہے کہ ؎

ما بروں را ننگریم و قال را
ما دروں را بنگریم و حال را

نالۂ مومن ہمی داریم دوست،
گو تضرع کُن کہ ایں اعزاز اوست

مومن کے نالہ کو ہم دوست رکھتے ہیں، کہہ دو کہ یہ گریہ وزاری میں مشغول رہے اس کا اعزاز اسی میں ہے۔

مضمون توبہ کی تفصیل

حضرات صحابہؓ کے متعلق حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرَّاكِعُوْنَ

السَّاجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ط

ان آیات میں حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرات صحابہؓ کی تعریف فرمائی ہے :۔

ارشاد فرماتے ہیں کہ " یہ اصحاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنیوالے، سجدہ کرنیوالے، نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے، اور بُری باتوں سے باز رکھنے والے، اور اللہ کی حدود کا خیال رکھنے والے (ہیں)۔

اس آیت میں صفات حضرات صحابہؓ کی بیان فرمائی گئی ہیں ان میں سب سے پہلے توبہ کی صفت کو حق تعالیٰ نے مقدم فرمایا ہے، اس تقدیم میں حق تعالیٰ نے یہ بتادیا کہ توبہ ہی وہ بابِ رحمت ہے جس کے ذریعہ وہ تمام درجات اور صفات جو آگے ہم بیان کررہے ہیں حاصل ہوتی ہیں، یعنی غلامی اور بندگی کا اوّل زینہ توبہ ہے، توبہ ہی کی برکت سے حضرات صحابہؓ عَابِدُوْنَ حَامِدُوْنَ سَائِحُوْنَ رَاكِعُوْنَ سَاجِدُوْنَ ہوکر تاج خلافت کے لائق ہوگئے، یعنی خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ کی باگ ان کے ہاتھ میں دیدی گئی، اور حدودِ الٰہیہ کے پاسبان مقرر کئے گئے۔

توبہ ہی وہ دروازہ ہے جو گم شدہ غلام کو مالکِ حقیقی کے پاس پہنچادیتا ہے، توبہ کا دروازہ امّت کے لئے بڑی رحمت کا دروازہ ہے، جس کے لئے توبہ کا دروازہ کھل گیا، اس کے لئے جنت کا دروازہ کھل گیا، جب اللہ تعالیٰ سے تعلق درست کرلیا تو دنیا ہی سے جنت

شروع ہوگئی، توبہ سے عبدیت کا دروازہ کھل جاتا ہے، حق تعالیٰ نے تائِبُوْنَ کے بعد عَابِدُوْنَ فرمایا ہے، توبہ میں جو ندامت و پشیمانی طاری ہوئی اس سے قلب کی صفائی ہوگئی، اور جب دل سے تاریکی دور ہوگئی تو اپنی غلامی اور بندگی ظاہر ہوگئی، عبدیت کا دروازہ کیا ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ ہے، اے اللہ ہم صرف آپ کے غلام ہیں، توبہ کے بعد ہی بندگی کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

اِلٰھِیْ عَبْدُکَ الْعَاصِیْ اَتَاکَا
مُقِرًّا بِالذُّنُوْبِ وَقَدْ دَعَاکَا

اے اللہ! تیرا بندۂ گنہگار تیرے در پر حاضر ہوا ہے، اور اس حالت میں حاضر ہوا ہے کہ اپنے گناہوں کا اقرار کر رہا ہے اور آپ ہی کو پکار رہا ہے۔

اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے بعد اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ہے جب ہم صرف آپ ہی کے غلام ہیں تو آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں، یعنی ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ ہماری توبہ نہ ٹوٹے گی۔ ہم آپ ہی سے استقامت کی مدد چاہتے ہیں۔

فَاِنْ تَغْفِرْ فَاَنْتَ لِذَاکَ اَھْلٌ
وَاِنْ تَطْرُدْ فَمَنْ یَّرْحَمْ سِوَاکَا

پس اگر آپ بخش دیں تو بے شک آپ اس کے اہل ہیں، اور اگر آپ مجھ کو اپنی بارگاہ سے نکال دیں تو پھر کون ہے آپ کے سوا ہمارے اوپر جو رحم کرے گا۔

تیری چٹون کیا پھری سارا زمانہ پھر گیا

حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

نہ پوچھے سو انیک کاروں کے گر تُو
کہاں جائے بندہ گنہگار تیرا

تَائِبُوْنَ کے بعد عَابِدُوْنَ فرما کر بتا دیا کہ توبہ کی برکت سے غلامی کا دروازہ کھل جاتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ "میں ہر روز سو بار سے زیادہ استغفار کرتا ہوں" توبہ ایسی بڑی نعمت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہونے کے باوجود توبہ کا اس قدر اہتمام فرماتے تھے، حالانکہ آپ جن امور سے استغفار فرماتے تھے اگر وہ ہم کو مل جائیں تو ہم ولی ہو جائیں، حسنات الابرار سیئات المقربین، ابرار کی حسنات مقربین کے لئے سیئات ہوتی ہیں۔

جب غلامی کا دروازہ کھل گیا تو ہر طرف جدھر نگاہ اٹھاتا ہے اپنے اللہ کی قدرت دیکھکر حمد کرتا ہے، اوپر نگاہ اٹھی تو آسمان، چاند، ستارے، آفتاب جیسی مخلوقاتِ عجیبہ دیکھکر اللہ کی تعریف بیان کرتا ہے نیچے نگاہ جاتی ہے تو زمین اور زمین کی مخلوقاتِ عجیبہ دیکھکر حمد بیان کرتا ہے، بندگی اور غلامی کی برکت سے حمد کا دروازہ اس کے لئے کھول دیا جاتا ہے، انوار عبدیت سے اس کے لئے عالم کا ہر ہر ذرّہ ہر ہر پتّہ معرفت کا دفتر ہو جاتا ہے۔

حمد کے بعد اس پر سیاحت کا دروازہ کھلتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سِیَاحَۃُ اُمَّتِیَ الصِّیَامُ میری امت کی سیاحت روزہ ہے، روزہ رکھکر گھر بیٹھے سفر کر رہا ہے یعنی حق تعالیٰ کے قرب کا راستہ طے کر رہا ہے۔

سَائِحُوْنَ کے بعد رَاکِعُوْنَ سَاجِدُوْن فرمایا ہے، قَائِمُوْنَ کا ذکر اس لئے نہیں فرمایا کہ رکوع قیام کے بعد ہی ہوتا ہے پس رکوع کا ذکر اپنے اندر قیام کے ثبوت کو لئے ہوئے ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قیام رکوع اور سجود سے افضل ہے، کیونکہ قیام میں قرآن پاک کی تلاوت ہوتی ہے۔

رَاکِعُوْنَ اور سَاجِدُوْنَ کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ اب آگے بڑھو، توبہ کی استقامت کی برکت سے ہم تم کو بڑے بڑے درجے عطا فرمائیں گے۔

اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اب آپ لوگ امر بالمعروف کریں یعنی لوگوں کو بھلی باتوں کی تعلیم دیں، اور روک ٹوک کریں، کہاں تو خود کفر و شرک میں ملوّث تھے، کہاں اب توبہ کی برکت سے وہ دن آگیا کہ دوسروں کی ہدایت کے لائق ہو گئے، میاں کی توجہ جس پر پڑ جائے۔

ہمارے حضرتؒ یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

تری نگاہ کے مجروح اور بھی ہیں کئی
کسی کے دل میں رہی اور کسی کے پار گئی
مگر یہ مجھ سے ہی کی تو نے ترک بات نئی
درونِ سینۂ من زخم بے نشاں زدۂ
بجیر تم کہ عجب تیر بے کماں زدۂ

مَعْرُوْف اس بات کو کہتے ہیں جو جانی پہچانی ہو، کیونکہ معروف عرفان سے ماخوذ ہے بھلی باتوں سے چونکہ طبعاً اُنس ہوتا ہے،

اس لئے وہ باتیں گویا جانی پہچانی ہوتی ہیں، اور مُنکَر کے معنیٰ بے جان پہچان کے ہیں، منکر نکیر اُن فرشتوں کا نام اسی سبب ہے ہے کہ وہ بے جان پہچان کے ہوتے ہیں، فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیا اور اُن لوگوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نہیں پہچانا۔

جتنی بُری باتیں ہیں وہ فطرۃً طبیعت کے لئے غیر مانوس ہوتی ہیں، یعنی ہر معروف سے طبعاً اُنس ہوتا ہے اور ہر منکر سے طبعاً ناگواری ہوتی ہے، مگر مراد طبیعت سے طبیعت سلیمہ ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام سب سے آخر میں سپرد کیا جاتا ہے، جب خوب پختگی پیدا ہو جاتی ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بعد حق تعالیٰ ایک انعام اور عطا فرماتے ہیں، یعنی اپنی حدود کا پاسبان مقرر فرما دیتے ہیں:۔

وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ، یہ خود بھی حدود الٰہیہ کا محافظ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی حفاظتِ حدودِ الٰہیہ کی تعلیم دیتا ہے، اور جو کچھ عبدیت میں نقصان دیکھتا ہے اس کی تلافی توبہ سے کرتا رہتا ہے۔ توبہ کے بارے میں ایک دھوکہ لوگوں کو ہوتا ہے وہ یہ کہ:۔

توبہ کے متعلق ایک شبہ اور اُس کا جواب

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر توبہ کر کے توڑ دی تو وہ توبہ ہی بیکار ہے، اسی لئے بعض لوگ توبہ ہی نہیں کرتے، کہ شاید پھر ٹوٹ جائے، ہمارے حضرت والا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شبہ کے ازالہ کے لئے ایک

حدیث نقل فرمائی ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ توبہ نام ہے اپنی معصیت پر ندامتِ خالصہ کا، جب گناہ تجھ سے صادر ہو جاوے پھر تو نادم ہو کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی درخواست کرے اور پھر کبھی اس کی طرف عود نہ کرے، یعنی دل سے یہ ارادہ پختہ ہو کہ اب دوبارہ اس گناہ کو نہ کروں گا، گو غلبۂ نفس وشیطان سے پھر وہی گناہ ہو جاوے، پھر اسی طرح ندامت و استغفار وعزم علی التقویٰ کا حکم ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے مَا اَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَاِنْ عَادَ فِی الْیَوْمِ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً (رواہ الترمذی وابوداؤد)

ترجمہ "اصرار علی المعصیۃ کرنے والوں میں وہ شخص شمار نہیں جس نے ہر بار معصیت سے استغفار کر لی، اگرچہ پھر اسی گناہ کی طرف دن میں ستر بار لوٹے"

کیونکہ مقیم علی الذنب سے مراد مقیم بالقلب ہے، اور عدم عود سے مراد عزم عدم عود ہے، یعنی گناہ پر قائم رہنے سے مراد یہ ہے کہ دل میں قائم رہنے کا ارادہ ہو اور دوبارہ کی طرف نہ لوٹنے سے مراد نہ لوٹنے کا ارادہ ہے، اب اگر غلبۂ نفس وشیطان سے یہ ارادہ ٹوٹ گیا تو مصر علی المعصیۃ نہیں ہے، چنانچہ بعضے دوسرے بزرگوں نے اسی تحقیق کا حاصل اپنے اس قول میں ظاہر فرمایا ہے ؎

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

اے شخص لوٹ آ لوٹ، جس حال میں بھی ہے تُو اللہ کی طرف آجا، اگر کافر ہے یا گبر و بت پرست ہے پھر بھی آجا کہ یہ بارگاہ نومیدی ہے سو بار اگر توبہ توڑی ہے تب بھی مایوس نہ ہو اور اللہ کی طرف آجا۔

(ماخوذ از تشرّف فی احادیث التصوف، ج ۴ ص ۱۲)

خلاصہ یہ کہ ایک بار جس گناہ سے توبہ سچے دل سے کرلی گئی دوبارہ وہی گناہ پھر ہو جانے سے پہلی توبہ بیکار نہیں ہوتی، البتہ اس دوسرے گناہ سے پھر صدق دل سے توبہ کرلے اور اپنی طرف سے پختہ ارادہ گناہ نہ کرنے کا کرلے، اسی طرح عمر بھر توبہ کا سلسلہ بند نہ کرے۔

ہمارے خواجہ صاحبؒ خوب فرماتے ہیں ؎

نہ چت کر سکے نفس کے پہلوان کو
تو یوں ہاتھ پاؤں بھی ڈھیلے نہ ڈالے
ارے اس سے کشتی تو ہے عمر بھر کی
کبھی وہ دَبالے کبھی تو دبالے

گناہوں سے بچنے کا ایک مراقبہ

گناہوں سے بچنے کے لئے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مراقبہ کی تعلیم فرمائی ہے، اور ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ کی طرف سے یہ طریقہ القاء ہوا ہے، جس کا میرے اوپر بھی بہت اثر ہے، وہ مراقبہ یہ ہے کہ ہر کام کے وقت یہ سوچ لیا کرے کہ یہ کام جو ہم کر رہے ہیں، یا

کرنے والے ہیں یہ آخرت میں مضر ہے یا مفید ؟ چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، باتیں کرتے ہوئے، رنج و غصہ ہر حال میں، ہر حرکت و سکون میں یہ سوچ لیا کرے کہ یہ کام آخرت کے لئے مفید ہے یا مضر ہے؟ اس کے بعد اوّل تو گناہ صادر ہی نہ ہوگا اور اگر بالفرض صادر ہوا بھی تو آپ اُس وقت بیدار گنہگار ہوں گے، سرکش و غافل گنہگار نہ ہونگے۔

اور یہ بھی ایک بڑی دولت ہے کہ انسان کو گناہ کے وقت تنبہ ہو جائے کہ میں نے یہ کام گناہ کا کیا ہے، اس سے دل پر ایک ایسا چرکہ لگتا ہے جس کے بعد معاً توبہ اور استغفار کو جی چاہتا ہے، اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جان کر گناہ کرنا تو اور سنگین جرم ہے تو بات یہ ہے کہ جان کر گناہ کرنا مطلقاً اشد نہیں ہے، علم کے ساتھ وہ گناہ اشد ہے جس کے ساتھ جرأت بھی ہو، اگر جرأت نہ ہو تو جان کر گناہ کرنا غفلت کے گناہ سے اشد نہیں، جب گناہ کو گناہ جان کر گناہ کرے گا تو اس گناہ کے ساتھ خشیت بھی ملی ہوگی، اور دل میں ایک خلش بھی گناہ کے ساتھ ساتھ موجود ہوگی جس کی وجہ سے یہ معصیت کامل نہ ہوگی، کامل خشیت کے ساتھ تو گناہ کا صدور ہو ہی نہیں سکتا، اور ناقص خشیت کے ساتھ جو معصیت صادر ہوگی وہ بھی ناقص ہوگی۔

اس مضمون کے استحضار سے یہ فائدہ ہوگا کہ بعض لوگوں سے باوجود خشیت کے بھی گناہ صادر ہو جاتا ہے، تو اس خشیت کو بیکار سمجھ کر کہیں معطل ہو کر نہ بیٹھ رہیں، خشیت کے تین درجے ہیں، ایک خشیت اعتقادی، یہ تو ہر مسلمان کو حاصل ہے، کیونکہ ایمان نام ہی ہے خوف و رجاء کا، پس اس درجہ سے کوئی مسلمان خالی نہیں

ہے، مگر اعتقادی خشیت گناہوں سے روکنے کے لئے کافی نہیں، بلکہ اس کے ساتھ استحضار خشیت کی بھی ضرورت ہے، یہ دوسری قسم ہے، پھر استحضار کے دو درجے ہیں، ایک استحضار کامل، دوسرے استحضار ناقص، استحضار کامل کے ساتھ معصیت ہرگز نہیں ہو سکتی، مگر ہم لوگوں استحضار کامل حاصل نہیں اور اسی کی ضرورت ہے لیکن استحضار کامل ایک دو دن میں حاصل نہیں ہوا کرتا، اس کے لئے مشق کی ضرورت ہے، پہلے استحضار ناقص ہی کیجئے، اس سے گو معصیت کا انعدام نہ ہوگا، مگر تقلیل ضرور ہو جائے گی، اور وہی کیفیت ہوگی جو میں نے ابھی بیان کی ہے، کہ خشیت ناقصہ کے ساتھ معصیت بھی ناقص ہی ہوگی، پھر اسی حالت پر اکتفار نہ کیجئے، بلکہ استحضار ناقص سے استحضار کامل کی طرف ترقی کیجئے، انشاء اللہ شدہ شدہ آپ ایک دن کامیاب ہو جائیں گے، کام میں لگا رہنا اور مشق کا جاری رکھنا ہی کمال حاصل کرنے کا طریقہ ہے گھبرائیے نہیں۔

کوئے نومیدی مرو امید ہاست
سوئے تاریکی مرو خورشید ہاست

میں دعوے سے نہیں کہتا، خدا کے بھروسہ پر کہتا ہوں کہ اس مراقبہ کو جاری رکھو، انشاء اللہ ایک دن آپ ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔

پس ہر کام میں اس حیثیت سے نظر کرو کہ معین فی المقصود ہے یا مضر، جو معین ہو اس کو اختیار کرو جو مضر ہو اس کو ترک کرو اور اس کا استحضار ہر کام میں رکھو خواہ مباح ہو یا فرض، واجب ہو یا اور کچھ۔

(ملخص از وعظ الاسعاد والارشاد ۱۳۴۲ھ بمقام تھانہ بھون)

اللہ والوں کی ساتویں صفت

عباد الرحمٰن کی منجملہ اور شانوں کے ایک شان یہ بھی ہے کہ
وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا
اور ہمارے باخبر بندوں کی یہ شان ہے کہ وہ بیہودہ باتوں جیسے لہو و لعب خلاف شرع میں شامل نہیں ہوتے، اور اگر اتفاقاً بلا قصد بیہودہ مشغلوں کے پاس ہو کر گذریں تو سنجیدگی و شرافت کے ساتھ گذر جاتے ہیں، یعنی نہ اس کی طرف مشغول ہوتے ہیں اور نہ ان کے آثار سے عاصیوں کی تحقیر اور اپنا ترفع و تکبر ظاہر ہوتا ہے۔

اللہ والوں کی آٹھویں صفت

اور ان کی شان یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے احکام کے ذریعہ ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو ان احکام پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے، (جس طرح کافر قرآن پر ایک نئی بات سمجھ کر تماشہ کے طور پر اور نیز اعتراضات پیدا کرنے کے لئے اس کے حقائق و معارف سے اندھے بہرے ہو کر اندھا دھند بے ترتیب ہجوم کر لیتے تھے)
وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝

اللہ والوں کی نویں صفت

آگے فرماتے ہیں :۔ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا

مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اور ہمارے باخبر بندوں کی شان یہ ہے کہ " وہ خود جیسے دین کے عاشق ہیں اسی طرح اپنے اہل وعیال کے لئے بھی ساعی اور داعی ہیں، چنانچہ عملی کوشش کے ساتھ حق تعالیٰ سے بھی دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیبیوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی راحت عطا فرما۔ یعنی ان کو دیندار بنا دے، اور ہم کو ہماری اس سعیِ دینداری میں کامیاب فرما۔ ان کو دینداری کی حالت میں دیکھکر راحت اور سرور ہو (تو نے ہم کو ہمارے خاندان کا افسر تو بنایا ہی ہے، مگر ہماری دعا یہ ہے کہ ان سب کو متقی کر کے) اور ہم کو متقیوں کا افسر بنا دے (تو اصل مقصود افسری مانگنا نہیں ہے، گو اس میں بھی قباحت نہیں ہے مگر مقام دلالت نہیں کرتا، بلکہ اصل مقصود اپنے خاندان کے متقی ہونے کی درخواست ہے یعنی بجائے اس کے کہ ہم افسر خاندان ہیں ہم کو افسرِ خاندانِ متقی بنا دیجئے۔

یہاں تک تو عباد الرحمٰن کے اوصاف کا تذکرہ تھا، یعنی ہمارے باخبر بندوں میں ایسی ایسی شانیں ہوتی ہیں، ان کے یہی اوصاف مخبری کرتے ہیں، پس ان علامتوں سے ہمارے باخبر بندوں کو ڈھونڈھ لو، اَلرَّحْمٰنُ فَاسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا ۔ جب کوئی باخبر بندہ مل جائے

تو اس کی صحبت میں رہ کر حق تعالیٰ کی معرفت حاصل کرو ، " رحمٰن کی شان کو کسی باخبر سے پوچھو "

عباد الرحمٰن کے اوصاف کے بعد آگے حق تعالیٰ ان کی جزاً ارشاد فرماتے ہیں یعنی ایسے لوگوں کو بہشت میں رہنے کو بالاخانے ملیں گے ، بوجہ اُن کے دین و اطاعت پر ثابت قدم رہنے کے اور ان کو اس بہشت میں فرشتوں کی جانب سے بقاء کی دعا اور سلام ملے گا ، اور اس بہشت میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ، وہ کیا اچھا ٹھکانہ اور مقام ہے ۔

یہ حق تعالیٰ کا خاص انعام ہے ۔ اور حضرت مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض و برکات ہیں ، کہ اس خاص ترتیب کے ساتھ یہ مضمون اس وقت میں القاء ہوا ہے جب کہ میں اٹھاسی ۸۸ سال کی عمر میں قدم رکھنے والا ہوں ۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جنّ اور انسان کی پیدائش کا مقصد اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے ، دلیل کیا ہے ؟ جن اور انسان کے پیدا کرنے والے نے فرمادیا ہے :۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ " میں نے جنّ اور انسان کو اس واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں " حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے لِيَعْبُدُوْنِ کی تفسیر لِيَعْرِفُوْنِ سے فرمائی ہے ، یعنی جنّ اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ مجھے پہچان لیں ۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیسے پہچانیں ؟ طریقہ پہچان کیا ہے ؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا طریقہ بھی ارشاد فرمادیا ، کہ میری پہچان تو انہی کے ذریعہ ہوگی جنھوں نے ہمیں پہچان لیا ہے ، اَلرَّحْمٰنُ فَاسْئَلْ بِهٖ

خَبِیْرًا۔ رحمٰن کی شان کو کسی باخبر سے پوچھو، جو ہمارے باخبر بندے ہیں، یعنی جو ہم سے باخبر ہیں، اُن سے ہماری پہچان ہوگی۔

اب پھر سوال ہوتا ہے کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ کون لوگ اللہ تعالیٰ کے باخبر بندے ہیں؟ تو اس سوال کا جواب وہیں موجود ہے جہاں اَلرَّحْمٰنُ فَاسْئَلْ بِهٖ خَبِیْرًا۔ ارشاد فرمایا ہے، اس آیت کے دو تین آیتوں کے بعد ہی اپنے باخبر بندوں کے ان اوصاف مذکورہ کو ارشاد فرمایا ہے تاکہ کوئی بے خبر مدعی نہ بن جائے کہ ہم بھی باخبر ہیں۔

اللہ والوں کی پہچان کا ایک جامع اور نہایت سہل طریقہ

ہمارے حضرت مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب پہچان اللہ والوں کی ارشاد فرمائی ہے جو نہایت آسان ہے، وہ یہ کہ خواص امّت جس کو اللہ والا کہتے ہوں بس اس کا دامن پکڑ لو، عوام کی بھیڑ ہرگز مت دیکھو، کیونکہ عوام کی بھیڑ بدون بصیرت کے ہے، اس لئے ان کا اژدہام اور ہجوم کسی کے پاس اس کی صداقت کا معیار نہیں بن سکتا ہے، اور خواص امّت یعنی اس کے ہمعصر علماءِ متقین جس کو اچھا کہیں گے تو وہ غلط نہیں ہو سکتا۔

یہ پہچان ہر شخص کے لئے آسان ہے، اور علماء و خواص امّت جس کو پہچانیں گے اس کو قرآن و حدیث کے ارشاد فرمودہ علامات سے پہچانیں گے، بس خواص کا پہچان لینا عوام کے لئے کافی حجت حجت ہے، البتہ ایک شرط اور بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے

تھے۔ وہ مناسبت ہے، یعنی جس اللہ والے سے دین حاصل کرے تو اس کے یہاں پہلے چند دن رہ لے، اور رہ کر دیکھ لے کہ مجھے اس شیخ سے مناسبت بھی ہے یا نہیں۔

اور مناسبت کی تعریف حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمائی تھی کہ پیر کے مباح افعال طالب کو اچھے معلوم ہوں اور طالب کے مباح افعال پیر کو بھلے معلوم ہوں جب مناسبت ہوتی ہے تب ہی فیض ہوتا ہے، مقصود اللہ ہے، جہاں مناسبت معلوم ہو وہیں بیعت ہو، اگرچہ اس کی زیادہ شہرت بھی نہ ہو۔

خلاصۂ معرفتِ الٰہیہ

حق تعالیٰ کی پہچان کی جو تفصیل بیان ہوئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ معرفت کے لئے تین باتیں ضروری ہیں:۔

(۱) صحبت اہل اللہ (۲) کثرتِ ذکر اللہ (۳) تفکر فی خلق اللہ

صحبتِ اہل اللہ کو مقدم اس لئے کیا گیا ہے کہ اللہ والوں کی صحبت ہی سے اللہ تعالیٰ کی یاد کا شوق پیدا ہوتا ہے، انکی صورت دیکھکر اللہ تعالیٰ یاد آجاتے ہیں، اور اُن کی نورانی گفتگو سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے، اور محبت سے ذکر کی توفیق ہوتی ہے، اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

فقر خواہی آں بصحبت قائم است
نہ زبانت کار می آید نہ دست

مولانا فرماتے ہیں کہ اگر فقر چاہتے ہو یعنی حق تعالیٰ کا راستہ

طے کرنا چاہتے ہو تو وہ صحبت ہی سے قطع ہوتا ہے، نہ محض زبان کام آتی ہے نہ لاتھ کام آتا ہے، اسکی تصریح حق تعالیٰ نے اس آیت میں فرمادی ہے،

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۔ "اے ایمان والو اللہ سے ڈرو" اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیسے ڈریں اللہ سے ڈرنے کا طریقہ کیا ہے ؟

کس طرح فریاد کرتے میں بتادو قاعدہ
اے اسیرانِ قفس میں نو گرفتاروں میں ہوں

تو اس کا جواب فرمادیا وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ اور سچوں کے ساتھ پڑو، جن کا ظاہر اور باطن دونوں خدا کے خوف سے سچے ہوں، ان کی صحبت کی برکت سے ان کا صدق فی الاعمال اور ان کا صدق فی المقال تمہارے اندر بھی آجائے گا۔

کثرتِ ذکر اللہ کو تفکر فی خلق اللہ سے اس لئے مقدم کیا گیا ہے کہ بکثرت ذکر سے قوتِ فکریہ میں جلاء اور صفائی آتی ہے، ذکر کے انوار سے نفس کے ظلمانی پردے مٹتے چلے جاتے ہیں، اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

میگریزد ضدّ ہا از ضدّ ہا
شب گریزد چوں برافروزد ضیا

مولانا فرماتے ہیں کہ ہر ضد اپنی ضد سے بھاگتی ہے، جب دن روشن ہوتا ہے تو رات راہِ فرار اختیار کرتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ذکر کے انوار جب دل میں آتے ہیں تو دل کی تاریکیاں انوار سے متبدل ہو جاتی ہیں، اور پہلے جب دل تاریک تھا تو افکار بھی تاریک پیدا ہوتے تھے، اور اب نورانی قلب میں افکار بھی نورانی پیدا ہوتے ہیں، افکار ظلمانی کیا ہیں؟ جو آخرت کی دائمی زندگی سے غافل کر دیں، اور صرف چند روزہ حیاتِ دنیویہ کے نقش و نگار فانیہ کو مقصود بنا دیں، افکار نورانی کیا ہیں؟ جو دنیا کے بے ثبات کے رُخ سے نقاب فریب ہٹا دیں، اور مبلغ علم کو حیات اخرویہ تک پہنچا دیں۔

ذکر سے فکر کا جمود دور ہوتا ہے

ذکر سے قوتِ فکریہ کا جمود دور ہوتا ہے، اسی کو حضرت عارفؒ فرماتے ہیں ؎

ایں قدر گفتیم باقی فکر کن،
فکر گر جامد بود رو ذکر کن
ذکر آرد فکر را در اہتزاز
ذکر را خورشید ایں افسردہ ساز

مطلب یہ ہے کہ اگر فکر جامد ہے تو اس کو حرکت میں لانے کے لئے ذکر اختیار کرو، فکر افسردہ کو خورشید ذکر سے گرم کرو۔

حق تعالیٰ نے یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ کو یَتَفَکَّرُوْنَ پر مقدم فرمایا ہے، ارشاد فرماتے ہیں یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ

الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

ان آیتوں میں حضرات صحابہؓ کی محبت کاملہ اور عبدیت کاملہ کا ذکر ہے، یعنی یہ لوگ حق تعالیٰ کی محبّت میں ایسے سرگرم ہیں اور اللہ کی یاد ان کے دلوں میں اس طرح پیوست ہوگئی ہے کہ جب کھڑے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں، اللہ، جب بیٹھتے ہیں تو کہتے ہیں، اللہ، جب لیٹے لیٹے کروٹ بدلتے ہیں تو کہتے ہیں، اللہ، انسان کی زندگی انہی تین حالتوں میں گھر ہوئی ہے، یا کھڑا ہو یا بیٹھا ہو، یا کسی پہلو پر لیٹا ہو، اور ان تین حالتوں میں وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔

محبّت کا تیر

گویا ان کو محبّت کا تیر لگ گیا ہے، جس کی خلش ان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے بے قرار رکھتی ہے، ہمارے حضرت مرشد پاکؒ کبھی کبھی حق تعالیٰ کی محبّت میں جوش میں آکر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔

تری نگاہ کے مجروح اور بھی ہیں کئی
کسی کے دل میں رہی اور کسی کے پا گئی
مگر یہ مجھ سے ہی کی تو نے ترک بات نئی
درونِ سینۂ من زخم بے نشاں زدۂ
بجیر تم کہ عجب تیرِ بے کماں زدۂ
کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیمکش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

کفر کافر را و دیں دیندار را ذرۂ درد دلے عطار را

یہی کثرتِ ذکر اُن کی شدّتِ محبت پر گواہی دیتی ہے، کیونکہ قاعدہ ہے مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ جو شخص جس شے سے محبت رکھتا ہے اس کا کثرت سے ذکر کرتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کثرتِ ذکر کے انوار سے اُن کی قوّتِ فکریہ جو پہلے جامد تھی وہ اب متحرک اور نورانی ہوگئی، اور اسی نورانی فکر سے آسمان اور زمین کی خلقت میں غور کیا کرتے ہیں، اور ان مصنوعاتِ عجیبہ سے صانعِ حقیقی کے وجود پر استدلال کرتے ہیں۔

یہ ہے اصلی فکر جس کو مولانا فرماتے ہیں ؎

فکر آں باشد کہ بکشاید رہے راہ آں باشد کہ پیش آید شہے

حقیقی فکر وہ ہے جو راستہ کھول دے، اور حقیقی راستہ وہ ہے جو اللہ تک پہنچا دے۔ ذکر کے انوار نے ان کی فکر کو نورانی بنا دیا ہے، یہاں تک کہ وہ نورِ حقیقی تک رسا ہوگئی، اور کہنے لگے رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَکَ اے ہمارے پروردگار یہ آسمان بے ستون اور آسمان میں چاند اور سورج اور اتنے بے شمار ستاروں کا جڑ دینا، اور تودۂ زمین کے اتنے بے شمار ذرّات کا اکٹھا کر دینا آپ ہی کی قدرتِ کاملہ کی صنعت گری ہے۔

عارف فکر سے قرب کے مراتب طے کرتا ہے

خاموش بیٹھے ہیں مگر تا عرش شاہ سیر کرے ہیں ؎

خامش اندو نعرۂ تکرار شاں می رود تا عرش و تخت یار شاں

اولیاء اللہ جب ذکر سے تھک جاتے ہیں تو فکر سے قرب کے مراتب طے کرتے ہیں خاموش بیٹھے مگر ان کے نعروں کا تکرار عرش تک یعنی تخت یار حقیقی تک پہنچتا ہے، تفکر سے اس قدر قرب ہوا کہ حق تعالیٰ سے مناجات یعنی سرگوشی کا سلسلہ شروع ہوگیا، رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ، فکر کے سمندر میں ڈوب کر جواہر عرفانی نکال لائے، اور اب خاموش رہنا ضبط سے باہر ہے۔

تاب زنجیر ندارد دل دیوانۂ ما

اب اللہ تعالیٰ سے باتیں شروع ہوگئیں، اللہ اکبر فکر سے کس قدر قرب نصیب ہوتا ہے، حق تعالیٰ سے عرض کر رہے ہیں وہی جواہر عرفانی مناجات میں پیش کر رہے ہیں، کہ اے ہمارے رب جو مصنوعات ہم آسمانوں اور زمینوں میں دیکھ رہے ہیں ان کو آپ نے باطل یعنی لغو اور عبث نہیں پیدا فرمایا ہے، کیونکہ انہی چیزوں کو دیکھ کر ہم آپ کے وجود پر استدلال کر کے توحید اختیار کرتے ہیں، اور شرک و کفر کی تاریکی سے نجات پاتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی نے اس آیت کی یوں تفسیر فرمائی ہے کہ عبث نہیں بنایا یعنی اس عالم کا انتہا ہے دوسرے عالم میں ۱۲

کثرتِ ذکر کے انوار سے اُن کی سمجھ ایسی نورانی ہوگئی جس سے اپنی غلامی اور بندگی کا اور حق تعالیٰ کی عظمتِ شان کا استحضار راسخ نصیب ہوگیا، فکر نورانی نفس کے حوالہ نہیں ہوتی ہے، اس کی نگاہ ہر وقت حق تعالیٰ کی جلالتِ شان اور عظمت پر اور اپنی بیکسی، عاجزی

اور محتاجی پر ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ عارفین باوجود کثرتِ ذکر اور فکر کے عُجب اور خود بینی میں مبتلا نہیں ہوتے۔

چنانچہ حق تعالیٰ حضراتِ صحابہؓ کی اسی شانِ عبدیت کو آگے بیان فرمارہے ہیں کہ یہ لوگ وہ ہیں کہ رات دن ذکر اور فکر میں لگے رہنے کے باوجود میری عظمت اور کبریائی کا استحضار ان کو خائف اور غمگین رکھتا ہے، اور اس درجہ خوف زدہ رکھتا ہے کہ اپنے کو جہنم کے قابل سمجھ کر یوں دعا کر رہے ہیں کہ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ اے ہمارے رب ہم کو عذابِ جہنم سے نجات عطا فرما، ہم جیسے لوگ ہوں تو اس قدر ذکر اور فکر کی توفیق پر نہ جانے اپنے آپ کو کیا سمجھ بیٹھیں،

طالب کا التزامِ ذکر پیر کے نور کا جاذب ہوتا ہے

کثرتِ ذکر سے طالب کے اندر جو انوار پیدا ہوتے ہیں وہ شیخ کے انوارِ فہم و معرفت کو جذب کر لیتے ہیں، یعنی جذبِ نور کی صلاحیت التزامِ ذکر ہی سے پیدا ہوتی ہے، اسی کو حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

ناریاں مر ناریاں را جاذب اند
نوریاں مر نوریاں را طالب اند

مولانا فرماتے ہیں کہ جب تم کثرتِ ذکر اللہ کے پابند رہو گے تو حق تعالیٰ کے انوار ذکر کے واسطہ سے تمہارے اندر آکر تمہیں نورانی بنا دیں گے، اور جب تم نورانی ہو جاؤ گے تو شیخ نورانی کے انوار کو تمہارے اندر جذب کر لیں گے۔

اس مضمون کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے، حق تعالیٰ

ارشاد فرماتے ہیں وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ، اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کے اندر مجالست کا حکم فرمایا جارہا ہے جو اپنے رب کو صبح و شام یاد کرنے والے ہیں۔

صحبتِ شیخ کی ضرورت

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ میں تو صحبت کی ضرورت ارشاد فرمادی کہ اے اہلِ عرب تم عربی زبان کے ماہر تو ہو لیکن نری زبان دانی سے کام نہیں چلے گا، میرے رسول کی صحبت میں رہ کر تزکیۂ نفس، تعلیم کتاب، تعلیم حکمت کے بغیر دین نہیں ملے گا۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

وَاصْبِرْ کے عنوان سے صحبت کی حد درجہ ضرورت ثابت ہوگئی، کیونکہ صبر نام ہے رضاءِ حق کے لئے اپنے کو ایسے امر پر مامور کردینا جو طبعاً نامرغوب اور گراں ہو، وَاصْبِرْ کا عنوان بتاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلی مذاق تبتّلِ تام کا تھا، یعنی تمام مخلوق سے منقطع ہوکر حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہنا، پس آپ کی صحبتِ پاک سے حضرات صحابہؓ کی تربیت اور تزکیہ کیلئے آپؐ کو حضرات صحابہؓ میں مجالست یعنی نشست کا حکم فرمانا اور وَاصْبِرْ کے عنوان سے یعنی مجاہدہ کرا کے آپؐ کو ان کے درمیان نشست فرمانے کا حکم نازل فرمانا صحبت کی ضرورت کو کس قدر مؤکد کرتا ہے،

مقصود اس امر سے یہ تھا کہ حضرات صحابہؓ محمدی پھول میں بس جائیں، اور پھر منتشر ہو کر اقصاءِ عالم میں آپ کی خوشبو کو پھیلائیں، اور سارا عالم نورِ محمدیؐ سے منور ہو جائے، اور اَلَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ سے حق تعالیٰ نے یہ بتادیا کہ کاملین کی صحبت کا کامل اثر انہی پر ہوتا ہے جو ذکر کے پابند ہوتے ہیں، ذکر کے انوار سے شیخ کامل کے اخلاق حسنہ کو جذب کرنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔

مذاق تبتّل شیخ کامل کی خاص علامت ہے

اس آیت وَاصْبِرْ نَفْسَكَ سے معلوم ہوا کہ شیخ کامل کا مقام تبتّل کا ہے یعنی اس کی نسبت مع اللہ اس درجہ قوی ہو کہ خلق میں چلنا پھرنا اور نشست کرنا بتکلف اور جبر نفس سے ہو، اصلی غذا اس کی خلوت مع اللہ اور غلبۂ ذکر ہو، لیکن امر الٰہی سمجھ کر خلق کو تعلیم وہدایت کرتا ہو، حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں:۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۔ اے ہمارے رسولؐ آپ اپنے رب کے نام کو یاد کیجئے، اور خلق سے بالکلیہ یک سو ہو کر اسی کی طرف متوجہ رہئے، حق تعالیٰ شانہٗ کی عجیب رحمت ہے، کہ جہاں جس بات کا حکم فرماتے ہیں وہیں اس کے حصول کا طریقہ ارشاد فرما دیتے ہیں۔

یہاں تبتّل سے پہلے ذکرِ اسمِ رب کا امر فرما کر بتادیا کہ یہ مقام یعنی میری طرف سب سے منقطع ہو کر متوجہ ہونا اسی وقت نصیب ہوگا

جب میری یاد کا غلبہ ہوگا ۔ اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ (حدیث) میں ذاکر بندہ کا ذکر کے وقت ہمنشیں ہوتا ہوں ، پس میری ہمنشینی تمہیں ماسوا سے مستغنی کر دے گی ، اور اگر میری ہمنشینی نہ ہوگی تو پھر بتقاضاء بشریت تم خلوت کو پسند نہیں کر سکتے ۔

تفکر فی خلق اللہ :۔ صحبت اہل اللہ سے کثرتِ ذکر اللہ کی توفیق ہوتی ہے ، اور کثرت ذکر اللہ کی برکت سے فکر حرکت میں آتی ہے ، اور ذاکر حق تعالیٰ کی مصنوعات اور مخلوقات میں غور کرتا رہتا ہے ، اور عالم کا ہر ذرّہ ہر پتّہ اس کے لئے معرفت کا دفتر بن جاتا ہے ۔

برگ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفتر است معرفتِ کردگار

ذکر سے زیادہ فکر سے قرب بڑھتا ہے ، مگر فکر میں جلاء اور نورانیت ذکر ہی سے آتی ہے ۔ حدیث شریف میں ہے کہ فکر کا اجر ذکر سے درجے زیادہ ملتا ہے ، اس کی تائید ایک آیت سے بھی ہوتی ہے :۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ	"حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ
وَّنَهَرٍ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ	بیشک متقین بندے باغوں میں
عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ	اور نہروں میں ہوں گے ایک عمدہ
	مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس"

حضرت والا تفسیر بیان القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ یعنی جنّت کے ساتھ قرب بھی نصیب ہوگا ۔

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ تقویٰ کی جب یہ برکات ہیں تو تقویٰ یعنی

ڈر کس چیز سے پیدا ہوتا ہے، غور کرنے سے معلوم ہوا کہ فکر سے پیدا ہوتا ہے، اور اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے :۔ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى اور نفس کو خواہش سے روکا ہوگا، فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى سو جنت اس کا ٹھکانا ہوگی۔

معلوم ہوا کہ یہ خوف اس فکر کے نتیجہ میں حاصل ہوا تھا کہ ایک دن اپنے رب کے سامنے حساب کے لئے کھڑا ہونا ہے، پیشی کے دن کی فکر سے ڈر پیدا ہوا، اور بے خوفی کا سبب بے فکری ہے، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں :۔

وَاَمَّا مَنْ طَغٰى وَاٰثَرَ	جس شخص نے سرکشی کی ہوگی اور
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا فَاِنَّ	دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی سو
الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى	اُس کا دوزخ ٹھکانا ہوگا۔

معلوم ہوا کہ آخرت کی زندگی سے غفلت اور بے فکری سے بے خوفی پیدا ہوئی، اور یہ بے خوفی سبب بن گئی سرکشی کا، صحبت اہل اللہ تو اصلی جڑ ہے، اس کے بغیر نہ تو ذکر سے کام چلتا ہے نہ فکر سے۔

بدون صحبتِ شیخ کام کرنے کے مہلکات

کیونکہ بدون صحبت شیخ کامل کے جس نے خود رائی سے ذکر شروع کیا وہ ناز اور تکبر سے ہلاک ہوا، نیز ذکر میں بعض وقت ایسی لذت اور کیفیت محسوس ہوتی ہے کہ اگر شیخ کی طرف سے تعداد مقرر نہ ہو تو ذاکر رات دن بس ذکر ہی کرتا ہے، چنانچہ رہبر کامل کے سوا جن لوگوں

نے ذکر شروع کیا انہوں نے اس کیفیت اور لذت میں اس قدر ذکر کی تعداد بڑھا دی کہ دل اور دماغ سب معطل ہو گئے، خشکی بڑھ گئی، نیند ختم ہو گئی، اختلاج کی بیماری لگ گئی، رفتہ رفتہ پاگل ہو گئے لوگ ان کو مجذوب سمجھ گئے، اور یہ شخص خبط الحواس ہو کر پاگل ہو کر خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃَ ہو گیا۔ میرے چشم دید مشاہدات میں ایسے افراد ہیں جو بیچارے اناڑی پیر کے حوالہ ہو گئے اور تعداد ذکر میں ان کے پیر نے مرید کی قوت اور صحت کا لحاظ نہ رکھا، چند دن تو گاڑی چلی، پھر دیکھا کہ ڈاڑھی منڈائے ہوئے فرض نماز وغیرہ کو بھی خیر باد کہہ کر بدحواس پھرنے لگے ایسے ایک صاحب میرے پاس بھی آئے بڑا ترس آیا، اللہ بچائے اناڑی پیروں سے۔

شیخ محقق پہلے اپنے مرید سے اس کا مشغلہ معاش معلوم کرتا ہے، اور اس کی صحت پر نگاہ ڈالتا ہے، پھر اس کی قوت اور فرصت کے اعتبار سے تعداد ذکر مقرر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کامل القدرت ہیں، کسی کو چوبیس ہزار ذکر سے پہنچاتے ہیں، کسی کو ایک ہی ہزار ذکر سے پہنچاتے ہیں، بلکہ بعض اوقات چوبیس ہزار والا تھک کر راستہ ہی میں رہ جاتا ہے، اور بیچارہ ایک ہزار والا لنگڑاتا ہوا منزل تک پہنچ جاتا ہے، اسی کو حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

اے بسا اسپ تیز رو کہ بماند وخرِ لنگ جاں بمنزل بُرد

بہت سے تیز رو گھوڑے تھک کر بیٹھ رہے، اور لنگڑا گدھا برابر چلتے رہنے کی وجہ سے منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔

ضعیف بندوں کو تھوڑے ہی عمل میں کامیاب فرما دیتے ہیں،

کبھی قلیل عمل کو بیکار نہ سمجھے، بلکہ اگر ناغہ بھی ہو جایا کرے تب بھی کام کئے جائے، سب چھوڑ کر نہ بیٹھ جائے، ناتمام اور بے ترتیب کوشش بھی بالکل سو رہنے سے بہتر ہے، بندہ ضعیف اپنے قلیل عمل پر نادم ہوتا ہے، اس کی ندامت اور اس کا اخلاص میاں کو پسند آجاتا ہے، اس کو چونکہ فکر اور دُھن ہوتی ہے، اس لئے حق تعالیٰ اس کے قلیل ہی عمل پر فضل فرما دیتے ہیں۔

بعض لوگوں کا خط ہمارے حضرت والاؒ کے یہاں آیا، کہ حضرت نیند کم آتی ہے اور ذکر کے وقت روشنی نظر آتی ہے۔ تحریر فرمایا کہ ذکر فوراً ملتوی کر دو اور کسی طبیب سے رجوع کرو، سر پر تیل رکھو، دوست احباب کے ساتھ ہوا خوری کے لئے جنگل کی طرف ٹہل آیا کرو، اور فرمایا کہ اناڑی پیر ہوتا تو بہت خوش ہوتا کہ اب تجلی نظر آنے لگی، حالانکہ اس روشنی کا سبب دماغی خشکی ہے، یہ شخص سودا اور یبوست دماغ کا شکار ہو گیا ہے۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی دل اور دماغ یہ سب خدائی مشینیں ہیں، ان سے جب کام لیتے ہو تو اُن کی قوت کی حفاظت بھی تمہارے ذمہ ہے، سرکاری مشین ہے اگر اپنی لاپروائیوں سے خراب کر دو گے تو پکڑ ہو گی، جب لوہے کی مشین میں تیل ڈالنا ضروری ہے تو دماغ اور دل تو بڑی نازک مشینیں ہیں، ان کا بہت خیال رکھنا چاہیئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ جو شخص قوت سے زیادہ اوراد اختیار کرتا ہے وہ گویا اپنے کو اس بات کی دعوت

دے رہا ہے کہ کچھ دن کے بعد سب کچھ چھوڑ بیٹھیں گے۔

صبح کی ہوا خوری بہ نیّت حفاظت صحّت پر حضرت تھانویؒ کا ارشاد

ہمارے مرشد پاک حضرت تھانویؒ ہر روز بعد نماز فجر جنگل کی طرف ہوا خوری کی غرض سے تشریف لے جایا کرتے تھے، اور ایک منزل قرآن ٹہل ٹہل کر تلاوت فرمایا کرتے تھے، ہمارے حضرت بڑے محقق تھے، فرمایا کہ ہوا خوری کی غرض سے صحت کے لئے جنگل نکل جانا بہتر ہے کہ اشراق کے لئے اپنی جگہ بیٹھا رہے۔

دراصل اعمال کا مدار نیت پر ہے، حصولِ صحت کی نیت سے اس عمل کا درجہ بلند ہوگیا جس درجہ کا مقصود ہوتا ہے، اسی درجہ میں ذریعۂ مقصود بھی ہوتا ہے

عارف اور غیر عارف میں صرف اخلاص اور فہم کا فرق ہوتا ہے

اِس راہ میں فہم کی بڑی ضرورت ہے عارف اور غیر عارف میں فہم ہی کا تو فرق ہوتا ہے، ظاہری اعضاء تو دونوں کے یکساں ہی ہوتے ہیں، اسی کو حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

اشقیا را دیدۂ بینا نبود
نیک و بد در دیدۂ شاں یکساں نمود
ہمسری با انبیاء برداشتند

اولیاء را ہمچو خود پنداشتند

گفت اینک ما بشر ایشاں بشر

ما و ایشاں بستۂ خواہیم و خور

ترجمہ (۱) بدبختوں کی آنکھیں بینا نہ تھیں، اس لئے ان کی نظر میں نیک و بد سب رتبہ میں برابر معلوم ہوئے۔

(۲) یہاں تک کہ اس برابری میں اپنے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ رتبہ میں شمار کیا، اور اولیاء کو بھی اپنے ہی جیسا سمجھا۔

(۳) اور اس برابری کی علت یہ بیان کی کہ ہم بھی بشر ہیں، اور یہ انبیاء اور اولیاء بھی بشر ہیں، ہم اور یہ لوگ دونوں خواب اور خوراک کے قیدی ہیں۔

چونکہ صرف ظاہری صورت کی طرف کفار کی نگاہ گئی اور باطنی کمالات سے ناآشنا اور بے خبر رہی، اس لئے ابلیس لعین کی طرح ہمیشہ کے لئے شقاوت کے چاہ میں محبوس ہو گئے، یعنی جس طرح ابلیس لعین نے حضرت آدم علیہ السلام کے اندر جو روح عارف اور جامع کمالات نبوت و ولایت تھی، اس پر نگاہ نہ کی، شیشی کی فی نفسہٖ قدر تو کچھ نہیں ہوتی ہے، لیکن جب شیشی میں کوئی قیمتی عطر رکھ دیتے ہیں تو اس مظروف کی برکت سے ظرف کی قدر اور حفاظت کی جاتی ہے۔

پس اسی طرح کافر اور ولی کے ہاتھ، پاؤں، ناک، آنکھ، کان، صورۃً یکساں ہیں لیکن باطناً زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ "چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا" اس ولی کے جسم خاکی کے اندر جو روح ہے وہ عارف روح ہے، اس عارف روح کے انوار

اس کے تمام اعضاء کو حق تعالیٰ کی مرضی کے مطابق متحرک اور ساکن کرتے ہیں، اور کافر کے جسم خاکی میں جو روح غیر عارف ہے اس کی تاریکی سے اس کے اعضاء پر نفس اور شیطان حکومت کرتے ہیں، اسی کو حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :۔

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ	"اے ہمارے رسولؐ ! اگر یہ کفار
فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ	آپ کا کہنا نہیں مانیں گے یعنی اگر
اَهْوَآءَهُمْ وَمَنْ اَضَلُّ	آپ کو امام نہ بنائیں گے تو لامحالہ
مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ بِغَيْرِ	اپنے نفس کو امام بنائیں گے اور
هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ط	جب امام بے وضو ہوگا تو نماز
	کیا ہوگی"

نفس تو چاہتا ہے اپنے مزے کو اور اللہ چاہتا ہے اپنی غلامی کو، نفس چاہتا ہے کہ لذت کے جتنے چور دروازے ہیں ہر دروازہ سے لطف اڑائیں، آنکھوں سے بھی خوب مزہ حاصل ہو، کانوں سے بھی خوب لطف حاصل ہو، ہاتھ پاؤں سے بھی خوب مزہ حاصل ہو، نفس کا حکم یہی ہے کہ جس طرح بن پڑے حلال و حرام، جائز و ناجائز نفع اور نقصان کچھ نہ دیکھو، بس ہم کو تو لطف چاہئے، تو بھائی اس طرح اللہ کہتا ملتا ہے، اللہ تو جب ملتا ہے جب اللہ کی مرضی کے تابع ہوں جب تک ہم نفس کے غلام ہیں تو اللہ کیسے مل سکتا ہے، اسی کو حضرت عارفؒ فرماتے ہیں ؎

تا ہوا تازہ است ایمان تازہ است
کیں ہوا جز قفل آں دروازہ نیست

مولانا فرماتے ہیں کہ جب تک نفس کی خواہشات تازہ ہیں اس وقت تک ایمان میں تازگی نہیں ہے، کیونکہ یہ خواہشات نفسانیہ اس دروازۂ غیب کے لئے قفل ہیں۔

اب سوال ہوتا ہے کہ پھر نفس کو توڑنے کا کیا طریقہ ہے؟ اس سوال کا جواب مولانا دوسرے شعر میں ارشاد فرماتے ہیں ؎

ایں ہوا را نشکند اندر جہاں
ہیچ چیزے جز یا یہ ہمرہاں

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ خواہشات کو اس جہان میں کوئی توڑنے والا نہیں ہے، بجز ایک چیز کے، وہ کیا ہے؟ سایۂ ہمرہاں، سایۂ ہمرہاں کیا چیز ہے؟ اس کو مولانا اس شعر میں فرماتے ہیں ؎

یار باید راہ را تنہا مرو بے قلاوز اندریں صحرا مرو

ایک یار چاہئے راستہ تنہا مت چلو، بدون کسی رہبر کے اس وادیِ لق و دق میں قدم مت رکھو۔

اس کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے ہوتی ہے:۔

وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ "اور سچوں کے ساتھ رہ پڑو"

نفس کی اتباع کے مفاسد

اگر ہر شخص اپنے نفس کا حکم ماننے لگے تو سارے جہان میں آگ لگ جائے، بچے کہیں کہ ہم اپنے جی پر عمل کریں گے، بیوی کہے کہ ہم اپنے جی کا کہنا مانیں گے شاگرد کہے کہ ہم اپنے جی کے مطابق سبق پڑھیں گے، ماں باپ کہیں کہ ہم اپنے جی پر عمل کریں گے، بادشاہ کہے

کہ ہم اپنے جی پر چلیں گے ، رعیت کہے کہ ہم لوگ اپنے جی پر عمل کریں گے تو اس جی کی غلامی سے محض گھر کے گھر ہی نہیں بلکہ ملک کا ملک ہی تباہ ہو جائے گا۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملّاست کارِ طفلاں تمام خواہد شد

ایک بزرگ کی حکایت

ایک بزرگ اکیلے بیٹھے ہوئے کہہ رہے تھے کہ میں نہ تیرا بندہ نہ تُو میرا خدا ، تو میں تیرا کہنا کیوں مانوں ؟ یہ خبر شدہ شدہ قاضیِ شہر تک پہونچی ، قاضیِ شہر نے اُن کو طلب کیا ، اور دریافت کیا کہ تم کس سے یہ باتیں کرتے ہو ؟ ان بزرگ نے فرمایا کہ میرا نفس جب اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف مجھے کوئی حکم کرتا ہے تو میں اپنے نفس سے یہی کہتا ہوں کہ نہ میں تیرا بندہ نہ تو میرا خدا پھر میں تیرا کہنا مانوں کیوں ؟

اللہ والے اس طرح اپنے نفس کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں ، اصل قانون پیدا کرنے والے کا قانون ہے ، جی کی غلامی تو اس وقت روا ہوتی جب جی ہم کو پیدا کرتا ، جی کی غلامی سے کیا ہوتا ہے ، اپنے جی کے حکم سے فرعون نے کہا تھا میں ربِّ اعلیٰ ہوں ، پھر ربِّ اعلیٰ صاحب کی جو گت بنی ہے ظاہر ہے ، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :۔

وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ط حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے بنی اسرائیل جب تم لوگوں کو موسیٰ علیہ السّلام کے ساتھ دریائے نیل سے ہم نے پار کر دیا تو تم لوگوں نے دیکھا کہ فرعون مع اپنے لشکر کے دریائے نیل میں گھس پڑا ، اس وقت

تم گھبرا گئے، کہ اب ہم لوگ پکڑ لئے گئے، مگر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کَلَّا ہرگز نہیں، اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے، پھر ہم نے فرعون کو اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا، اور تم لوگ اس کا معاینہ کر رہے تھے۔

ہمارے حضرت مرشد پاکؒ نے وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ کا یہی ترجمہ فرمایا ہے، معاینہ بڑے اطمینان اور سکون کے ساتھ ہوتا ہے۔ تم لوگ معاینہ اس بات کا کر رہے تھے کہ دیکھو وہ ڈوبا اب وہ ڈوبا، اب فرعون ڈوبا، اپنے دشمنوں کے ڈوبنے کا معاینہ کیسا دلچسپ معاینہ تھا، اور فرعون کے بدن کو میں نے سڑنے گلنے سے محفوظ رکھا تاکہ آئندہ والوں کے لئے عبرت کا ذریعہ ہو۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۝

فرعون نے جی ہی کا تو کہنا مانا تھا جس کی وجہ سے اس طرح ذلیل اور رسوا ہوا، خوب سمجھ لو کہ جو شخص اپنے جی کا کہنا مانے گا تو وہ لامحالہ حکم الٰہی کو پس پشت ڈال دے گا، کیونکہ شیطان نفس کی بری بری خواہشات کو مزین کر کے نگاہ کے سامنے کر دیتا ہے، پس غلبۂ خواہش کا ایک نشہ چڑھ جاتا ہے، جس طرح شراب عقل کو کھو دیتی ہے اسی طرح خواہشات میں بھی ایک طرح کی مستی ہوتی ہے جو عقل کو کھو دیتی ہے۔ اسی کو مولینا فرماتے ہیں ؎

خشم و شہوت مرد را احول کند
ز استقامت روح را جاہل کند

مولانا فرماتے ہیں کہ غصہ اور شہوت مرد کو اَحْوَل[1] کر دیتی ہے اور استقامت سے یعنی سیدھی راہ سے رُوح کو ہٹا دیتی ہے، علاج کیا ہے اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ میرے ساتھ میرا رب ہے، یہ فکر ہر وقت رہے کہ میرا اللہ میرے ساتھ ہے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ" اور اللہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو" جب یہ دھیان بندھا رہے گا تو گناہ سے حفاظت رہیگی. لفظاً تو اتنا ہی ہے کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے. لیکن یہ بہت بڑی نعمت ہے اس نعمت کے سامنے دونوں جہان میں کوئی نعمت نہیں ہے۔

جی چاہنے پر عمل کرنے کی مثال ایسی ہے کہ ایک بچہ گھر سے مدرسہ جانے کے لئے نکلا، راستہ میں ناچ تماشہ ہو رہا تھا، وہاں لوگوں کے ہجوم کو دیکھکر اُس بچہ نے کہا چلو ذرا دیکھیں تو سہی کیا ہو رہا ہے، بس جب وہاں پہنچتا ہے تو دیکھتا ہے کہ ناچ گانا ہو رہا ہے. بس اب عقل پر نفس کا نشہ چھا گیا، مدرسہ کا خیال تک بھی نہ آیا، اب ہر روز یہی چسکا پڑ گیا گھر سے مدرسہ کا بہانہ کر کے دن بھر تماشہ دیکھا کرتا. بالآخر امتحان میں فیل ہو کر نامراد اور رسوا ہو گیا، یہی حال آخرت سے غفلت کا ہے، کہ انسان دنیا کے تماشوں میں اپنا عزیز وقت ضائع کر رہا ہے، ؎

آئے تھے کس کام کو کیا کر چلے
تہمتیں چند اپنے ذمہ دھر چلے
واں سے پرچہ بھی نہ لائے ساتھ میں
یاں سے سمجھانے کو دفتر لے چلے

---

[1] اَحْوَل ایک مرض ہے آنکھوں کا جس کو ایک چیز کی دو نظر آتی ہیں، یعنی بھینگا۔

اللہ والوں کو ہر وقت آخرت کی فکر رہتی ہے، کیا مجال کہ نفس جیسی کُتّی ان کے منہ لگے۔

فرماتے ہیں:۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيتَاءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ۔

(سورۂ نور، پ ۱۸)

"ہمارے راستہ کے جو مرد ہیں ان کی شان یہ ہے کہ انکو اللہ کی یاد سے اور نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے اور نہ فروخت وہ ایسے دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ جاویں گی"

بڑی سے بڑی تجارت ہے، خرید و فروخت کا بازار گرم ہے، نماز کے لئے مؤذن نے اذان، ادھر کئی خریدار سو سو روپیوں کے نمبری نوٹوں کو دکھا رہے ہیں کہ ہم کو فلاں فلاں سودا چاہئے، اب نفس تو یہ کہتا ہے کہ اگر ان خریداروں کے نمبری نوٹوں کو قبضہ میں نہیں لائے تو یہ کسی اور دکان پر چلے جائیں گے، لیکن یہ مردانِ خدا نفس کے بھونکنے کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے، جھٹ دکان بند کی اور مسجد پہونچ گئے۔

اسی طرح اپنے مال سے بے دریغ زکوٰۃ نکالتے ہیں، انکو ننانوے کا پھیر ادائیگی زکوٰۃ سے روکنے نہیں پاتا، یہ مردانگی ان میں کیسے آئی، اس کا نسخہ بھی حق تعالیٰ نے ارشاد فرمادیا ہے

یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ہر وقت ان کو بیٹی کی فکر دامنگیر ہے، کہ ایک دن آنے والا ہے جس دن صرف حکومت اللہ واحد و قہار کی ہوگی، اور سارے سلاطین دنیا اس دن ایک سُوت کے مالک نہ ہوں گے، ہیبت اور جلال خداوندی سے اس دن قلوب اور آنکھیں لوگوں کی لوٹ پوٹ ہونگی، قیامت کے ہولناک دن کی فکر نے اُن کو مرد بنا دیا ہے، اور ہم لوگ جو "اے مخنث نے تو مردی نے توزن" کے مصداق ہیں، اس کی وجہ ہماری بے فکری ہے۔

بزرگانِ دین باوجود کمالاتِ علمیہ و عملیہ کے اپنے کو کچھ نہیں سمجھتے

بزرگانِ دین باوجود کمالات علمیہ اور کمالات عملیہ کے اپنے کو کہتے ہیں کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں، میرے اندر کوئی کمال نہیں ہے، اور اپنی اس بات پر وہ قسم بھی کھا لیتے ہیں، سو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ ان کے سامنے قیامت کا ہولناک دن ہے، حق تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کے دن سے لرزاں اور ترساں رہتے ہیں، حق تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت کا استحضار اور غلبہ ان کے تمام اوصاف علمیہ اور عملیہ کو ان کی نگاہ سے اوجھل کر دیتا ہے

نیز اپنے اعمال میں اخلاص اور ادب کا جو درجہ وہ حق تعالیٰ کی شایان شان ضروری سمجھتے ہیں اس کے اندر جب نقصان اور کوتاہی دیکھتے ہیں تو غمگین اور نادم ہو کر اپنی حسنات سے بھی استغفار کرنے لگتے ہیں، کہ کہیں یہ مواخذہ نہ ہو جاوے کہ او

بے ادب کیا اسی طرح میری بندگی کی جاتی ہے کہ ظاہر میرے سامنے ہے اور باطن کبھی حاضر کبھی غیر حاضر۔

ایک واقعہ

اس پر ایک واقعہ یاد پڑا، حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کا امام احمد بن حنبلؒ بہت ادب اور احترام فرمایا کرتے تھے، ایک بار امام صاحب کے شاگردوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ بشر حافیؒ کا کیوں اتنا ادب کرتے ہیں جبکہ وہ علم و فضل میں آپ سے حد درجہ کمتر ہیں۔

امام احمد نے ارشاد فرمایا کہ میں کتاب کا عالم ہوں اور بشر حافی، اللہ کے عالم ہیں وہ اللہ کو جاننے والے ہیں۔

ایک دفعہ بعض طالب علموں نے کچھ مسائل دریافت کئے، اور مقصد امتحان تھا، ایک سوال سجدۂ سہو کے متعلق تھا، حضرت بشر حافیؒ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے سامنے بندہ کھڑا ہو اور سہو ہو جاوے، یہ امر قابل تعجب ہے، پھر زکوٰۃ کا مسئلہ دریافت کیا، تو فرمایا کہ ہم اتنا رکھتے ہی نہیں جس پر زکوٰۃ فرض ہو۔

حافی کا خطاب بشرؒ کو اس لئے ملا تھا کہ آپ نے جب یہ آیت سُنی وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ "اور زمین کو ہم نے بچھونا بنایا ہے اور ہم بہت اچھے بچھانے والے ہیں" تو حضرت بشرؒ پر ایک حال طاری ہو گیا، اور فرمایا کہ "بشر کی کیا مجال جو اللہ کے بچھائے ہوئے فرش پر جوتا پہن کر چلے" یہ ایک

حال تھا جس کی تقلید دوسروں کے لئے ضروری نہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت بشر حافیؒ کی یہ قدر فرمائی کہ زمین کو حکم دیا کہ جدھر سے ننگے پیر ہمارے بشر نکلیں اے زمین تو نجاستوں کو نگل جایا کر، حافی کے معنی ننگے پیر چلنے والے کے ہیں، یہ راستہ سمجھ والوں کے لئے بہت نازک ہے۔

ہمارے حضرت مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ نے رمضان شریف میں ایک بار فرمایا کہ میں بقسم کہتا ہوں جھوٹ بولنے کی میری عادت نہیں میں اپنے کو تمام مخلوق حتیٰ کہ سُور اور کُتّے سے بدتر سمجھتا ہوں، اللہ اکبر، ع۔ جن کے رتبہ ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے ؎

ازیں بر ملائک شرف داشتند
کہ خود را بہ از سگ نہ پنداشتند

اولیاء اللہ فرشتوں سے اسی سبب سے سبقت لیجاتے ہیں کہ خود کو سگ سے بھی بہتر نہیں جانتے ہیں۔

اصل اعتبار خاتمہ کا ہے

بات یہ ہے کہ اعتبار خاتمہ کا ہے، اللہ والوں کی نظر اس بات پر ہوتی ہے کہ جانوروں کا حساب کتاب نہیں ہے، ان کیواسطے جنت جہنم نہیں ہے، اور ہمارا حساب کتاب ہوگا اس لئے حساب کتاب سے پہلے ہم کس مُنہ سے اپنے کو جانوروں سے بہتر سمجھ سکتے ہیں، یہ حالت جس پر گذرتی ہے وہی جانتا ہے ؎

بے خبر بود نداز حال دروں اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ مِمَّا یَفْتَرُوْنَ

تو ندیدی گہے سلیماں را چہ شناسی زبان مرغان را

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تکمیلِ عبدیت کے لئے عجیب دعا تعلیم فرمائی ہے، عرض کرتے ہیں:۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا وَّفِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا "اے اللہ مجھ کو میری نگاہ میں چھوٹا کر کے دکھا دیجئے اور لوگوں کی نگاہوں میں مجھے بڑا کر کے دکھا دیجئے"۔

اس دعا سے معلوم ہوا کہ لوگوں کے اندر ذلیل ہونا مطلوب نہیں ہے بلکہ اس کا عکس مطلوب ہے، پس اس دعا میں بندوں کی دو حیثیت کا لحاظ کیا گیا ہے، ایک تو اس کا تعلق بندگی کا ہے، پس مِنْ حیث العبد ہونے کے اپنی نگاہ میں چھوٹا ہونا مطلوب ہے، ورنہ تکبر یا عُجب سے ہلاک ہو جاوے گا، اور دوسری حیثیت یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کا ہے، اس انتساب اور تعلق کا لحاظ چاہتا ہے کہ یہ مخلوق میں ذلیل نہ ہو بلکہ محترم ہو، نبوت کے یہ علوم بھی عجیب جامع ہوتے ہیں۔

حق تعالیٰ کی بارگاہ بے نہایت پر جس کی نگاہ ہوتی ہے، وہ خواہ کتنے ہی مراتب قرب طے کر چکا ہو، لیکن اس کے سامنے غیر محدود مراتب ہوتے ہیں، پس آگے آنے والے مراتب قرب کے سامنے پچھلے مراتبِ قرب کی طرف اُن کی نگاہ نہیں جاتی ہے، اور جاتی بھی ہے تو بجائے عُجب کے اور ندامت طاری ہوتی ہے، کہ اے اللہ اب تک ہم کیوں نقصان میں رہے، عشق است و ہزار بدگمانی، عشقِ دنیاوی میں تو معشوقوں پر ہزار بدگمانی ہوتی ہے۔ اور عشق حق میں عاشق اپنے نفس پر ہزار بدگمانی کرتا ہے، کہ نہ معلوم کس بات پر

پکڑ ہو جاوے نہ معلوم میرا فلاں عمل میاں کو پسند بھی آیا یا نہیں، بس ہر وقت حق تعالیٰ کی خوشی اور ناخوشی پر ان کی نگاہ ہوتی ہے، ہم لوگ جس نگاہ سے بزرگوں کو دیکھتے ہیں اس نگاہ سے وہ لوگ اپنے اوپر نظر نہیں کرتے ہیں، ان کی نگاہ اپنے اوپر نگاہِ عبدیت پڑتی ہے، اپنے کو ہر وقت ناقص دیکھتے ہیں، بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا راستہ کبھی قطع نہیں ہوتا ہے۔

ع نہ گردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دو بینہا

مولانا فرماتے ہیں

اے برادر بے نہایت در گہیست
آنچہ بر وئے میرسی بر وے مایست

بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی تمام صفات غیر محدود ہیں اس لئے اللہ کا راستہ قطع نہیں ہو سکتا، کیونکہ قطع ہو جانا محدود کو مستلزم ہے، راستہ قطع ہونے سے مراد راہِ عبدیت کے اعتبار سے ہے، ع

گردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دو بینہا

حق تعالیٰ اپنے قرب کا جتنا حصہ جس کو عطا فرمانا چاہتے ہیں اسی اعتبار سے اس کی انتہا ہوتی ہے، ہر سالک کو موت آنے سے پہلے تک اعمالِ حسنہ سے قرب حاصل ہوتا رہتا ہے جس وقت نزع کا عالم طاری ہو جاتا ہے، اس وقت اب اس کی ترقی رُک جاتی ہے، پس قرب کے جس مقام پر کہ سکرات کا عالم طاری ہوا ہے وہی مقام اس بندۂ سالک کا انتہائی مقام ہوتا ہے۔

اسی طرح رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا "اے ہمارے رب

ہمارے نور کو تام فرما دیجئے، تو اس تمامیتِ نور میں بھی بہت مراتب ہیں، انبیاء علیہم السلام کی تمامیتِ نور کا اور معیار ہے صدیقین اور شہداء و صالحین کی تمامیتِ نور کا اور درجہ ہوگا، دین کی سمجھ بھی بڑی نعمت ہے، یہ ایسی نعمت ہے جو عارف کی دو رکعت نماز کو باسمجھ عابد ہزار رکعت سے بھی افضل کر دیتی ہے۔

اب مضمون کو اس اجمال پر ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کے لئے تین باتیں ضروری ہیں اوّل، صحبت اھل اللہ، ثانی[۲]، کثرت ذکر اللہ، ثالث[۳]، تفکر فی خلق اللہ، اور ان تینوں حالتوں میں سب سے اہم اور بنیادی چیز اللہ والوں کی صحبت ہے، بدون صحبت کے عمر بھر کا مجاہدہ و ریاضت شیطان منٹوں میں اکارت کر دیتا ہے، اور صحبت یافتہ نفس اور شیطان کے داؤ پیچ سے واقف ہوتا رہتا ہے شیخ کو اپنی حالت سے اطلاع اور اس کی تجویز کی اتباع ایک دن طالب کو مقصود تک پہنچا دیتی ہے، اگر کچھ دیر ہو تو گھبرانے نہیں۔

شاید[۱] کہ تا از آفتاب
لعل یابد رنگ رخشانی و تاب
کیمیائے ست عجب بندگی پیرِ مغاں
خاکِ او گشتم و چندیں درجاتم دادند

---

[۱] اِک زمانہ چاہیئے کہ آفتاب کی شعاعوں سے پتھر مستفیض ہوتے ہوتے لعل بن جائے۔
[۲] اللہ والوں کی غلامی عجب کیمیا ہے کہ چند دن ان کے سامنے مٹنے سے ایسے بلند درجات عطا ہوئے۔

حضرات صحابہؓ کیسے بنے تھے، محض تعلیم کتاب سے نہ بنے تھے تعلیم کتاب کا درجہ تو بعد کا درجہ ہے، تعلیم کتاب کی نافعیت کا مدار تزکیہ پر ہے، عطر گندی شیشی میں کیا اثر کر سکتا ہے، بلکہ شیشی کی گندگی سے عطر کی خوشبو بھی ضائع ہو جاتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہؓ کو کتاب کی تعلیم دینے سے پہلے ان کے سینہ کو رذائل سے پاک فرمایا تھا۔

پس اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت اگر حاصل کرنا ہے تو کسی اللہ والے کی صحبت اختیار کریں، ہمارے حضرت مرشد پاکؒ ایسے موقع پر اکبر الٰہ آبادی کا یہی شعر پڑھا کرتے تھے ؎

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

(اکبر الٰہ آبادیؒ)

زندگی کی ہر سانس کو غنیمت سمجھنا چاہیئے، موت آجانے پر ایک سانس کی مہلت ہفت اقلیم کی دولت قربان کرنے پر بھی نہ مل سکے گی، ؎

اختر جگ میں آئے ہو کچھ دیا دھرم کے کام کرو
یہ وقت نہیں ہاتھ آئے گا جو کرنا ہے سو آج کرو

اب دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ ہم سب کو اپنی معرفت اور محبت عطا فرمائیں، اور اس کتاب

معرفت الٰہیہ

کو قبول فرمائیں، اور اپنے بندوں کے لئے اس کتاب

کو نافع فرمائیں، اور ہماری غلطیوں کو معاف فرمائیں، اور ہماری رُوح کی غذا اپنی محبت و معرفت کو فرمادیں، ؎

جامہ پوشاں را نظر بر گاد راست
رُوح عریاں را تجلّی زیور است

؎ شد صفیر باز جاں در مرج دیں
نعرہ ہائے لَآ اُحِبُّ الْآفِلِیْنَ

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ

محمد اختر عفا اللہ عنہ

لہ جامہ پوشوں کی نظر صرف دھوبی پر ہوتی ہے اور رُوح عریاں زیور تجلّی حق کا مشاہدہ کرتی ہے

۲ دین کی چراگاہ میں عارفین کی روحیں جو مشابہ باز شاہی کے ہیں، لَآ اُحِبُّ الْآفِلِیْنَ کے نعرے لگاتی رہتی ہیں یعنی یہ کہ دنیا کی فانی لذات کی طرف ہم رُخ نہیں کرتے

کتابت: حسین احمد نجیب
۱۵ شعبان ۱۴۰۲ھ

مکتبہ اشرفیہ ممبئی کی اہم مطبوعات ایک نظر میں

۱۔ دنیا و آخرت
۲۔ علم و عمل
۳۔ دین و دنیا
۴۔ حقوق و فرائض
۵۔ میلادُ النبیؐ
۶۔ نظامِ شریعت
۷۔ حقیقتِ عبادت
۸۔ حقیقتِ مال و جاہ
۹۔ فضائلِ صبر و شکر
۱۰۔ حقیقتِ تصوّف و تقویٰ
۱۱۔ محاسنِ اسلام
۱۲۔ دعوت و تبلیغ
۱۳۔ جزا و سزا
۱۴۔ تسلیم و رضا
۱۵۔ برکاتِ رمضان
۱۶۔ سنّتِ ابراہیم
۱۷۔ مفاسدِ گناہ
۱۸۔ آدابِ انسانیت
۱۹۔ حقوق الزوجین
۲۰۔ تدبیر و توکل
۲۱۔ ذکر و فکر
۲۲۔ راہِ نجات
۲۳۔ موت و حیات
۲۴۔ حدود و قیود
۲۵۔ اصلاحِ اعمال
۲۶۔ فضائلِ علم
۲۷۔ اصلاحِ ظاہر
۲۸۔ اصلاحِ باطن
۲۹۔ خیر الاعمال
۳۰۔ رحمتِ دو عالم
۳۱۔ فضائلِ صوم و صلوٰۃ
۳۲۔ حیاتُ المسلمین
۳۳۔ تعلیم الدّین (مکمل)
۳۴۔ تبلیغِ دین
۳۵۔ نشر الطیب
۳۶۔ زاد السعید
۳۷۔ شوقِ وطن
۳۸۔ حقانیتِ اسلام
۳۹۔ آدابُ المعاشرت
۴۰۔ جزاء الاعمال
۴۱۔ اغلاطُ العوام
۴۲۔ سیرتِ خاتم الانبیاء
۴۳۔ سنّت و بدعت
۴۴۔ آدابُ النبیؐ
۴۵۔ تالیفاتِ مصلح الامّت (مکمل)
۴۶۔ تلاوتِ قرآن
۴۷۔ نسبتِ صوفیہ
۴۸۔ احکامِ میّت
۴۹۔ اسوۂ رسولِ اکرمؐ
۵۰۔ روح کی بیماریاں
۵۱۔ رسول اللہؐ کی سنّتیں
۵۲۔ ایک منٹ کا مدرسہ
۵۳۔ مواعظِ دردِ محبت مجلد ۱
۵۴۔ مواعظِ دردِ محبت مجلد ۲
۵۵۔ مواعظِ دردِ محبت مجلد ۳
۵۶۔ مواعظِ دردِ محبت مجلد ۴
۵۷۔ معارفِ مثنوی
۵۸۔ محبوبُ دعائیں
۵۹۔ حج کا ساتھی
۶۰۔ فروع الایمان
۶۱۔ مجالسِ ابرار

مکتبہ اشرفیہ ۳۶، محمد علی روڈ، مقابل مسجد، ممبئی ۳

ہر قسم کے قرآن شریف اور دینی کتابوں
کی اشاعت کا مرکز

مکتبہ اشرفیہ بمبئی کی اہم مطبوعات ایک نظر میں

اصلاح النساء
حیات المسلمین
تعلیم الدین
زاد السعید
شوقِ وطن
نشر الطیب
حقانیتِ اسلام
سال بھر کے مسنون اعمال
آداب المعاشرت
سنت و بدعت
جزاء الاعمال
سیرت خاتم الانبیاء
آدابِ النبی صلعم
علامات قیامت
اغلاط العوام
اعمال قرآنی چار حصے یکجا
تالیفاتِ مصلح الامت ۴ جلدیں
تلاوت قرآن
نسبت صوفیہ
وصیۃ الاخلاص

وصیۃ الاخلاق
وصیۃ الاحسان
احکامِ میت
اُسوۂ رسول اکرم ﷺ
بہشتی ثمر اوّل دوم
روح کی بیماریاں اور اس کا علاج
رسوا للہ کی سنتیں
دنیا کی حقیقت
ایک منٹ کا مدرسہ
مواعظ اختر مجلّہ
فضائل توبہ
تبلیغ دین
تعلق مع اللہ
علاج کبر
تسلیم و رضا
استغفار کے ثمرات
علاج الغضب
خوشگوار ازدواجی زندگی
حقوق النساء
بدنظری اور اس کا علاج

قرآن و حدیث کے انمول خزانے
بدگمانی اور اس کا علاج
معارف مثنوی
محبوب دعائیں
محبوب خدا کی محبوب دعائیں
برکات زم زم
محاسن اسلام
احسان الایمان
آداب انسانیت
فضائل علم
فضائل دین و دنیا
حقیقت عبادت
میلاد النبیؐ
اصلاح ظاہر
خیر الاعمال
علم و عمل
رحمتِ دو عالم
حقیقت تصوف و تقویٰ
برکات رمضان
نظام شریعت

مکتبہ اشرفیہ ۳۶ محمد علی روڈ بمبئی ۳

مکتبہ اشرفیہ ممبئی کی اہم مطبوعات ایک نظر میں

۱۔ دنیا و آخرت
۲۔ علم و عمل
۳۔ دین و دنیا
۴۔ حقوق و فرائض
۵۔ میلادُ النبیؐ
۶۔ نظامِ شریعت
۷۔ حقیقتِ عبادت
۸۔ حقیقتِ مال و جاہ
۹۔ فضائلِ صبر و شکر
۱۰۔ حقیقتِ تصوّف و تقویٰ
۱۱۔ محاسنِ اسلام
۱۲۔ دعوت و تبلیغ
۱۳۔ جزا و سزا
۱۴۔ تسلیم و رضا
۱۵۔ برکاتِ رمضان
۱۶۔ سنّتِ ابراہیم
۱۷۔ مفاسدِ گناہ
۱۸۔ آدابِ انسانیت
۱۹۔ حقوقُ الزوجین
۲۰۔ تدبیر و توکل
۲۱۔ ذکر و فکر
۲۲۔ راہِ نجات
۲۳۔ موت و حیات
۲۴۔ حدود و قیود
۲۵۔ اصلاحِ اعمال
۲۶۔ فضائلِ علم
۲۷۔ اصلاحِ ظاہر
۲۸۔ اصلاحِ باطن
۲۹۔ خیر الاعمال
۳۰۔ رحمتِ دو عالم
۳۱۔ فضائلِ صوم و صلوٰۃ
۳۲۔ حیاتُ المسلمین
۳۳۔ تعلیم الدّین (مکمل)
۳۴۔ تبلیغِ دین
۳۵۔ نشرُ الطیب
۳۶۔ زادُ السعید
۳۷۔ شوقِ وطن
۳۸۔ حقانیتِ اسلام
۳۹۔ آدابُ المعاشرت
۴۰۔ جزاءُ الاعمال
۴۱۔ اغلاطُ العوام
۴۲۔ سیرتِ خاتمُ الانبیاءؐ
۴۳۔ سنّت و بدعت
۴۴۔ آدابُ النبیؐ
۴۵۔ تالیفاتِ مصلحُ الامّت (مکمل)
۴۶۔ تلاوتِ قرآن
۴۷۔ نسبتِ صوفیہ
۴۸۔ احکامِ میت
۴۹۔ اسوۂ رسولِ اکرمؐ
۵۰۔ روح کی بیماریاں
۵۱۔ رسول اللہؐ کی سنّتیں
۵۲۔ ایک منٹ کا مدرسہ
۵۳۔ مواعظِ درد محبت مجلد
۵۴۔ مواعظِ درد محبت مجلد
۵۵۔ مواعظ درد محبت مجلد
۵۶۔ مواعظ درد محبت مجلد
۵۷۔ معارفِ مثنوی
۵۸۔ محبوب دعائیں
۵۹۔ حج کا ساتھی
۶۰۔ فروعُ الایمان
۶۱۔ مجالسِ ابرار

❊ ❊ ❊

مکتبہ اشرفیہ، ۳۶ محمد علی روڈ، ممبئی ۳